ماہنامہ
مسٹری میگزین
اس ماہ کی خاص کہانی
روزنامچہ زندگی
PP
PAKISTANI
POINT
RABTA APNO
اس ماہ پڑھیے دنیا کی 16 بہترین اور منتخب کہانیاں
پاکستانی پوائنٹ

روشنی — 8
قلب وروح کو منور کرتا ہوا
اسلامی سلسلہ

مدیر نامہ — 12 — فہمیدہ
کچھ تنقیدیں کچھ تعریفیں
قارئین کی آراء پر مشتمل خطوط

روزنامچہ زندگی — 15 — شکیل صدیقی
زندگی کے آتار چڑھاؤ پر مبنی
ایک خوبصورت کہانی

احتیاط پسند — 68 — راشد سعید
شکاری پھنس گیا خود اپنے ہی دام میں

تختہ ستم — 72 — نصرت جہاں
اس عورت کی کہانی جس نے اپنے
شوہر کے لیے جہاں بچھایا

درون زندگی — 85 — ذوالنورین
رونالڈ کی آنکھ کھلی تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا

خونی چیٹ — 92
جرم وسزا کے موضوع پر ایک دلچسپ ناول

وہ کون تھا؟ — 131 — انور فرہاد
وہ جو موجود تھا پر نظر نہیں آتا تھا

وہ کون تھی — 136 — انور فرہاد
طنز ومزاح سے بھرپور کہانی

ثبوت جرم — 147 — ایم الیاس
اس شخص کی کہانی جو اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا

مشق لاحاصل — 150 — ذوالنورین
مغرب سے درآمد ایک اچھوتی کہانی

رشتے — 160 — عائشہ انور
ب کنارے ہیں اک سمندر کے
امتیاز بلند و پست نہیں

لوڈوب گئے — 169 — کوثر صفیر
محبت اور درد کے خوبصورت
جذبوں میں گندھی داستان

نیا وصیت نامہ — 178 — عائشہ انور
حیرت اور تجسس سے بھرپور ایک سنسنی خیز تحریر

فرائض منصبی — 185 — شکیل صدیقی
ان لوگوں کا قصہ جو غلط فہمی کا شکار ہوگئے

پروفیسر ایڈم — 192 — شکیل صدیقی
اس ذہین شخص کی کہانی جو پروفیسر نہیں تھا

مرحلہ ناتمام — 200 — نصرت جہاں
اس عورت کی کہانی جو اپنے
شوہر سے بے وفائی کر رہی تھی

دیدہ ور — 207 — الف صدیقی
سائنسی موضوع پر اس جنون صفت
ولولہ انگیز سے بھرپور سلسلہ وار کہانی

# روشنی

از: مولانا محمد حنیف عبدالمجید ...... پسندیدہ فرمودہ: حضرت مفتی نظام الدین شامزئی صاحب (شہید اسلام)

## خوراک اور اخلاق

ترتیب و پیشکش: عابدہ خدیجہ علیم

### کھانے کے آداب:

کھانا ہمیشہ ہاتھ دھو کر کھانا چاہیے تاکہ ہاتھوں پر جو جراثیم لگے ہوتے ہیں وہ دھونے سے ختم ہو جائے اور کھانے کے ساتھ منہ کے ذریعے جسم میں داخل نہ ہو سکیں۔ نیز یہ بھی حکم ہے کہ ہاتھ دھو کر کپڑے سے خشک نہ کریں۔ یہ اس لیے ہے کہ جس کپڑے سے ہاتھ خشک کیے جائیں گے اس کے جراثیم ہاتھوں کو نہ لگیں اور کھانے کے ساتھ جسم میں داخل نہ ہو جائیں۔

### بیٹھ کر کھانا پینا:

جب ہم کھڑے ہوتے ہیں تو معدے کی شکل اور ہوتی ہے اور اگر کھڑے ہو کر کھایا پیا جائے تو جو خوراک معدے میں داخل ہوگی وہ جلد آنتوں میں چلی جائے گی اور معدے کو خوراک ہضم کرنے کے لیے وقت تھوڑا ملے گا اس لیے بدہضمی اور تبخیر کا امکان ہے اور اگر بیٹھ کر سنت کے مطابق کھانا کھایا جائے یا پانی پیا جائے تو کھانا معدے میں کچھ دیر رہنے کے بعد آنتوں میں جائے گا اس لیے بدہضمی کا امکان کم ہے۔

### پانی تین سانس میں پینا:

اگر پانی آہستہ آہستہ تین سانس میں پیا جائے تو معدے پر بوجھ نہیں ہوگا۔ اگر یک دم ایک ہی سانس میں پانی پی لیا جائے تو معدے پر دباؤ یک دم بڑھ جانے سے پیٹ میں درد ہو سکتا ہے اس لیے سنت اختیار کرنے میں بہت ہی فائدہ ہے۔

ایک سانس میں اور جلدی جلدی پینے سے یہ ممکن ہے کہ پانی سانس کی نالی میں داخل ہو جائے۔ یہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

### کھانا کھاتے وقت بیٹھنے کا طریقہ:

آنحضرت ﷺ کے جو بیٹھنے کے طریقے تین قسم کے بتائے گئے ہیں ان طریقوں پر عمل کر کے زیادہ کھانا نہیں کھایا جا سکتا۔ اس لیے موٹاپے سے بچا جا سکتا ہے۔ اگر چوکڑی مار کر کھایا جائے تو تجربے سے ثابت ہے کہ زیادہ کھایا جاتا ہے اور بسیار خوری موٹاپے کا باعث ہوتی ہے۔ اس لیے مسنون طریقے سے بیٹھ کر کھانے میں بہت خیر ہے۔ حضور ﷺ نے چوکڑی مار کر کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔



### کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا:

جدید سائنس نے ثابت کیا ہے کہ ہماری جلد میں سے کچھ مرکبات پسینے میں خارج ہوتے ہیں جو مضر جراثیم کو مار دیتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد انگلیوں کو جو کھانا شروع کرنے سے پہلے دھوئی گئی تھیں اور جراثیم سے صاف تھیں چاٹ لیا جائے تو جراثیم کش مرکبات بھی ہمارے پیٹ میں چلے جائیں گے اور پیٹ کے اندر جراثیم کو ہلاک کر دیں گے۔ اس لیے کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنے میں بھی حکمت ہے۔

### کھانے کے بعد پلیٹ صاف کرنا:

اس سنت پر عمل کے بہت فائدے ہیں۔ ایک تو جب صاف پلیٹ کو باورچی خانے میں واپس رکھا جائے گا تو اس پر حشرات الارض وغیرہ حملہ نہیں کریں گے کیونکہ ان حشرات الارض کو برتن میں کوئی خوراک نہیں ملے گی۔ حشرات الارض جو ہماری بچی ہوئی خوراک کھاتے ہیں اپنے ساتھ خطرناک جراثیم لاتے ہیں جو بہت سی بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔ نیز عزت رزق کا تقاضا ہے کہ ایک ذرہ بھی ضائع نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔

Pakistanipoint

### کھانے کا اثر اخلاق پر:

قرآن پاک میں آیا ہے۔

"اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو"

کیونکہ جس طرح دوا کے اثرات مریض کے بدن پر ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح خوراک کا بھی اثر پڑتا ہے۔ نہ صرف انسانوں پر بلکہ جانوروں پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔"

Waqar Azeem

ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار کسی بادشاہ سلامت نے اپنے طبیب سے فرمائش کی کہ اس کے لیے ایسا مسہل تجویز کر دیں جو کھانے میں لذیذ ہو اور اس سے اسہال بھی آ جائیں۔ حکیم موصوف نے مسہل ادویات کا جوشاندہ بنا کر ایک انگور کی بیل کو دینا شروع کر دیا۔ جب انگور پک گئے تو ان بادشاہ سلامت کو اس کے سات دانے کھلا دیے گئے۔ ان سات انگوروں کے کھانے سے بادشاہ کو سات اسہال ہوئے کیونکہ نباتات کو جس قسم کی خوراک دی جائے گی ویسے ہی اس میں خواص پیدا ہو جائیں گے۔ جب نباتات پر خوراک کا یہ اثر ہوتا ہے تو انسان اس سے کیسے جدا رہ سکتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ بظاہر سب انسان ایک ہی جیسے ہوتے ہیں لیکن ان کے عادات و اخلاق میں فرق ہوتا ہے۔ اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے کہ انسان پر آب و ہوا، ملک، ماحول اور خاندان کے علاوہ خوراک کا بھی اثر ہوتا ہے۔ ہر خوراک کے الگ الگ اثرات ہوتے ہیں۔ مثلاً گوشت خور کا مزاج سبزی خور سے الگ مختلف ہوگا۔ گوشت خوری سے دماغ کند اور مزاج تیز ہو جاتا ہے۔ طبیعت زود رنج اور غصہ آور ہو جاتی ہے۔ خود غرضی اور نفسانیت بڑھ جاتی ہے۔ ایسے لوگ بہادر اور دلیر ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس سبزی خور بزدل اور پست ہمت ہوتے ہیں جس کو وہ اپنی امن پسندی کا خوب صورت نام دیتے ہیں۔

غذائی نقص کی وجہ سے انسانی جسم کی ساخت، وزن، قد و قامت اور صورت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ لیکن غذا کا مطلب صرف پیٹ بھر کر کھانا نہیں ہے۔ غذا کا انحصار اس کی مقدار پر نہیں نوعیت پر ہوتا ہے۔ بقول ڈاکٹر میڈ دنیا کا ایک حصہ تو بھوک کا شکار ہے اور دوسرا کھا کھا کر مرا جا رہا ہے۔ حقیقت میں خوراک کی زیادتی سب سے زیادہ نقصان دہ ہوتی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے جو اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہی سمجھو۔ شکم نواز لوگوں کا پیٹ کوڑے کرکٹ کا ٹوکرا ہوتا ہے۔ بدہضمی، کام میں جی نہ لگنا، غیر معمولی دوران خون، کمزوری، اضطراب اعصاب وغیرہ قسم کی بیماریاں

سب دولت مندوں کی ہی میراث ہوتی ہیں۔ مرغن غذائیں انسان کے دماغ کو خاص طور پر نقصان دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کا کام میں جی نہیں لگتا۔ ذہن پر یاسیت اور قنوطیت کا دورہ رہتا ہے۔ طبیعت اچاٹ رہتی ہے اور اس طرح ان کی ذہنی اور جسمانی تباہی کے ساتھ ان کا اخلاق بھی خراب ہو جاتا ہے اور یہ تو ایک روشن حقیقت ہے کہ ایک فرد کی تباہی دراصل پورے معاشرے اور پوری نسل کی تباہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فاقہ کشی بھی تباہی کا باعث ہوتی ہے اور بھوک سے مجبور ہو کر انسان اخلاق کا دامن سے ہاتھ چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اخلاق کی تباہی کا باعث غیر متوازن اور زیادہ خوراک ہوتی ہے۔

"پیٹ میں پڑا چارہ تو کودنے لگا بے چارہ"۔

آپ نے دیکھا کہ ہمارے آباء واجداد ہم سے زیادہ صحت مند اور تندرست ہوتے تھے۔ وہ ہم سے زیادہ بہادر' خوش اخلاق اور دلیر ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ سادہ اور متوازن غذا کھاتے تھے صاف' سادہ پانی پیتے تھے۔ دورِ جدید کے تکلفات سے محفوظ تھے۔

اب تو دنیا کے تمام ڈاکٹرز اور اطباء بیماریوں کی روک تھام کے لیے خوراک پر زور دے رہے ہیں۔ ان کے نزدیک صرف متوازن خوراک ہی تمام عوارض کا علاج ہے۔ تجربے کار ڈاکٹرز اور طبیب اس بات کی گواہی دیں گے کہ نزلہ' زکام' کھانسی' فلو اور ہاضمے وغیرہ کی تمام شکایات دراصل غلط قسم کی خوراک کے استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ بلکہ بہت سی بیماریاں تو صرف اس دورِ جدید کی ہی پیداوار ہیں۔ پرانے زمانے میں ان کا نام ونشان تک نہ ہوتا تھا۔ مثلاً وٹامن سی کی کمی کی وجہ سے السر' غدود کی بیماریاں' دانتوں کی تکالیف اور نزلہ زکام کی شکایت ہو جاتی ہے۔

وٹامن بی کامپلیکس کی کمی کی وجہ سے اعصابی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ وٹامن اے' ایف' ایچ کی کمی کی وجہ سے جلد کی بیماریاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جن انسانوں کی خوراک میں وٹامن بی اور خاص طور پر بی ون (تھایامین' بیاسین' بائیوٹن) کی کمی ہوتی ہے وہ پریشان خیالی اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تھامین ہائیڈروکلورائیڈ کی کمی ہمارے اخلاق پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ جن لوگوں کی غذا میں اس کی کمی ہو وہ پست ہمت' بزدل اور گندی فطرت کے مالک ہو جاتے ہیں۔ بدزبانی اور بداخلاقی ان کا وتیرہ ہوتی ہے۔ ایسے لوگ جو مطالعے میں پوری توجہ نہ دے سکتے ہوں حافظہ کی کمزوری میں مبتلا ہوں' احساسِ کمتری کا شکار ہوں' ان کے متعلق یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ان کی خوراک ٹھیک نہیں ہے۔ وہ لوگ خوراک میں "تھامین" کی کمی کا شکار ہیں۔

اس کے برعکس ایسے لوگ جن کی خوراک میں "تھامین" کا جزو بہ کثرت ہوتا ہے وہ عام طور پر روشن خیال' ملنسار اور بہادر ہوتے ہیں۔ بہت سی دماغی بیماریاں ایسی ہیں جو خاص قسم کے "حیاتین" نہ ہونے کی بنا پر پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیل خانوں اور عدالتوں سے جن دماغی امراض کے ماہرین کا واسطہ پڑتا ہے ان کا کہنا ہے کہ جرائم کی کثیر تعداد خون میں شکر کا دباؤ کم ہو جانے سے ظہور میں آتی ہے۔ بھوک' کمزوری' پسینہ کا آنا' سخت مزاجی' برا طرزِ سلوک' چوری' قتل' خودکشی' اولاد پر سختی سب کے سب عمل خون میں شکر کا دباؤ ہو جانے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے غذا پر خاص توجہ دینی چاہیے۔

جن لوگوں کی صحت خراب ہوتی ہے وہ جرائم پیشہ بن جاتے ہیں۔ خرابی صحت کی بنا پر ان کے دماغ میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی نشوونما اچھی نہیں ہو پاتی۔ اس لیے وہ زود رنج ہو جاتے ہیں۔ بات بات پر چراغ پا ہو جاتے ہیں۔ ان کی قوت برداشت سلب ہو جاتی ہے۔ وہ اچھائی برائی میں تمیز نہیں کر سکتے۔ ناقص غذا کی وجہ سے ان کے ذہن میں ناقص خیالات ہی پیدا ہوتے ہیں چنانچہ ہم نے تبدیلی غذا کے ذریعے سے تبدیلی اخلاق کے تجربات کیے۔ انہیں متوازن خوراک دی گئی۔ ان کی صحت کا خیال رکھا گیا۔ چند ماہ کے بعد ان کی اخلاقی حالت درست ہونے لگی۔ ظاہراً صحت مند نظر آنے والے اگر بد مزاج اور چڑچڑے ہوں تو ان کی صحت میں ضرور کوئی خرابی ہوگی۔ تبدیلی غذا سے ان کی عادت بد دور ہو سکتی ہے۔ بلکہ متوازن غذا کے



استعمال سے آپ موٹاپے سے بھی محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ایک سائنس دان نے اپنے دورے کے دوران میں امریکا میں نہایت صحت مند و توانا بوڑھے آدمیوں کو دیکھا جو اتنے چست تھے کہ آج کل کے نوجوان بھی نہیں ہیں۔ اس کا اصل راز ان کی خوراک تھی۔ ان کے کھانے میں بھنا ہوا یا دم پخت گوشت بہ افراط اور ساتھ ہی سبزیوں کا کچومر خام تیل ملایا ہوا۔ تازہ پھل بہ کثرت شامل تھے اور یہ بوڑھے اس غذا کو خوب پیٹ بھر بھر رغبت سے کھاتے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر مذہب نے بعض غذاؤں کو ممنوع قرار دیا ہے۔ مثلاً مسلمان سور کا گوشت نہیں کھاتے۔ کیونکہ ہمارے مذہب میں یہ حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہودی اور بعض دوسرے فرقے بھی سور کا گوشت نہیں کھاتے۔

غذا کی افادیت سے ہمارے نبی کریم ﷺ اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ تندرستی نام ہے جسمانی' ذہنی' روحانی اور معاشرتی آسودگی کا اور تندرستی کے لیے اچھی غذا بہرحال لازمی اور ناگزیر ہے۔

## نعت رسول مقبول

(اقبال عظیم)

سوز دل چاہیے چشم نم چاہیے اور شوقِ طلب معتبر چاہیے
ہوں میسر مدینے کی گلیاں اگر آنکھ کافی نہیں ہے نظر چاہیے
ان کی محفل کے آداب کچھ اور ہیں' لب کشائی کی جرات مناسب نہیں
ان کے سرکار میں التجا کے لیے جنبشِ لب نہیں چشمِ تر چاہیے
اپنی روداد غم میں سناؤں کسے' میرے دکھ کو کوئی اور سمجھے گا کیا
جس کی خاکِ قدم بھی ہے خاکِ شفا' میرے زخموں کو وہ چارہ گر چاہیے
میں گدائے درِ شاہِ کونین ہوں' شیش محلوں کی مجھ کو تمنا نہیں
ہوں میسر زمیں پر کہ زیرِ زمیں' مجھ کو طیبہ میں اک اپنا گھر چاہیے
رونقیں زندگی کی بہت دیکھ لیں اب میں آنکھوں کا اپنی کروں گا بھی کیا
اب نہ کچھ گفتنی ہے نہ کچھ دیدنی' مجھ کو آقا کی بس اک نظر چاہیے
ان نئے راستوں کی غلط روشنی ہم کو راس آئی ہے اور نہ راس آئے گی
ہم کو کھوئی روشنی چاہیے ہم کو آئینِ خیر البشر چاہیے
گوشہ گوشہ مدینہ کا پر نور ہے سارا ماحول جلوؤں سے معمور ہے
شرط یہ ہے کہ ظرفِ نظر چاہیے' دیکھنے کو کوئی دیدہ ور چاہیے
مدحتِ سرورِ دوجہاں کے لیے صرف لفظ و بیاں کا سہارا نہ لو
فنِ شعری ہے اقبال اپنی جگہ نعت کہنے کو خونِ جگر چاہیے

آ[illegible] ور آپ بھی اسوہ رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے متوازن غذا استعمال کریں اور ایک صحت مند مسلم معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کریں۔

# مدیر نامہ

## عزیز قارئین، السلام علیکم

ماہنامہ مسٹری میگزین کا جنوری **2018** کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔گزشتہ شمارے میں ہم نے ''الف صدیقی کی تزکیہ نفس شائع کی تھی جسے آپ سب نے بہت سراہا جس میں ہمارے حوصلے میں اضافہ ہوا۔اس ماہ کا شمارہ بھی دلچسپ کہانیوں سے سجا ہوا ہے۔اُمید کرتے ہیں کہ آپ کو ہمارا انتخاب پسند آئے گا اور آپ خطوط کے ذریعے ہمیں اپنی آراء سے بھی آگاہ کریں گے۔

اب چلتے ہیں آپ کے خطوط کی جانب

**مصطفی کریم** کراچی سے لکھتے ہیں

✍ سب سے پہلے تو سرورق کا ذکر کرنا چاہوں گا بس اچھا تھا بہت اچھا نہیں تھا البتہ روشنی کے سلسلے نے اس بار بھی متاثر کیا۔اولاد کی تربیت کرتے ہوئے والدین کیسی کیسی تباہ کن غلطیاں کرتے ہیں۔اس حوالے سے مضمون میں بہت تفصیل سے بیان کیا گیا۔الف صدیقی اس بار اپنے نئے کارنامے کے ساتھ نظر آئیں تو دل باغ باغ ہوگیا۔الف صدیقی کی تحریر کی کیا بات ہے۔سسپنس کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے میں خواتین کے ساتھ کیے جانے والے سلوک کا بھی شاندار انداز میں احاطہ کیا گیا۔میرا تعلق بھی ایک گاؤں سے ہے وہاں کی زندگی کا جمود اور سادہ لوح انسانوں کو انسانی دشمنوں کا نوالہ بنانے کا رواج صدیوں پرانا ہے۔ہاری کی قسمت کوئی بدلنا نہیں چاہتا لیکن الف صدیقی نے کوشش کی اور ایک بے گناہ شخص کو جیل کی تاریکی سے اُجالے میں لانے میں کامیاب ہوئیں' اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

**ارباز صدیقی** نے لاہور سے یاد کیا ہے

✍ اس ماہ کی خاص کہانی ''تزکیہ نفس'' نے بہت متاثر کیا۔ثریا واقعی احمد یار سے سچی محبت کرتی تھی ورنہ اپنی جان نہ دیتی۔بغاوت کی قیمت ہوتی ہے جو ثریا نے بھی دی اور احمد یار نے بھی۔ایم الیاس کی ٹیڑھی انگلی' نوازش شاہین کی آخری وعدہ بھی پسند آئیں۔دیدہ ور کی کیا تعریف کروں ہر سطر دلچسپ اور شاندار ہے۔شکیل صدیقی کو ہماری جانب سے مبارکباد کا پیغام دیجیے گا دیگر کہانیوں میں ''سزا'' بھی پسند آئی۔ثریا صغیر صدیقی نے کہانی پر گرفت اس قدر مضبوط رکھی کہ احساس یہ نہیں ہوا کہ یہ طبع زاد نہیں بلکہ ترجمہ ہے۔پیاسی روحوں کا سلسلہ بھی اچھا ہے۔داو



طلب میں کون کسی کا! بھی اچھی کاوش تھی۔ہمیں کاردی ہاک کی تحریر کردہ اور احمد صغیر صدیقی کی ترجمہ کردہ کہانی تفتیش بھی پسند آئی۔کہانی کے تانے بانے دلچسپی سے بنے گئے تھے۔

**فیضان اسماعیل** کراچی سے لکھتے ہیں

✍ اس ماہ کی خاص کہانی ''تزکیہ نفس' پڑھ کر لطف آ گیا۔الف صدیقی کی تحریر میں جادو ہے جب بھی لکھتے ہیں جم کر لکھتے ہیں۔اس ماہ کے مسٹری میگزین میں اے ایس صدیقی سید حارا ستا بھی اچھی لگی۔کہانی کا اختتام غیر روایتی اور دلچسپ تھا۔انتقام میں انہونی کو موضوع بنایا گیا جبکہ ماسٹر مائنڈ پڑھ کر لطف اندوز ہوا۔جنا گزیدہ واقعی تیز رفتار تھی ہم نے بھی بس تیزی سے پڑھ کر برق رفتاری سے ختم کی۔ثریا شہاب الدین نئی لکھاری ہیں۔انہوں نے لاتوں کے بھوت کے ذریعہ متاثر کیا۔نصرت جہاں کی زندہ درگور' شاعر علی شاعر کی نیلی آنکھوں والی سے بھی لطف اندوز ہوئے۔دیدہ ور کی کیا تعریف کریں نہایت دلچسپ آئیڈیے پر کہانی کی بنت کی گئی ہے۔ہر ماہ اس کا انتظار رہتا ہے۔انتظا سحر نے بھی متاثر کیا۔روشن آراء کی سزا بھی اچھی تھی البتہ راشد سعید کی دردن معدہ ہم پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔

**محمود صدیقی** شہدادکوٹ سے محفل میں آئے ہیں

✍ اس بار کا مسٹری میگزین دلچسپ سرورق سے بھی تھا۔خاص کہانی تزکیہ نفس سے لیکر دیدہ ور تک ہم نے ایک ہی نشست میں پورا میگزین پڑھ ڈالا۔سسپنس' رومانس سے بھرپور میگزین اتنی جلد ختم ہو جاتا ہے۔یہ دل چاہتا ہے کہ میگزین یا تو صفحات بڑھا دے یا پھر مہینے میں دو بار شائع ہو۔ہمیں دوسرا آدمی' سفاک سمندر اور پرانا حساب بھی پسند آئیں۔دوسرا آدمی پڑھ کر انسان کا محبت پر سے گویا یقین اُٹھ سکتا ہے۔لیکن دوسری جانب ایک خاموش محبت کی دلداریاں بھی ذہن کو اچھی لگیں۔سید حارا ستہ' دیدہ ور بہت تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی ہیں دونوں کا پلاٹ اچھا ہے اور مصنفین نے اس پر قسطوں کی صورت کئی منزلوں کی تعمیر کردی ہے۔راہ طلب میں کون کسی کا بھی اچھی تھی۔شوہر کی بے توجہی کا شکار خاتون کا طریقہ انوکھا اور دلچسپ تھا۔ماسٹر مائنڈ کا عنوان سمجھ سے بالا تھا۔یہ تو لڑکیوں کو بے وقوف بنانے کا سلسلہ تھا اور بس۔

**طفیل یامین** کراچی سے رقمطراز ہیں

✍ کاردی ہاک کی تازہ ترین پیشکش تفتیش کا ترجمہ ہمیں خاصا گنجلک لگا۔کہانی کی فضا اتنی محنت سے نہیں بنائی گئی۔جیسا کہ اس کا حق تھا۔احمد صغیر صدیقی کی تھوڑی توجہ اس کہانی کو دلچسپ بنا سکتی تھی۔رضوان کا عشق پسند آئی۔الف صدیقی تحریر کا حق ادا کرتے ہیں۔روانی' سلامت اور سسپنس کی انگلی تھام کر چلنا کوئی ان سے دیکھے۔اس کے علاوہ ٹیڑھی انگلی کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔بہت پر پیچ لیکن اچھی کہانی تھی۔محبت کا یہ انجام تکلیف دہ تھا بہر حال دنیا اسی کا نام ہے۔آگے بڑھے تو دیدہ ور اور پرانا حساب نظر نواز ہوئیں

دلچسپ انداز میں کہانیاں آگے بڑھ رہی ہیں۔ روشن آراء کی سزا بھی تیز رفتار اور اچھی کہانی تھی۔ لاتوں کے بھوت میں سے جھانکتی نصیحت دل کو چھو گئی واقعی لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

**مبین تبسم** لاہور سے رقمطراز ہیں

مسٹری میگزین کا تازہ شمارہ دیکھا۔ بے حد اچھی کہانیاں منتخب کی گئی تھیں لیکن مجھے سب سے زیادہ شکیل صدیقی کی دوسرا آدمی لگی۔ رائٹر نے انتہائی دلچسپ انداز میں کہانی کو بیان کیا۔ ماورائے شعور ہستیوں کے ساتھ رہنا آسان نہیں ہوتا اور غربت میں آٹا گیلا کے مصداق اس گھر کے رہائشوں کے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ روح ہوتے ہوئے بھی نوجوان نے اپنا حدود نہیں پھلانگی بلکہ مسلسل محبت کو شادی کی شکل میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بہت دلچسپ کہانی تھی۔ اس کے علاوہ آخری وعدہ' سزا' سید حامد استہ کے ساتھ ساتھ پرانا حساب کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ ہماری جانب سے رزاق شاہد کوہلر کو مبارک باد دے دیں۔

**نور زادہ کفیل** حیدر آباد سے لکھتے ہیں

تبصرے کا آغاز الف صدیقی کے نئے کارنامے "تزکیہ نفس" سے کروں گا۔ بہت دلچسپ اور عمدہ پیرائے میں لکھی گئی کہانی تھی۔ وردن معدہ اور آخری وعدہ بہت پسند آئیں۔ ذوالنورین کی انتظار سحر نے بھی لطف دیا۔ سفک سمندر زندہ در گور' نیلی آنکھوں والی اور رضوان کا عشق سے لیکر دیدہ ور تک عام کہانیاں معیاری تھیں۔ میں انگریزی ادب سے بھی شغف رکھتا ہوں اور میری تحریریں مختلف جرائد میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ حال ہی میں ایک انگریزی ناولٹ کا ترجمہ کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ کا ادارہ یہ ناولٹ شائع کریں۔ فون نمبر بھیج رہا ہوں۔ اس پر اپنے جواب سے آگاہ کیجیے گا۔ یقین جانئے میری زندگی کی ایک بڑی خواہش پوری ہو جائے گی۔ مجھے اس ناولٹ کا بنیادی خیال بہت اچھا لگا تھا جس پر میں نے ناولٹ کا ترجمہ کر ڈالا۔ آپ کی ہمت افزائی میرے لیے پہچان کے نئے در وا کرے گی۔

---

یہ تھے قارئین کے خطوط اب اگلے ماہ تک کے لیے اجازت

---

فہمیدہ



# روزنامچہ زندگی

شکیل صدیقی

زندگی کے اتار چڑھاؤ پر مبنی ایک خوبصورت کہانی

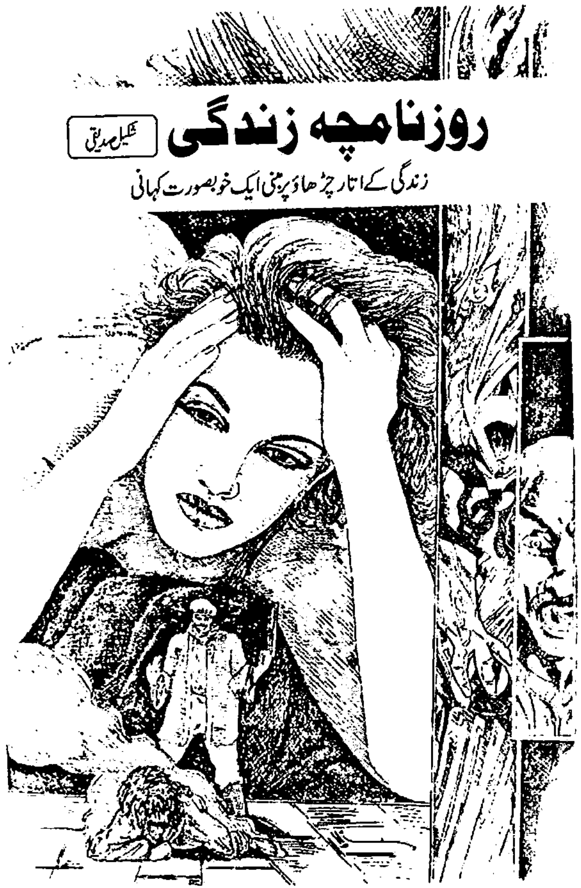

# روزنامچہ زندگی

اوہ گولی مارو کپڑوں کو۔ ظفر نے سوٹ کیس ایک طرف اچھال دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ کچھ باتیں کپڑوں سے اور جسمانی صفائی سے بھی اہم ہوتی ہیں۔

چلئے! ریحانہ نے کہا۔ وہ باہر آ کر ٹیکسی میں بیٹھ گئے تو ظفر کے اضطراب میں کمی واقع ہوئی۔ اب وہ ایک نئے عزم وارادے سے ایک نئی منزل کی طرف جارہا تھا۔ ایسی منزل کی طرف جہاں ریحانہ اس کی ہمراہی تھی۔

شکیل صدیقی

**زندگی کے اتار چڑھاؤ پر مبنی ایک خوبصورت کہانی**

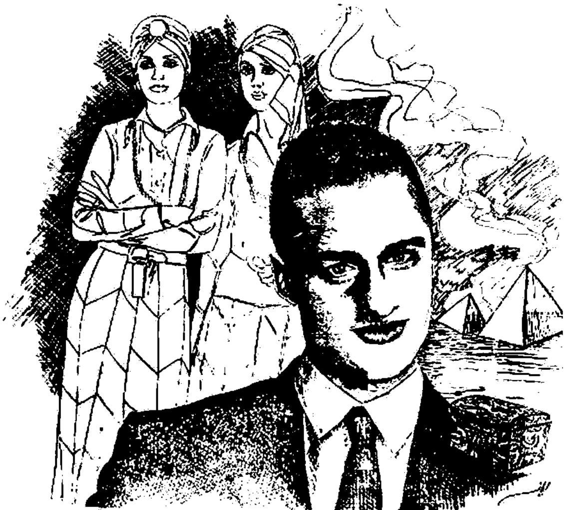

ظفر دولہا بنا ہوا تھا۔ اس کے دلکش چہرے پر سہرے کی لڑیاں جھول رہی تھیں اور وہ شارک اسکن کی شیروانی میں غضب ڈھارہا تھا۔

رات کے تقریباً بارہ بج چکے تھے۔

شادی میں شریک ہونے والے مہمان زیادہ تر واپس جاچکے تھے اور شادی کی رونقیں ماند پڑتی جارہی تھیں۔ ڈھولک کی صدا دم توڑ چکی تھی اور کنواریوں کے کھنکھناتے ہوئے قہقہے معدوم ہوچکے تھے۔ البتہ رنگ اور روشنیوں کا کھیل اب تک جاری تھا۔ گھر کی دیواروں پر جو رنگین قمقموں والی جھالریں لگی تھیں وہ اب بھی آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں اور فضا میں کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں چکرا رہی تھیں۔

ادھر آؤ میرے ساتھ۔ اقبال نے ظفر سے کہا۔

وہ اس کا گہرا دوست تھا اور سامنے والے مکان میں رہتا تھا۔ ان کے درمیان کوئی راز، راز نہیں تھا۔

ہاں، ہاں ضرور۔ یہ تجربے کار ہیں، ظفر ان کی باتیں غور سے سننا۔ ایک دوست نے ذومعنی انداز میں کہا۔

ظفر جھینپ کر رہ گیا۔

دلہن رخصت ہوکر اس کے ساتھ آ گئی تھی مگر ابھی وہ حجلہ عروسی میں نہیں گیا تھا۔ سڑک پار سامنے والی لائن میں اقبال کا گھر تھا۔ وہاں بھی مہمانوں کے کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا تھا لیکن اس وقت وہاں بھی سناٹا پڑا تھا۔ دریاں اور چادریں اوندھی پڑی تھیں۔ فرش قدموں کے نشانات سے آلودہ تھا۔

اقبال اندرونی کمرے سے دو کرسیاں کھینچ لایا تو وہ باہری کمرے میں بیٹھ گئے۔ اس کے تقریباً سارے گھر والے ظفر کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ گھر میں صرف بوڑھا ملازم تھا۔

ساڑھے بارہ بجنے والے ہیں۔ ظفر نے کلائی کی گھڑی پر نگاہ ڈال کر کہا۔

ہاں، اب تمہیں جانا چاہئے۔ اقبال نے کہا۔ مگر میں تمہیں یہاں چند خاص باتیں بتانے آیا تھا۔

ظفر نے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

آج تم ایک نئی زندگی میں قدم رکھ رہے ہو، جو کچھ ہو

چکا ہے اسے بھولنے کی کوشش کرو۔ ماضی کو فراموش کردو تاکہ اس کی پرچھائیاں تمہارے مستقبل پر اثرانداز نہ ہوسکیں۔

میں اس کی کوشش کررہا ہوں۔ ظفر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا پھر اس کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

جیسے اس کے دل کا کرب اجاگر ہورہا ہو۔ جسے وہ مسکراہٹ میں ملفوف کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

!تم ایک فرماں بردار نوجوان ہو اس لیے تم نے اپنے والدین کی خوشی کے آگے سر جھکادیا۔ اپنے دل کے خانے بند کردیے اور اپنے جذبات کو سلادیا۔ اب تمہیں ایک اچھا شوہر بن کردکھانا ہے۔

ہاں، اب میں قانونی طور پر ایک لڑکی کا شوہر بن چکا ہوں۔ ظفر نے مضمحل آواز میں کہا۔

قانون نے تمہیں ایک دلکش بندھن میں باندھ دیا ہے اس لیے تمہیں اپنا عہد نبھانا ہے۔ ایک انجان لڑکی اپنے والدین کا گھربار چھوڑ کر تمہارے ساتھ یہاں آگئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں بہت سے خواب سجے ہوں گے۔ اب تمہیں ان خوابوں میں رنگ بھرنا ہے اور اس کی زندگی کو ایک خوش گوار تعبیر دینا ہے۔

ہوں! ظفر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور کچھ۔

ہاں۔

وہ کیا۔

اپنی بیوی یعنی میری بھابی کو میری طرف سے سلام کہنا۔

اس نے ہنس کر کہا پھر ظفر کو لے کر سڑک پار اس کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے ظفر کو اندرونی حصے تک پہنچادیا۔

وہاں اس کی ملاقات اقبال کی بیوی صفیہ سے ہوئی۔

تم کہاں گھومتے پھررہے تھے۔ اس نے ظفر کو گھورتے ہوئے کہا پھر گردوپیش پر نگاہ ڈالی اور چاروں طرف سناٹا دیکھ کر اس کا کان پکڑلیا۔

اقبال کے کان کھینچ کھینچ کر آپ کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور اب آپ کے ہاتھ میرے کان تک پہنچنے لگے ہیں۔ ظفر نے منہ بنا کر کہا۔

تمہاری صحبت میں رہ کر ان کی عادتیں بھی بگڑ چکی ہیں۔ صفیہ نے کہا۔ بعض اوقات تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تمہاری محبت، میری محبت پر غالب آتی جارہی ہو۔

ظفر نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

اس کا کمرہ اوپری منزل پر تھا۔ جب وہ زینہ طے کرکے اوپر جارہے تھے تو ظفر کو سناٹے کا احساس ہوا۔

کیا سب لوگ ابھی سے سوگئے صوفیہ۔ اس نے چونک کر پوچھا۔

ابھی سے تمہاری کیا مراد ہے۔ صفیہ نے غرا کر کہا۔ رات کا ایک بجنے والا ہے۔

اوہ ہاں۔ ظفر جھینپ گیا مگر کمرے کی کھڑکی کے قریب کون کھڑا ہوا ہے۔ وہاں سے کون تاک جھانک کررہا ہے۔

تمہاری سہیلیاں ہیں۔ صفیہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

کک ...... کون۔ نورین۔ ظفر نے چونک کر کہا۔ نہ جانے کیوں اس کی آواز ہکلا گئی تھی۔

ہاں، لیکن تمہارے قدموں میں لڑکھڑاہٹ کیوں پیدا ہورہی ہے۔

کک ...... کچھ نہیں۔ ظفر کی آواز اس بار بھی اس کا ساتھ نہ دے سکی۔

انھیں دیکھ کر لڑکیاں کھلکھلاتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ اوپر صرف ایک ہی کمرہ تھا جس کے دروازے پر پھولوں کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ ایک روز پہلے وہ کمرہ اور پھر گھر اقبال اور اس کے دوستوں نے سجایا تھا۔

اقبال نے بغیر کہے اور بھی بہت سے کام اپنے ذمے لے لیے تھے اور شادی کے انتظامات کا انحصار اسی پر تھا۔

صفیہ نے دروازے کے قریب پہنچ کر ہلکی سی دستک دی اور بلند آواز سے کہا۔ بی رشیدن دروازہ کھولو۔

قدموں کی چاپ ہوئی، چند چوڑیاں کھنکیں پھر



دروازے کی چٹخنی ہٹائی گئی اور دروازہ کھل گیا۔ رشیدن کی صورت دکھائی دی جو جماہیاں لے رہی تھی۔ وہ صفیہ کی ملازمہ تھی۔ اس کی صورت دیکھ کر وہ چپلیں گھسیٹتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

ذرا خیال رکھنا۔ صفیہ نے ظفر کے بازو پر چٹکی لے کر کہا۔ ریحانہ کی طبیعت خراب ہے۔

پھر اس نے ظفر کو کمرے میں دھکیلنا چاہا تو اس نے صفیہ کا ہاتھ پکڑلیا۔ میرا ایک کام کردیجیے میں بہت ممنون ہوں گا۔

کام اوہ کیا۔ صفیہ نے ٹھٹک کر کہا۔

میرا خط اسے دے دیجیے۔ اس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا اور شیروانی کی اندرونی جیب سے ایک خط نکال کر اس کی طرف بڑھادیا۔

کسے۔ نورین کو۔

اب تم ایک لڑکی کے شوہر بن چکے ہو۔ صفیہ نے سرگوشی میں اسے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔ تمہیں حالات کا بے جگری سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس نے وہ خط جھپٹ کر ظفر کے ہاتھ سے لے لیا۔ یہ اس لڑکی کے ساتھ زیادتی ہے جو تمہاری بیوی بن چکی ہے۔

خط میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ خود پڑھ کر دیکھ لیجیے۔ ظفر نے سرگوشی میں کہا۔

صفیہ نے خط کے چار ٹکڑے کردیے اور انھیں ساڑھی کے بلاؤز میں گھسیڑ کر بولی چلو اندر جاؤ۔ وقت کافی ہوچکا ہے۔

ظفر اسے حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔

وہ بوجھل قدموں سے اندر چلا گیا اور اس نے دروازہ بند کرلیا۔ کمرہ پھولوں سے سجا ہوا تھا اور فرش پر بھی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔

دائیں دیوار پر اس کی قلمی تصویر لگی ہوئی تھی جو اس کے دوست گلزار نے بنائی تھی۔ اس کے نیچے ایک عنوان تھا۔

ایک خواب۔

وہ مسہری جس پر اس کی دلہن ریحانہ بیٹھی تھی سجی ہوئی تھی۔ قریب ہی ایک تپائی پر دودھ کے دو گلاس اور ایک پلیٹ میں چند پھل رکھے تھے۔

مسہری کی بائیں جانب ایک وال کلاک لگا تھا جس میں سوئیوں کے درمیان ایک چھوٹا سا کارٹون لگا ہوا تھا۔ وہ کاؤ بوائے تھا چست کپڑوں میں ملبوس سر پہ فیلٹ ہیٹ دیے ہوئے۔ وہ ہر پانچ منٹ بعد دائیں ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور سے فائر کرتا تھا۔

ظفر نے اس کی طرف دیکھا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے فائر اس کے دل پر ہورہے ہوں۔

وہ ابھی تک دروازے کے نزدیک ہی کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا ہو۔

اس نے پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگایا تو ہمت پیدا ہوئی۔ وہ آگے بڑھا اور اس نے پیکٹ اور لائٹر تپائی پر رکھ دیے۔

اس نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں رگڑ دیا پھر مسہری کے قریب گیا اور آہستہ سے وہاں بیٹھ گیا۔ مسہری پر بیٹھی ہوئی دلہن کسمسائی تو چوڑیاں کھنک اٹھیں۔

چوڑیوں کی اس کھنک پر ناول نگاروں اور شاعروں نے سیکڑوں صفحات سیاہ کردیے ہیں مگر ظفر کو وہ کوئی خاص بات معلوم نہ ہوئی۔

اس کے دل میں کسک پیدا ہونے لگی کہ ایسا کیوں ہے۔

گھڑی نے سوا ایک بجنے کا اعلان کیا تو اس کی نگاہ گھومتی ہوئی جاکر اپنی قلمی تصویر پر جم گئی۔ وہ تصویر چار سال پہلے کی تھی۔

ایک خواب۔

جس نے اس تصویر کو عنوان دیا تھا اس کی پیش گوئی کتنی درست تھی۔

اس کی زندگی ایک خواب ہی تو تھی۔ نورین اس کی

زندگی میں ایک حقیقت بن کر داخل ہوئی اور پھر سب کچھ ایک خواب بن کر رہ گیا۔

نورین کا سراپا قیامت تھا۔ وہ سرو قامت تھی۔ اس کی آنکھیں مضطرب، ہونٹ سلگتے ہوئے اور پیشانی کشادہ۔ وہ کسی شاعر کا خیال اور کسی افسانہ نگار کا عنوان تھی۔ وہ آنکھوں کے راستے اس کے دل میں اتر کر اس کے جسم و جاں کی مالک بن چکی تھی۔

مگر سب کچھ اس کے لیے اب ایک خواب بن کر رہ گیا تھا۔

نورین سے اس کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ایک چھت...... ایک زینہ اور ایک آنگن کے بعد وہ موجود تھی لیکن یہ فاصلہ اس کے لیے بہت طویل ہو چکا تھا۔ وہ اسے عبور نہیں کر سکتا تھا۔

ظفر ایک ادیب تھا اور نورین اس کی پرستار۔

وہ اس کی کہانیوں کو پسند کرتی تھی۔ اس نے آٹھ سال پہلے اس کا ایک ناول پڑھ کر پبلشر سے اس کا پتہ منگوایا پھر اسے ایک خط لکھا۔ ظفر نے خط کا جواب دے دیا پھر دونوں میں خط و کتابت شروع ہو گئی۔ تنقیدیں، تعریفیں اور پھر اپنائیت کا اظہار۔

وہ بات جو اشاروں اور کنایوں میں کہی جاتی ہے۔ انہوں نے برملا کہہ دی۔ ایک دوسرے سے ملے بغیر انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ ایک انجانے سے بندھن میں بندھ چکے ہیں۔

ظفر نے ایک خط میں اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے خواہش کا احترام کیا۔ وہ نورین سے ملنے اس کے گھر گیا۔ وہ اچھے خاندان کی چشم و چراغ تھی۔

ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری ملاقات ہوئی۔ پارک، سینما گھر اور تفریح گاہیں..... وہ ایک دوسرے کے قریب آتے چلے گئے۔

نورین کے گھر والے وسیع النظر تھے وہ ظفر کو ادیب اور ناول نگار کی حیثیت سے پسند کرتے تھے پھر جب ایک بار ظفر کی سالگرہ ہونے لگی تو اس کے والدین نے نورین کے سارے خاندان کو مدعو کیا۔ وہ سب شریک ہوئے اور اسی وقت نورین نے اس کی تصویر کے پیچھے لکھ دیا۔ ایک خواب۔

پھر ان کی محبت ڈرامائیت اور افسانوی زندگی سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں آ گئی۔ ظفر نے نورین کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار کر دیا اور دبی زبان سے شادی کا تذکر کیا۔ بات صفیہ کے ذریعے سے نورین کے والدین تک پہنچا دی گئی۔ انہوں نے مثبت جواب دیا۔

ظفر کے والد ایک خاموش طبیعت اور مشفق انسان تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی پسند یا ناپسند پر کبھی کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ اس موقع پر بھی وہ خاموش رہے لیکن ظفر کی والدہ نے کہلا دیا کہ ظفر اپنے بچپن ہی سے منسوب ہو چکا ہے اور اس کی شادی اس کی ماموں زاد بہن ریحانہ سے طے ہو چکی ہے۔

اس سلسلے میں انہوں نے ظفر سے دوٹوک بات کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ چاہے تو اس نسبت کو ختم کر سکتا ہے لیکن اس سے خاندان تباہ ہو جائے گا اور تعلقات میں شگاف پڑ جائے گا۔

ظفر نے سوچا وہ پسند کی شادی کر کے اپنے خاندان کو کیوں تباہ کرے۔ اپنی والدہ کی ناراضگی مول لے کر اپنی جنت سے کیوں منہ موڑے۔

وہ اس بارے میں سوچ ہی رہا تھا اور اپنی ماں کو فیصلہ سنانے والا تھا کہ اس نے سنا کہ اس کی ماں نے اقبال اور صفیہ سے تعلقات منقطع کر لیے ہیں محض اس لیے کہ انہوں نے ظفر اور نورین کے رشتے کے لیے وکالت کی تھی۔

اس سے پہلے کہ بات بڑھ جاتی ظفر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور ماں کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں ریحانہ اس وقت اس کے سامنے دلہن بنی بیٹھی تھی۔



ریحانہ جسے اس نے گزشتہ دس سال سے نہیں دیکھا تھا۔ آخری بار جب اس سے ملاقات ہوئی تھی تو ظفر نے اسے دیکھ کر کوئی اچھا تاثر نہیں لیا تھا۔

وہ غلیظ کپڑوں میں ملبوس تھی اور اس کا سر چکنا ہوا تھا۔ میلی کچیلی اور گندی۔ وہ نل پر پانی بھرنے گئی تھی۔ وہاں اس سے مٹکا ٹوٹ گیا تو اس کی ماں نے اس پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ وہ اس کے ساتھ ریحانہ کو کوستی جا رہی تھی۔

اس کے والد معمولی سی دکان کرتے تھے۔ انہیں قلیل سی آمدنی ہوتی تھی جس میں مشکل سے گزارہ ہوتا تھا۔ ریحانہ ان کی اکلوتی لڑکی تھی۔

اور آج۔

...... آج وہی لڑکی اس کی دلہن بنی ہوئی ایک سرخ گٹھری کے روپ میں مسہری پر بیٹھی تھی۔ یہ وہی ریحانہ تھی جس کے والد اس کی والدہ کے پاس قرض مانگنے آیا کرتے تھے اور یہ قرض کبھی واپس نہیں آتا تھا۔

پھر انہیں ایک سرکاری آفس میں ملازمت مل گئی تو تھوڑے عرصے بعد ان کا تبادلہ دوسرے شہر ہو گیا۔ وہ اپنے مختصر سے خاندان سمیت وہاں منتقل ہو گئے۔

مگر میل ملاقات جاری رہی۔ ظفر کی والدہ اپنے بھائی کے پاس آتی جاتی رہیں اور جب ریحانہ جوان ہو گئی تو ظفر کی والدہ نے اپنے وعدہ کا پاس کیا۔

ریحانہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی اسی لیے اس نے پہلو بدلا تو اس کی چوڑیاں کھنک اٹھیں۔ ظفر چونک گیا۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ دو بجنے والے تھے۔

رات صرف چند گھنٹوں کی رہ گئی تھی۔

اس نے سوچا ریحانہ کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ ایک سیدھی سادی اور معصوم سی لڑکی ہے۔ اس نے اپنے والدین کی چوکھٹ چھوڑ دی اور اپنی آنکھوں میں خواب سجا کر اس کے گھر آ گئی تھی۔

ظفر نے ہاتھ بڑھا کر اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔ ریحانہ نے شرما کر آنکھیں بند کر لیں۔ ظفر نے ایک نظر میں اندازہ لگا لیا کہ ریحانہ خوبصورت ہے۔

اس کا غلیظ بچپن کہیں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

سیب کی تازہ قاشوں کی طرح ترشے ہوئے ہونٹ، دراز پلکیں، گھنی بھویں، ناک میں پڑی ہوئی نتھ اور پھر لانبی مخروطی انگلیاں اور ناخنوں پر رچی ہوئی سرخی۔ اس کی انگلیوں میں انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔

ظفر نے بے ساختہ اس کے ہاتھ تھام لیے تو اسے احساس ہوا کہ ریحانہ کے ہاتھ جل رہے ہیں۔

اوہ تمہیں تو شاید بخار ہے یا پھر شدید تھکن! ریحانہ سر ہلا کر رہ گئی۔

آرام کرو...... تمہاری طبیعت خراب ہے۔ ظفر نے آہستہ سے کہا پھر اسے اپنے پہلو میں کھینچ لیا۔ ریحانہ کسی بے جان گڑیا کی طرح اس کے بازوؤں میں لڑھک گئی۔

اس وقت اس نے نورین کو اپنے ذہن سے کھرچ ڈالا اور ریحانہ کو بسا لیا۔ اب وہ اس کے ہونٹوں کی تپش محسوس کر رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو ظفر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اٹھ کر نائٹ گاؤن کی ڈوریاں کسیں پھر دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے نو بج رہے تھے۔

باہر سے دبے دبے قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ دروازے کی طرف بڑھنے والا تھا کہ اس کی نگاہ ریحانہ پر پڑی۔ اس کی بدن پر سے رضائی ہٹ گئی تھی۔ آدھا جسم کھلا ہوا تھا۔ اس کے لمبے اور سیاہ بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے۔

اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور سانسوں کی آمد و رفت سے سینے میں تموج تھا۔ رات والی ریحانہ سے اس وقت کی ریحانہ زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔ اس وقت وہ کلی تھی تو اس وقت کھلا ہوا پھول۔

دروازے پر دستک بڑھ گئی تو اس نے ایک سگریٹ سلگایا اور بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ رشتے کی چند بہنیں کھلکھلاتی ہوئی اندر آ گئیں۔

شکر ہے کہ ان میں نورین شامل نہیں تھی۔

نورین......! نورین۔

اس کے خیال اور اس کے تصور سے دماغ ابھی تک آزاد نہیں ہوا تھا۔

اس نے نیچے جانے کے لیے زینے پر قدم رکھا تو آنگن میں لگے ہوئے واش بیسن پر پانی گرنے کی آواز سنائی دی۔

وہ کون ہو سکتا تھا۔

دماغ میں خواہ مخواہ کرید پیدا ہونے لگی۔

پھر چھپاکے سنائی دیئے۔ جس سے اس نے اندازہ لگایا کہ کوئی منہ دھو رہا ہے۔

آخری زینے کو طے کر کے جب وہ آنگن کی طرف مڑا تو سناٹے میں آ گیا کہ وہ......نورین تھی۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی اور چہرہ ستا ہوا جیسے وہ تمام رات بے چین رہی ہو یا روتی رہی ہو۔

......وہ سفید ساڑھی پر سفید گاؤن ڈالے کھڑی تھی۔

اس کے ایک ہاتھ میں ٹوتھ پیسٹ اور دوسرے میں برش تھا۔ وہ دانت صاف کر رہی تھی۔

دفعتاً اس نے بہت سا جھاگ واش بیسن میں تھوک دیا اور مسکرا کر بولی۔ اوہ تو آپ جاگ گئے! رات کیسی گزری۔

ایں ہاں ٹھیک ٹھاک! وہ اس برجستہ سوال کا جواب دیتے ہوئے گھبرا سا گیا تھا۔

اس نے نزدیک آ کر اس کے شانے سے چٹکی سے ایک بال اٹھایا اور بولی۔ نیند اس کی ہے، دماغ اس کا ہے، راتیں اس کی ہیں جس کے شانوں پہ تیری زلفیں پریشاں ہو گئیں۔

ظفر نے جھینپتے ہوئے انداز سے کہا۔ صبح کے وقت صاحب ذوق لوگوں سے باتیں کرتا ہوا میں کتراتا ہوں۔ اس لیے جو بات نثر میں نہیں کہہ پائے وہ نظم میں کہہ دیتے ہیں۔

اس کے لیے صبح و شام کی کیا قید ہے۔ جو شعر آپ کے حسب حال ہیں وہ میں شام اور رات کو بھی سنا سکتی ہوں۔

ہاں، مجھے معلوم ہے کہ تمہارا شعری مطالعہ اچھا ہے۔ اگر کوشش کرتیں تو تم اچھی شاعرہ بھی ہو سکتی تھیں۔

حال دل کہنے کے لیے شعر کہنے اور نثر پارے سنانے کی زحمت نہیں کرنا پڑتی۔ اس نے مغموم لہجے میں کہا۔ لوگ آنکھوں کی زبانی بھی بات کر لیتے ہیں، کوئی سمجھنے والا ہونا چاہیے۔

......تم ٹھیک کہتی ہو۔ ظفر نے کہا اور وہاں سے غسل خانے کی طرف بڑھنے لگا۔

سنئے۔ نورین نے اچانک اسے آواز دی۔

ظفر ٹھٹک کر رک گیا۔ ہاں، کیا بات ہے۔

نورین کے چہرے پر یاسیت تھی، اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پا رہی تھی بالآخر اس کی آنکھوں سے دو آنسو ڈھلکے اور رخساروں پر پھسلنے لگے۔

کچھ نہیں جائیے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

وہ بوجھل قدموں سے غسل خانے کی طرف چل پڑا۔

نورین اس کی طرح سے پڑھی لکھی اور ادبی ذوق رکھتی تھی۔ اس کے لکھے ہوئے ناول اور افسانے بھی پسند کیے جا رہے تھے۔

وہ نفسیات میں ماسٹر کی ڈگری رکھتی تھی۔ اس لیے اوروں کی بہ نسبت دل کی باتیں جلد سمجھ لیتی تھی۔ اچھا ہی ہوا کہ اس نے دل کی ساری باتیں سمجھ لی تھیں اور اسے خط لکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

اچھا ہی ہوا کہ صفیہ نے اس کا آخری خط پھاڑ کر پھینک دیا جو وہ نورین کو دینا چاہتا تھا۔

وہ غسل کر کے نکل رہا تھا کہ اس کا پاؤں گیلا ہونے کی وجہ سے پھسلتے پھسلتے رہ گیا۔ اس کے ڈیڈی فرید جو باورچی خانے سے نکل رہے تھے انہوں نے اسے شانے سے تھام لیا اور ملائمت سے بولے۔ احتیاط سے چلو۔



ظفر سنبھل گیا اور شرمندہ ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

اس کے ڈیڈی کی تجربہ کار آنکھیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ظفر نے ان کی نگاہیں اپنے جسم کے پار ہوتی ہوئی محسوس کیں۔

وہ ان کی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کا چہیتا تھا۔ انہوں نے شادی کے سلسلے میں اس کی وکالت کی تھی مگر ماں کی ضدی طبیعت کے سامنے ان کی ایک نہ چل سکی تھی۔

وہ احتیاط سے قدم رکھتا ہوا پھر اوپر چلا گیا۔ جہاں اسے ریحانہ کے ساتھ ناشتہ کرنا تھا۔ اس کی ممانی نے اس کے لیے ناشتہ بھیجا تھا۔

پھر زندگی معتدل رفتار سے گزرنے لگی۔

ریحانہ محبت کرنے والی بیوی ثابت ہوئی تھی۔ وہ ہنس مکھ اور خوش اخلاق تھی۔ ایک ہفتے تک وہ خاموش خاموش سی رہی اور اس کی زبان پر حجاب کے پردے پڑے رہے۔

مگر پھر اس نے اپنے دل کا حال سنانا شروع کر دیا۔ دھیمے دھیمے......سرگوشیوں میں۔

ریحانہ اس کی بیوی تھی، ایسی بیوی جو ہر اعتبار سے شوہر کی ہوتی ہے۔ اس کی خود سپردگی اور والہانہ انداز نے سرو کیف کی ایک ایسی دنیا میں پہنچا دیا تھا جہاں ریحانہ اسے ایک لشلی مخلوق معلوم ہوتی تھی۔

وہ ریحانہ کی طرف سے مطمئن تھا۔

جبکہ ڈیڈی اور ممی اس کی طرف سے مطمئن تھے۔

زندگی اعتدال سے گزر رہی تھی۔ سب ہی خوش تھے۔

اس کی امی کا چہرہ بھی کھلا رہتا تھا اسی لیے کہ انہوں نے اپنی پسند سے ایک اچھی لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔

ظفر ایک ماہ سے خوشی میں اتنا سرشار تھا کہ اسے اپنے گرد و پیش کی خبر نہیں تھی۔ ایک ناول نگار کی حیثیت سے اس کی جو ڈاک آئی تھی وہ اس نے چھو کر بھی نہیں دیکھی تھی۔

اس کے پرستار، مختلف پبلشر اور ایڈیٹر اسے خطوط لکھتے تھے جن کے جوابات وہ پابندی سے دیا کرتا تھا لیکن وہ خطوط جمع ہو رہے تھے۔

اس شام اقبال نے اسے ایک دعوت نامہ دیا تو اس کے دل و دماغ میں ہلچل سی مچ گئی۔ وہ دعوت نامہ یونیورسٹی کی یونین کی طرف سے منعقد ہونے والی ایک ادبی محفل کے سلسلے میں تھا۔ جس میں دو روز بعد اسے شریک ہونا تھا۔

اس وقت اسے یاد آیا کہ وہ ادبی دنیا کا ایک باسی ہے۔ وہ اس دنیا کا ایک سرگرم کارکن ہے۔ اس رات سونے سے پہلے اس نے اپنے نام آئی ہوئی ڈاک دیکھی۔ اس کے پرستاروں نے نئی کہانیوں اور ناولوں کا تقاضا کیا تھا۔ اس کے علاوہ دوستوں نے شادی کی مبارک باد دی تھی۔

وہ بارہ بجے رات تک تمام خطوط کے جوابات لکھتا رہا۔ جب سونے کے لیے لیٹا تو اس نے ریحانہ کو جاگتا ہوا پایا۔ ارے تم! ابھی تک جاگ رہی ہو۔ اس نے حیرت سے کہا۔

آپ بھی تو جاگ رہے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میرے لیے جاگ رہی تھیں۔ ظفر نے مسکرا کر کہا۔

آپ...... کے بغیر کیسے سو جاتی۔ ریحانہ نے شرما کر جواب دیا۔

ظفر سرشاری میں ڈوب گیا۔ ریحانہ کو اس کا کتنا خیال تھا۔ وہ ریحانہ کا سر اپنے بازو پر رکھنے والا تھا کہ وہ جلدی سے اٹھ گئی۔

کیوں۔ ظفر نے حیرت سے کہا۔

آپ دیر سے جاگے ہوئے ہیں اور دماغی کام کر رہے ہیں، لایئے آپ کا سر دبا دوں۔

میرا کام ہی ایسا ہے جان من! میں دیر تک جاگنے کا عادی ہوں۔

اپنی عادت سے کچھ روز ہٹ کر کوئی کام کیا جائے تو واپس وہی اپنانے میں الجھن ہوتی ہے۔ پہلے آپ جاگ

کر کام کرتے تھے اب وہی روش اپنائے ہوئے معلوم نہیں آپ کو کتنا عرصہ گزر گیا ہے۔

تم بہت سمجھدار ہو۔ ظفر نے سر ہلا کر کہا۔

وہ اس کا سر دبانے لگی تو ظفر کیف و سرور کی دنیا میں ڈوب گیا پھر اس نے ریحانہ کو اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ وہ والہانہ انداز میں اس کی بانہوں میں سمٹ گئی۔

دوسرے روز وہ تیار ہو کر اقبال کے گھر پہنچ گیا۔

تم اب آئے ہو۔ اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

کیوں، کیا میں لیٹ ہو گیا ہوں۔ ظفر چونک کر بولا۔

پھر اس نے اپنی گھڑی دیکھی اوہ معاف کرنا۔ اس نے بے ساختہ کہا۔ اسے یاد آیا کہ اقبال نے نو بجے آنے کی تاکید کی تھی جبکہ اس وقت پونے دس بج رہے تھے۔

معافی قبول کی جاتی ہے۔ اقبال نے شاہانہ انداز سے کہا۔ مگر شرم سے زمین میں نہ گڑ جانا اس لیے کہ دعوت نامے پر گیارہ بجے کا وقت تھا جو میں نے تبدیل کر کے نو کر دیا۔ میں جانتا ہوں کہ جب آدمی کی نئی نئی شادی ہوتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ ایک تجربے کار آدمی میرے ساتھ ہے۔ ظفر نے ہنس کر کہا۔ شادی میری ہوئی ہے اور تجربہ تمہارا کام آ رہا ہے۔

اچھا چلو اب دیر ہو رہی ہے۔

مگر تمہاری ٹائی کہاں گئی۔ ظفر نے چونک کر کہا۔ سوٹ پہنے ہوئے ہو لیکن ٹائی ندارد۔

میری بیگم، آج کل تمہاری اور تمہاری بیگم کی خدمت کر رہی ہیں اس لیے انھیں میری طرف دیکھنے اور میرا حال پوچھنے کی فرصت نہیں ہے۔ جہاں تک آئینے کا تعلق ہے تو وہ میں روز دیکھتا نہیں ہوں کہ اپنے بارے میں آگاہ ہو سکوں۔

تم اندر سے ٹائی باندھ کر آؤ ورنہ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ ظفر نے جھنجلا کر کہا۔

اوکے...... اوکے...... اقبال نے اس کے رخسار پر چپت رسید کر دی اور اندر چلا گیا۔ وہ تھوڑی دیر بعد لوٹا تو اس کے گلے میں ٹائی بندھی ہوئی تھی۔

وہ موٹر سائیکل پر سوار ہوئے اور تھوڑی دیر بعد یونیورسٹی پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی موٹر سائیکلیں یونیورسٹی آڈیٹوریم کے قریب پارک کیں۔

وہ اندر گئے۔ کارروائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ البتہ مہمان خصوصی تشریف لا چکے تھے۔ ایک والنٹیئر نے انھیں پہچان لیا اور اصرار کیا کہ وہ قطار کی اگلی نشست میں بیٹھیں۔

وہ آگے گئے تو اتفاق سے انھیں نورین اور اس کی ممی کے قریب ہی جگہ ملی۔ ممی اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

ہیلو ظفر کیسے ہو۔ شادی کے بعد تو تمہاری صورت دیکھنے کو ترس گئی ہوں۔ کیا پردہ نشینی اختیار کر لی ہے۔

جی بس ذرا فرصت نہیں مل سکی۔ ظفر نے گڑبڑا کر کہا۔

نورین کی قربت اس کے دل و دماغ کو الٹ پلٹ رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کا حلق خشک ہوا جا رہا ہے اور وہ نورین سے آنکھیں نہیں ملا پا رہا تھا۔

آتے جاتے رہا کرو بھئی۔ ممی نے کہا۔ شادی کے بعد پرانے ملنے والوں سے تعلقات تو ختم نہیں کر دیئے جاتے۔

جی آؤں گا۔ ظفر نے کہا۔

اور تمہارے نئے بزنس کا کیا حال ہے۔ ممی نے اقبال سے پوچھا تو وہ اس کی تفصیلات بتانے لگا۔ اس نے حال ہی میں پلاسٹک کا کارخانہ لگایا تھا۔ اسے ایک کمپنی سے بوتلیں بنانے کا ٹھیکہ مل چکا تھا مگر خام مال ملنے میں دشواری ہو رہی تھی اس لیے وہ سپلائی پوری کرنے سے قاصر تھا۔

آپ کے نئے ناول کا کیا حال ہے۔ دوسری طرف نورین ظفر سے پوچھ رہی تھی۔ اس کا اشتہار میں نے ایک میگزین میں دیکھا تھا وہ تکمیل کے کس مرحلے میں ہے۔

کون سا ناول۔ دو مہینے پہلے تین پبلشروں نے تین



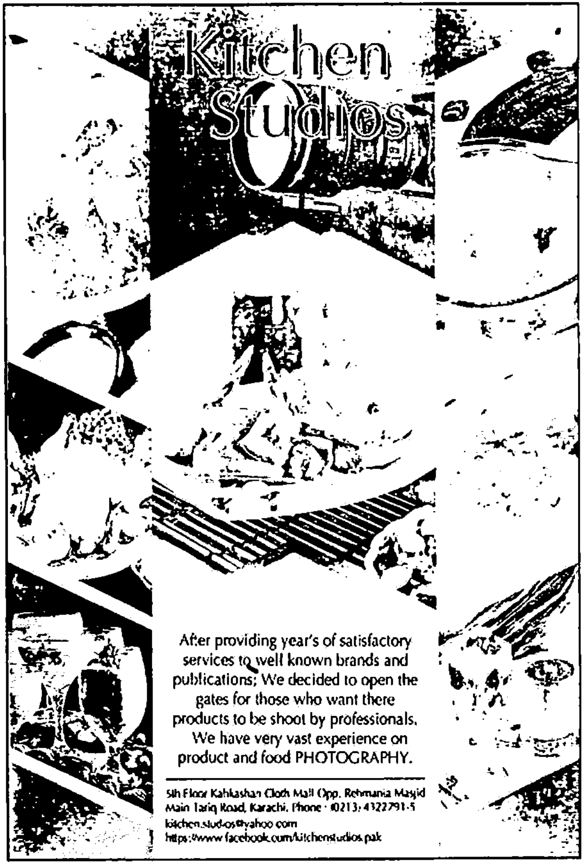

ناولوں کے اشتہار دیئے تھے۔تم نے معلوم نہیں کس کا اشتہار پڑھا تھا۔

میں ایک خواب کا تذکرہ کررہی ہو جو آپ ہی کی سرگزشت ہوگی۔نورین نے خیال آرائی کی۔

نہیں۔ایسی بات نہیں ہے۔تم شاید نام سے دھوکا کھارہی ہو۔وقت پر کوئی نام نہیں سوجھا تو میں نے اسی عنوان پر ناول کا نام رکھ دیا جو تم نے تصویر کو دیا تھا۔

مجھے اس کی ایک جلد دیجیئے گا۔آپ نے اسے مکمل کرلیا۔

ابھی تو شروع بھی نہیں کیا۔ظفر نے جواب دیا۔شادی کے بعد سے تو میں نے قلم کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

آپ ادب کی طرف سے ایسی بے پروائی نہ برتیے قلم تو فنکار کی امانت ہوتا ہے۔اگر آپ کو خدا نے خوشی دی ہے تو آپ کو اس سے اتنا متاثر نہیں ہونا چاہیئے کہ آپ اپنا نصب العین اور زندگی کا مقصد ہی فراموش کردیں۔نورین نے سنجیدگی سے کہا۔

ظفر نے اس کے لہجے میں چھپے ہوئے ہلکے سے طنز کو محسوس کرلیا مگر وہ کوئی جواب نہیں دے سکا اس لیے کہ وہ خود پشیمانی محسوس کررہا تھا۔وہ اپنے ماحول میں اتنا کھو چکا تھا کہ اس وقت وہ اس ماحول میں خود کو اجنبی سا محسوس کررہا تھا۔

آپ بنیادی طور پر ایک ناول نگار اور افسانہ نگار ہیں اور قلم ہی کی روزی کھاتے ہیں کیا آپ لکھنا بند کردیں گے۔

میں لکھنا بند نہیں کرسکتا۔ظفر نے کہا۔چلتے پھرتے کوئی بھی واقعہ مجھے متاثر کرسکتا اور لکھنے پر مجبور کرسکتا ہے۔اگر میں ذہن میں کلبلاتے افسانے یا واقعہ کو صفحہ قرطاس پر منتقل نہ کردوں تو میرا دماغ ابلنے لگتا ہے۔

ایک اچھے ادیب کی یہی پہچان ہے۔نورین نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔آپ اندر بیٹھے ہوئے اس ادیب کو مرنے نہیں دیجیئے گا۔اپنے تخلیقی سوتے کو خشک نہ ہونے دیجیئے گا۔آپ سے مجھے بڑی امیدیں وابستہ ہیں......

میرا مطلب ہے آنے والی نسل کو...... وہ دن دور نہیں جب آپ کا شمار ملک کے نامور ادیبوں میں ہوگا۔

وہ محتاط انداز میں گفتگو کررہے تھے کہ محفل کی کارروائی شروع ہوگئی۔ایک ادیب نے اپنا مقالہ پڑھا جس کا عنوان تھا۔ادیب اور سماجیات۔

اس نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ کسی فنکار کو اپنے فن سے انصاف کرنے کے لیے اچھے ماحول کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً "ایک شاعر کپڑے کی دکان کھول لے تو اس کا دل و دماغ شاعری سے انصاف نہیں کرسکے گا۔اس لیے کہ تجارت میں نفع،نقصان اور بھاؤ تاؤ کی سوجھتی ہے اور اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ایسے ماحول میں شاعر کے دماغ میں نرم و نازک خیالات کیسے پیدا ہوسکتے ہیں جن سے شاعری عبارت ہوتی ہے۔

اس نے مقالہ پڑھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ تخلیق کار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے مکمل سکون حاصل ہو۔اگر وہ کسی الجھن سے دوچار رہے گا تو اپنے فن سے دور ہوتا چلا جائے گا۔

اس کے بعد دو ادیبوں نے اور اپنے مقالات پیش کیے پھر وہ سب نشست ختم ہونے پر آڈیٹوریم سے نکلے اور کیفے ٹیریا میں جاکر بیٹھ گئے۔

آج کی نشست بڑی عمدہ رہی۔می نے تبصرہ کیا۔بھئی اقبال تم تجارت پیشہ ہو لیکن اس کے ساتھ ہی مصنف بننے کی کوشش بھی کررہے ہو مگر ادھر کے رہوگے نہ ادھر کے۔

آپ کا مطلب ہے اچھا ادیب تو بن نہیں سکتا اور اس کے ساتھ ہی پلاسٹک کا کارخانہ بھی نہیں چلاسکتا۔اقبال نے ہنس کر کہا۔مگر میں ہرفن مولا ہوں۔

معاف کرنا تم رموز کاروبار،اچھا کارخانہ،آیئے آپ کو کاروبار کے گر بتائیں اور دو پیسے کا فائدہ جیسی کتابیں تو لکھ سکتے ہو لیکن افسانے اور ناولیں لکھنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ظفر نے ہنس کر کہا۔

میں ایک اچھا ادیب کیوں نہیں بن سکتا۔اقبال نے



مصنوعی ناراضگی سے کہا۔کیا تمہاری صحبت بھی مجھ پر کوئی اثر نہیں ڈال سکے گی۔

جس طرح سے میں پلاسٹک کا کارخانہ نہیں چلاسکتا اسی طرح سے تم لفظوں کا کاروبار نہیں کرسکتے۔یہ بڑی جان ماری کا کام ہے۔جگر خون کرنا پڑتا ہے۔ظفر نے گہرا سانس لے کر کہا۔

اور اپنا جگر خون کرچکے ہیں......نورین نے کہا۔

جگر کے ساتھ دل اور پھیپھڑا بھی۔اقبال نے کہا۔

کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے۔می نے ٹکڑا لگایا۔میرا خیال ہے کہ اب ظفر کو گلزار کہا جاسکتا ہے۔

ظفر مسکرانے لگا۔ایک گھنٹہ ان تفریحی باتوں میں یوں گزر گیا کہ پتہ ہی نہیں چلا۔

اس ایک گھنٹے میں اسے کئی بار ریحانہ کا خیال آیا۔اس نے سوچا کہ وہ اجازت لے کر اٹھ جائے مگر نورین کے سامنے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔اس نے سوچا ایسی بات کیوں ہے لیکن دل کو ٹٹولنے پر کوئی خاص بات نہ معلوم ہوسکی۔کسی خاص جذبے نے سر نہیں اٹھایا۔

وہ دوستوں کی طرح اس کے ساتھ بیٹھا تھا اور وقت دلچسپی سے کٹ رہا تھا۔

باتوں کے دوران وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف گیا تو اس کا ٹکراؤ فاکہہ سے ہوگیا۔فاکہہ،نورین کی سب سے چلبلی کلاس فیلو تھی۔ہیلو ڈیئر اسٹوری رائٹر۔اس نے چہک کر کہا۔

ہیلو۔ظفر مسکرایا۔

شادی کرلی اور ہمیں پوچھا تک نہیں۔اس نے شکایت کی۔بہت سے قریبی جاننے والے رہ گئے۔جس کا مجھے افسوس ہے۔ایسا سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ہر شادی کے بعد کچھ نئے لوگ قریب آجاتے ہیں تو پرانے ناراض ہوکر دور ہوجاتے ہیں۔

ہم تو سب ہی قریب ہیں۔وہ دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ۔ یہ دوسری بات کہ تم نے کبھی نظر اٹھا کر ہی نہیں دیکھا۔

مجھے اس کا احساس ہے۔

نظریں نہ اٹھانے کا بھی ایک سبب ہے کہ ان میں کوئی اور بسا ہوا تھا۔اس نے چوٹ کی۔

ظفر کٹ کر رہ گیا۔

بہرحال مبارک ہو......مگر سب کچھ ہم لوگوں کی توقع کے برعکس ہوا ہے۔ہم لوگ تو سمجھے تھے کہ تم نورین میں انٹرسٹیڈ ہو مگر تم نے تو اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے عقد کرلیا......کوئی خاندان والی ہے نا۔

ہوں!ظفر نے سر ہلایا۔اس کے حال دل سے پوری یونیورسٹی واقف تھی۔اس لیے اب عذر پیش کرنا اس کے لیے مشکل ہوا جارہا تھا۔حقیقت کیا ہے،اس کا اظہار وہ نہیں کرسکتا تھا۔

وہ سناٹے میں کھڑا رہا۔

بہرحال تمہیں مبارک ہو۔چاہے نورین ہو یا ریحانہ۔اس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا پھر پرس ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

ظفر نے سگریٹ سلگایا اور واپس اپنی میز پر آگیا۔

نورین اسے گھورنے لگی۔

یہ وہی نورین تھی جو اس کے افسانے اور ناولیں پڑھ کر کہتی تھی کہ یہ تو میرے ہی خیالات ہیں۔اس کے علاوہ جب وہ کسی مسئلے پر اس سے الجھ جاتی اور کسی مسئلے پر روشنی ڈالتی تو ظفر کو ایسا محسوس ہوتا جیسے نورین نہ بول رہی ہو،وہ خود بول رہا ہو۔

اس کے اور نورین کے خیالات میں بے پناہ یکسانیت تھی اگر زندگی کے سفر میں وہ اس کے ساتھ ہوتی تو زندگی کتنی کامیاب گزرتی۔

یہ بات وہی نہیں قریبی لوگ بھی سوچتے تھے کہ دونوں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ان میں ذہنی ہم آہنگی ہے۔اس کی والدہ نے یہ کیا کیا......افوہ......افوہ۔

!اس کا سر چکرانے لگا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے تھام لیا۔

کیا بات ہے، آپ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ نورین نے چونک کر کہا پھر بے ساختہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائے لیکن کسی خیال کے تحت پھر ٹھٹک گئی اور اس نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

نہیں، میں بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔

کیا کوئی قریبی دوست مل گیا تھا اور اس نے کوئی بات کہہ دی۔ نورین نے سرگوشی میں پوچھا۔

ہاں آں...... نہیں...... نن...... نہیں تو...... وہ ہکلا کر رہ گیا۔

کیا بات ہے ظفر۔ ممی باتیں کرتے ہوئے اس کی طرف پلٹیں۔ تمہارا چہرہ کیسا ہو رہا ہے۔

میری طبیعت خراب ہے۔ میں واپس جانا چاہتا ہوں۔ اس نے پژمردگی سے کہا۔

اوہ ہاں، اب چلنا چاہیے۔ اقبال نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ بیگم کی یاد آ رہی ہوگی اس لیے دل گھبرا رہا ہوگا۔ شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

ظفر کٹ کر رہ گیا۔

اب وہ سب سے نظریں چرا رہا تھا۔

ہاں، انھیں آرام کی ضرورت ہے۔ ممی نے کہا۔ مگر اس وعدے پر چھوڑ رہی ہوں کہ آتے رہنا۔ تم سے ایک ضروری بات بھی کہنا ہے۔

جی آؤں گا۔ ظفر نے جلدی سے کہا۔

وہ ایک دوسرے کو الوداع کہہ کر پارکنگ لاٹ کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے موٹر سائیکل اٹھائی اور اسے اسٹارٹ کیا مگر سڑک کی طرف مڑنے ہی والے تھے کہ کوئی آواز دیتا ہوا قریب آ گیا۔

آلو ہے آلو۔ اقبال نے ہنس کر کہا۔

نام تو اس کا شاہد تھا مگر سب آلو کہتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ فربہ تھا اور اس کا جسم بہت بے ڈھنگا سا ہو گیا تھا۔ اسے اس بات کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ وہ کھانے پر آتا تھا تو دونوں ہاتھوں سے کھاتا تھا۔ وہ اس معاملے میں رو رعایت کا قائل نہیں تھا۔

!...... کیا بات ہے بھئی۔ اقبال نے کہا۔

کافی دنوں کے بعد ملاقات ہوئی ہے مگر بات کرتے ہوئے شرمندگی ہو رہی ہے۔

بہت خوب، تو بات نہ کرو۔ اقبال نے کہا۔

اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ وہ بولا۔ اس نے ظفر کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی اس لیے کہ وہ اس سے واقف نہیں تھا۔

اچھا بکو بھی۔

میں آج کل کمیونسٹ ہو رہا ہوں۔

مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔ اقبال نے ہنس کر کہا پھر جیب سے پرس نکالا اور پچاس روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا اور بولا۔ اس سے اپنے حالات درست کرو۔

آلو نے نوٹ چوما اور ہاتھ لہراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

یہ کون تھا اور کمیونسٹ کا کیا مطلب ہے۔ ظفر نے اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

اس کا نام شاہد ہے اور کمیونسٹ ہونے کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کی طرح سے اس کے معاشی حالات خراب ہیں۔ یہ جب بھی کمیونسٹ ہو جاتا ہے تو مجھے اس کی مدد کرنا پڑتی ہے۔

عموماً حالات خراب ہی رہتے ہوں گے۔

ہاں، اور تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ایک کارخانے دار کا بیٹا ہے۔ باپ چونکہ بنیا خصلت کا ہے اس لیے آلو کے دونوں ہاتھ خالی رہتے ہیں۔

اوہ پھر تو یہ عجیب کردار ہوگا۔ مجھ سے کبھی ملاقات کراتا تو میں اسے اپنے ناول کا کردار بناؤں گا۔ ظفر نے کہا۔

دنیا ایسے کرداروں سے بھری پڑی ہے۔

ہوں، میں اسے ضرورت پر دے دیتا ہوں لیکن پھر کسی موقع پر مع سود کے وصول لوں گا۔

میں جانتا ہوں۔ یہ فن تمہیں اچھی طرح سے آتا ہے اور یہ ایک طریقے سے تمہارا بزنس بھی ہے۔ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ تم نہ تو قرض دیتے ہو اور نہ ہی قرض لیتے ہو۔

یہ اچھی بات نہیں ہے کہ میں دے کر بھول جاتا ہوں۔

مگر تم لے کر بھی بھول جاتے ہو۔ ظفر نے کہا۔

وہ اقبال کی تمام خصوصیات سے واقف تھا۔ وہ ایک اچھا بزنس مین تھا۔ وہ ٹیوشن کرتا تھا۔ امتحانات سے متعلق پیپرز چھپوا کر فروخت کرتا تھا اور کوچنگ کلاسز بھی چلا رہا تھا۔ اس کے علاوہ اسے لکھنے کا بھی شوق تھا۔

ظفر نے محسوس کیا تھا کہ اگر اسے فرصت ہوتی تو وہ ایک اچھا افسانہ نگار بن سکتا تھا۔

وہ جدوجہد کر کے ایک بلند مقام پر پہنچ گیا تھا۔

پلاسٹک کا کارخانہ تو اس نے لگا ہی لیا تھا مگر اس کے ساتھ اس نے اپنی تعلیم جاری رکھی تھی۔ اب وہ چھ مہینے کے بعد الیکٹریکل انجینئر بننے والا تھا۔

ظفر راستے میں اقبال سے باتیں کرتا رہا مگر اس کا دماغ نورین کے سراپے میں الجھا ہوا تھا۔ وہ رہ رہ کر اپنی سر کو جھٹک رہا تھا مگر اس کا خیال دماغ کو جکڑ لیتا تھا۔

گھر تک پہنچتے ہوئے اس نے بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پایا۔

جب وہ اپنے گھر کی طرف موٹر سائیکل گھمانے لگا تو اقبال نے کہا۔ ٹھہرو۔

اظفر نے بریک لگائے تو اقبال بولا۔ کیا تم ایک جذباتی گدھے نہیں ہو حالانکہ گدھوں کے جذبات نہیں ہوتے۔

ظفر خاموش رہا۔ یونیورسٹی میں اس کی بدلتی کیفیت کو اس نے محسوس کر لیا تھا اور وہ اس کا سبب بھی جان گیا تھا۔

کامیاب انسان وہی ہے جو ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرے۔ اگر تمہیں کوئی اور مثال نہ ملے تو تم میری طرف دیکھ لیا کرو۔ میں ہمت سے کام نہ لیتا تو آج ایک اچھا کلرک ہوتا۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔ تم نے اپنے گھر کو اچھی طرح سے سنبھالا ہے اپنے خاندان کی کفالت کی ہے۔ ظفر نے اعتراف کیا۔

انسان بہرحال اس لیے پیدا نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے متعلق ہی سوچتا رہے۔ صرف اپنے لیے جینا ایک وحشیانہ عمل ہے۔ جانوروں کو اپنے متعلق فکر رہتی ہے اور جب ان کے مسائل حل ہو جاتے ہیں تو وہ کسی غار میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔

میں تمہارے فلسفے سے متفق ہوں۔ ظفر نے ہنس کر کہا۔

مگر جب دل پر چوٹ پڑتی ہے تو کیا آنسو نہیں نکلتے۔

نکلتے ہیں اور تم اداسی میں گریگوری پیک معلوم ہونے لگتے ہو۔ ظفر نے پلکیں جھپکائیں تو اقبال نے کہا۔ ممی تمہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہی تھیں۔ تم ان کے ہاں ضرور جانا۔ کسی کو بھلانے کے لیے ضروری نہیں کہ آدمی خواہ مخواہ فاصلے پیدا کر لے۔ تمہیں حقیقت پسند ہونا چاہیے۔

ٹھیک ہے میاں ارسطو۔ میں آپ کی نصیحتوں پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ ظفر نے اس کے رخسار تھپتھپا کر کہا اور اپنے گھر میں چلا گیا۔

وہ آنگن میں موٹر سائیکل کھڑی کر کے اپنے کمرے میں جانے کے لیے زینے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اس وقت امی باورچی خانے سے نکلتی دکھائی دیں۔ ارے کہاں چلے گئے تھے بیٹے۔

ذرا یونیورسٹی گیا تھا۔

بہو بھوکی بیٹھی ہے، تم نے خیال ہی نہیں کیا۔

جی وہ۔

...... میں نے اس سے کھانے کو کہا لیکن اس نے منع کر دیا۔ اب تم جاؤ میں کھانا بھیج رہی ہوں۔

جی اچھا مگر۔

...... شرمانے کی ضرورت نہیں۔ تم نے نہیں کھایا تو وہ بھوکی رہے گی۔ امی نے محبت سے کہا۔

لیکن میں یونیورسٹی میں چائے کے ساتھ کچھ چیزیں

کھا چکا ہوں اس لیے بھوک نہیں ہے۔

ٹھیک ہے تو اس سے جا کر کہہ دو۔

ظفر جب زینے چڑھ رہا تھا تو اس کا دل بے ترتیبی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ خوش نصیب تھا کہ ریحانہ اسے چاہتی تھی۔ وہ اس کے انتظار میں اب تک بھوکی بیٹھی تھی۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس نے ریحانہ کو دیکھا جو آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سراپے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اپنا آنچل درست کرنے لگی پھر وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ معلوم نہیں اس مسکراہٹ میں کیا جادو تھا کہ ظفر کا دل باغ باغ ہو گیا۔

تم اب تک بھوکی بیٹھی ہو۔ اس نے ریحانہ کو بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا۔

آپ کے بغیر کیسے کھا لیتی۔

چند پرانے دوست مل گئے تھے اس لیے میں نے ان کے ساتھ کھا لیا۔

چلو اب کھا لو، میں تمہارا ساتھ دے دوں گا۔

کھانے کے بعد ملازم نے آ کر بتایا کہ ڈیڈی بلا رہے ہیں۔ وہ ان کے کمرے میں گیا۔ وہ جھولنے والی کرسی پر نیم دراز تھے۔ آہٹ ہونے پر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

ان کے جھریوں دار چہرے پر تھکن تھی۔ جیسے زندگی کے طویل سفر نے انھیں نڈھال کر دیا ہو۔ ظفر کے دل میں ہمدردی کا جذبہ امڈ آیا۔

آؤ بیٹھو بیٹھے۔ انہوں نے ملائمت سے کہا۔

ظفر ان کے سامنے والی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

تم نے اپنا کام شروع کر دیا۔

جی ہاں دو روز ہو گئے۔

میں نے تمہاری ڈاک دیکھی تھی۔ دو پبلشر بہت بے چین تھے اور انہوں نے تازہ ناولوں کے بارے میں یاد دہانی کرائی ہے۔

میں سب سے پہلے ان کی ہی فرمائش پوری کروں گا۔

وہ خاموش ہو گئے اور کچھ سوچنے لگے جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں اور انھیں مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

وہ خاموش رہا۔

ڈیڈی نے سر اٹھا کر کہا۔ ایک بات پوچھوں بیٹا ٹھیک ٹھیک جواب دو گے۔

میں آپ سے جھوٹ کیسے بول سکتا ہوں۔

تم اس شادی سے مطمئن ہو۔

ظفر نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور فوری جواب نہیں دیا۔

شادی کے بعد تم پرسکون تھے مگر اب مضطرب سے ہو تمہیں اس حالت میں دیکھ کر میں کیسے خوش رہ سکتا ہوں۔ مجھے سب کچھ بتا دو بیٹے۔ خوشیاں اگر کہیں سے مول ملتی ہوں گی تو میں خریدنے سے دریغ نہیں کروں گا۔

میں خوش ہوں ڈیڈی آپ میری فکر نہ کریں۔ ظفر نے کہا۔ ڈیڈی کو پریشان دیکھ کر اس کا دل ڈوبنے لگا۔

اگر تم خوش ہو تو راحیلہ کے ہاں کیوں نہیں گئے تھے۔ انہوں نے تشویش سے کہا۔

ظفر کے دماغ میں چھناکا سا ہوا۔ راحیلہ، نورین کی ممی تھی۔ ان کے فون آتے اور ان کی یاد دہانیوں کے باوجود وہ ان کے ہاں نہیں گیا تھا۔ اس لیے کہ وہ ہر قسم کے ہیجان سے بچنے کے لیے ان لوگوں سے دور رہنا چاہتا تھا۔

جب بھی ممی کا بلاوا آتا تھا اس کے دل و دماغ میں طوفان اٹھنے لگتا تھا۔

! وہ ان لوگوں سے اسی لیے دور رہنا چاہتا تھا کہ ریحانہ اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر لے اور زیادہ سے زیادہ اس میں سما جائے۔

تمہاری عدم موجودگی میں آج راحیلہ کا فون آیا تھا۔ اس نے شکایت کی ہے کہ تم یاد دہانیوں کے باوجود اس کے ہاں نہیں گئے۔ کیا شادی ہونے کے بعد قریبی لوگوں سے تعلقات منقطع کر لیے جاتے ہیں۔ تمہارا وہاں نہ جانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ تم اس شادی سے خوش نہیں



ہو۔

نہیں ڈیڈی۔ ایسا نہیں ہے۔ ظفر نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ مجھے فرصت نہیں مل سکی تھی اس لیے۔

......ٹھیک ہے، آج شام کو اس نے تمہیں چائے پر بلایا ہے، تم چلے جانا۔

او کے۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگا تو اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ وہ شام کو ان لوگوں کا سامنا کیسے کر سکے گا۔ تھوڑی دیر پہلے یونیورسٹی میں ان سے مل بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا تو اس کی حالت بگڑ گئی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو یہ دیکھ کر ٹھٹک گیا کہ ریحانہ جھولنے والی کرسی پر بیٹھی اس کا ناول زخمی پھول پڑھ رہی ہے۔

آپ کا یہ ناول بہت اچھا ہے۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

اچھا شکریہ۔ ظفر نے بشاش ہو کر کہا۔ تمہیں اس میں کیا بات اچھی لگی۔

میں یہ تو نہیں بتا سکتی کہ اس میں کیا بات اچھی لگ رہی ہے۔ بس ناول اچھا لگ رہا ہے اور ہاں ایک جگہ جہاں آپ نے ہیرون کے لباس اور اور زیورات کا تذکرہ کیا ہے، وہ بہت اچھا ہے۔

ہیرون نہیں، ہیروئن۔ ظفر نے تصحیح کی۔

اس کے دل پہ چوٹ لگی کہ ریحانہ کو ناول محض اس لیے اچھا لگ رہا ہے کہ اس کی ہیروئن نے کپڑے اچھے پہنے ہیں۔

چھوڑیئے ہوگا۔ آپ تھکے ہوئے ہیں لیٹ جایئے۔

اس نے بات بنائی اور ایک انداز سے اپنی شرمندگی پر پردہ ڈالا۔

نہیں، اس وقت میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ وہ بولا۔

اس وقت۔ وہ حیرت سے بولی۔ شام ڈھل رہی ہے۔

کتنا سہانا موسم ہے اور آپ کو لکھنے کی سوجھ رہی ہے۔

لکھنے کے لیے وقت کی مناسبت کوئی معنی نہیں رکھتی۔

اس کا تعلق موڈ سے ہوتا ہے۔ اس نے سمجھانے والے انداز سے کہا۔

موڈ۔ موڈ کیا ہوتا ہے۔ ریحانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

تم کہاں تک پڑھی ہوئی ہو۔

پانچویں تک۔ پھر ابا نے اسکول سے اٹھا لیا تھا اس لیے کہ......وہ آگے نہ کہہ سکی شاید خاندان کا کوئی کمزور پہلو منکشف نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ظفر نے بھی اصرار نہیں کیا۔ صرف اتنا ہی سن کر اس کے دل و دماغ میں ایک ہیجان برپا ہو گیا تھا۔

اسے خیال آیا کہ آج ہی یونیورسٹی میں ایک بے تکلف دوست نے پوچھا تھا کہ بھابی کہاں تک پڑھی ہوئی ہیں تو اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا کہ صرف گریجویٹ ہیں۔

اکثر بے تکلف دوست یہ بھی کہہ اٹھتے تھے کہ وہ اپنی بیوی سے کیوں نہیں ملاتا۔ کیا کیسی جاہل کے پلے باندھ دیا گیا ہے۔ کیا وہ پردے کی بوبو ہے۔ اگر گریجویٹ ہے تو ادبی ذوق کیسا ہے۔

کچھ آپس میں تبصرے کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اس کے والدین نے شادی کرتے وقت اس کے جذبات کا ضرور خیال رکھا ہوگا ورنہ جاہل بیوی تو اس کے اعصاب اور احساسات کے لیے ایک تازیانہ ثابت ہوگی اور اس کی ذہنی صلاحیتوں کا جنازہ نکال دے گی۔

آپ کیا سوچنے لگے۔ ریحانہ نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

آں...... کچھ نہیں۔ وہ چونک کر بولا پھر لکھنے کی میز کی طرف چلا گیا۔ اس وقت ایک چھوٹی سی بات سے اس کا دماغ منتشر ہو گیا تھا۔

وہ اپنے خیالات کو مجتمع کرنے کی کوشش کرنے لگا جبکہ ریحانہ نے دوبارہ ناول اٹھایا اور اس کا مطالعہ کرنے لگی۔ اسے قطعی احساس نہیں تھا کہ اس کی وجہ سے ظفر کتنے بڑے انتشار سے دوچار ہو گیا ہے۔

ظفر نے قلم اٹھایا اور اپنے مسودے کی طرف دیکھا۔ وہ بارہ روز سے لکھ رہا تھا مگر ابھی اس کا پہلا باب بھی مکمل نہیں کر پایا تھا۔ اس کی ایک وجہ تھی کہ اس کا دماغ منتشر تھا۔

اس نے تھوڑی دیر بعد یکسوئی حاصل کر لی اور پچھلا پلاٹ پڑھ کر اس میں ضروری تبدیلیاں کیں اور قلم ہاتھ میں لینے کے بعد لکھنے میں مصروف ہوگیا۔

لکھتے وقت اسے گرد و پیش کا احساس نہیں رہتا تھا اور وہ اپنی تحریر میں کھو جاتا تھا۔ ایسے موقع پر کوئی دخل اندازی نہیں کرتا تھا لیکن اس وقت جبکہ اس کا قلم رواں تھا اور اس نے دو صفحے لکھ ڈالے تھے کہ کمرے میں ایک دھماکہ سا ہوا اور وہ ٹھٹک کر رک گیا اور سر اٹھا کر ریحانہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ انگڑائی۔ لے کر مسکرا رہی تھی۔

اس نے ناول ختم کرنے کے بعد میز پر اچھال دیا تھا اور اس لیے مجلد ناول کے میز سے ٹکرانے سے دھماکہ سا پیدا ہوا اور ظفر کا دماغ منتشر ہوگیا تھا۔

جب اس نے پلٹ کر ریحانہ کی طرف دیکھا تو اس نے انگڑائی لی اور مسکرا کر پوچھا آپ کا کام ختم ہوگیا۔ آپ نے ناول لکھ لیا۔

ابھی کہاں۔ ابھی تو میں نے پہلا ہی باب ختم نہیں کیا ہے۔ اس نے ناگواری پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ اپنی تحریر کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ایک لمحے پہلے اس نے ایک بات سوچی تھی مگر اب وہ اس کے دماغ سے نکل گئی تھی۔ وہ ایک اہم نکتہ تھا جسے وہ فراموش کر چکا تھا۔

اس نے کچھ سوچ کر چند سطریں کاٹیں اور پیچھے سے تسلسل ملا کر لکھنا شروع کر دیا۔ امی اور ابو چونکہ جانتے تھے کہ وہ ادیب ہے اور قلم سے روزی کماتا ہے اس لیے لکھنے کے دوران اسے ڈسٹرب نہیں کرتے تھے۔

اس نے دماغ میں اٹھتی ہوئی ناگواری کی لہروں پر قابو پایا اور پوری یکسوئی سے پھر اپنے ناول کی طرف متوجہ ہوگیا۔

...... پھر ایک لو شمع کی طرف بڑھی مگر کھڑکی سے سرد ہوا کا جھونکا کمرے میں آیا اور دیا سلائی بجھ گئی۔ ماچس سے دوسری تیلی نکالتے ہوئے عامر نے سوچا کہ ان پہاڑوں میں زندگی کتنی ویران اور عجیب اور۔

...... سنیے! اچانک ریحانہ نے اسے آواز دی۔

ہوں...... اس نے غصے سے گردن گھمائی مگر غصے کا اظہار نہیں کیا اس لیے کہ ریحانہ کو ابھی ان باتوں کا پتہ نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ اسے سمجھا دے گا تو پھر ایسی شکایت پیدا نہیں ہوگی۔

یہ گل چین کیسے کہتے ہیں۔

گل چین نہیں...... گل چیں۔ ظفر نے درستی کی۔

گل تو میں سمجھ گئی...... اس کے معنی پھول ہیں نا۔

ہاں۔

اور چین ایک ملک کا نام ہے۔ تو مطلب ہوا چین کا پھول یعنی وہ پھول جو چین کے کسی باغ میں ہوا ہو۔

کوئی اور یہ بات کہتا تو اس کے قہقہوں سے چھت اڑ جاتی مگر اپنی بیوی ریحانہ کی زبان سے یہ بات سن کر اسے بہت کوفت ہوئی۔ اسے ذہنی طور پر بہت دھچکا پہنچا۔ وہ ایک ادیب کی بیوی تھی ...... اور اسے گل چیں کا مطلب تک نہیں معلوم تھا۔

!...... ریحانہ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔ اب بس کیجئے۔ کب تک یوں خاموشی سے بیٹھے رہیے گا۔ لکھنا بند کیجئے اور مجھ سے باتیں کیجئے۔

اس نے قلم رکھ دیا اور مسکرانے لگا۔

اس وقت مسکرانے میں اسے بہت دقت ہو رہی تھی۔ وہ ایک ادیب تھا جبکہ ریحانہ اس کے احساس و جذبات سے ناواقف تھی۔ اس کے احساسات کیا ہیں، اسے بالکل پتہ نہیں تھا۔

دفعتاً" اس کی نگاہ گھڑی پر پڑی۔

پونے چار بج رہے تھے اور چار بجے اسے نورین کے



ہاں چائے پر بلایا گیا تھا۔ وہ ایک دم سے کھڑا ہوگیا اور اس نے اپنا قلم اور مسودہ میز کی دراز میں ڈال دیا۔

کیا آپ کہیں جا رہے ہیں۔

ہاں، ایک دوست کے ہاں چائے پر مدعو ہوں۔

پھر اس سے پہلے کہ ریحانہ کچھ کہتی وہ کمرے سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر پہلے یونیورسٹی میں ماں بیٹی سے ملاقات ہوئی تھی تو انہوں نے اس دعوت کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا اور اس کے ڈیڈی کو فون کر کے اسے پابند کر دیا۔ راحلیہ جانتی تھی کہ وہ اپنے ڈیڈی کا حکم نہیں ٹال سکے گا۔ اس لیے اس نے دوسرا حربہ استعمال کیا تھا۔

اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور تھوڑی سی دیر میں نورین کے مکان پر پہنچ گیا۔ وہ الکرم اسٹریٹ پر دو گلی بعد ایک چھوٹے بنگلے میں رہتی تھی۔ اس نے پورٹیکو میں موٹر سائیکل کھڑی کی اور مشین بند کرنے کے بعد برآمدے کی طرف بڑھا تو قدموں کی چاپ سنائی دی۔

قدموں کی اس مخصوص چاپ سے خوب آشنا تھا۔

وہ نورین تھی۔

اس کا دل پھر بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ کیا وہ اس کا اور ممی کا سامنا کر سکے گا۔ وہ ان سے جتنا دور رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ قسمت اسے دھکا دے کر ان سے اتنا ہی قریب کر رہی تھی۔

نورین اندر سے نکل کر آگئی۔ وہ نارنجی رنگ کا جوڑا پہنے تھی اور اسی مناسبت سے اس نے دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ اس نے جھک کر تسلیم کیا اور مسکرا کر والہانہ انداز میں بولی۔ میں آپ کی موٹر سائیکل کی آواز پہچان کر آئی ہوں۔

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ظفر کے دل نے کہا۔ اس نے نورین کے قدموں کی آواز اور نورین نے اس کی موٹر سائیکل کی آواز پہچان لی تھی۔

مجھے چائے پر ہی بلانا تھا تو یونیورسٹی میں کیوں نہیں بتایا۔

ممی آپ کو سرپرائز دینا چاہتی تھیں۔ وہ بولی۔ ویسے بھی آپ ان کی فرمائش پر نہیں آئے تھے اس لیے انہوں نے آپ کے ڈیڈی سے رجوع کیا۔ اس وقت آپ اپنی طرف سے نہیں ڈیڈی کی طرف سے آئے ہیں۔ نورین نے ہنس کر کہا۔

ممی ایک بہترین سیاست داں ہیں اور تم ان کی بیٹی۔ ظفر نے کہا۔

آیئے اندر چلیں۔

وہ شرمایا شرمایا سا اس کے پیچھے چلنے لگا حالانکہ وہاں اتنی بار آ چکا تھا کہ گنتی بھی یاد نہیں رہی تھی مگر اس وقت خود کو اجنبی سا محسوس کر رہا تھا۔

نورین نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا اور خود اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ممی آگئیں۔ وہ انہیں دیکھ کر اٹھ گیا۔ اس نے سلام کیا تو وہ بولیں۔ بیٹھو...... مجھے امید نہیں تھی کہ تم آجاؤ گے۔ یقین جانو میں تمہاری طرف سے مایوس ہو چکی تھی۔

جی میں شرمندہ ہوں۔ وہ بولا۔

چلو زیادہ شرمندہ نہ ہو، میں اب کچھ نہیں کہوں گی۔

ظفر کی بے چین نگاہیں ڈرائنگ روم میں چکرا رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نورین کہاں رہ گئی۔ وہ سامنے کیوں نہیں آ رہی ہے۔

میں نے تمہیں ایک خاص بات کہنے کے لیے بلایا ہے۔ انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

جی فرمایئے! وہ ہمہ تن گوش ہوگیا۔

نورین میری اکلوتی بچی ہے۔ اس دنیا میں میرے علاوہ اس کا اور کوئی نہیں ہے۔ میں اس کے لیے جو اچھا سمجھتی ہوں وہی کرتی ہوں لیکن بوڑھی ہو چکی ہوں اس لیے کوئی غلط فیصلہ بھی کر سکتی ہوں۔ اس لیے تم سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔

ہوں۔ ظفر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا ممی یقیناً" کوئی خاص بات کہنے والی تھیں۔

تم نوجوان ہو اور آج کے ماحول کو مجھ سے زیادہ سمجھتے ہو۔ میں پہلے تم سے اور اس کے بعد تمہارے ڈیڈی سے مشورہ کروں گی۔

جی، کس بارے میں۔ ظفر نے سوال کیا۔

بات دراصل یہ ہے کہ نورین کے دو تین جگہوں سے رشتے آئے ہیں۔

ظفر کے ذہن میں ایک زبردست چھناکا ہوا مگر اس نے ضبط کرلیا۔

ایک لڑکا پولیس میں ہے، سپرنٹنڈنٹ ہے اس کی عمر تیس سال کے قریب ہے جبکہ دوسرا لڑکا لیکچرار ہے۔ اس کی عمر اٹھائیس سال کے قریب ہے۔

انہوں نے لڑکوں کے بارے میں تفصیل بتائی پھر کہا۔

ہم لوگ جس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور جو ہماری ذات ہے اس لحاظ سے پولیس سپرنٹنڈنٹ مناسب لگتا ہے۔ اس کی تین بہنیں ہیں۔ گھرانہ ٹھیک لگتا ہے۔

اوہ وہ جو لیکچرار ہے۔ ظفر نے مشکل سے کہا۔

وہ بھی عادت و اطوار کا اچھا ہے۔ اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے سوائے ایک ماں کے۔ بہرحال ذات وہ نہیں ہے جو ہماری ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔

اب تم بتاؤ۔ انہوں نے کہا۔

اس اثناء میں نورین آگئی اور بولی۔ ممی آپ کا فون آیا ہے۔ بیگم خالد رحمان آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔

ممی چلی گئیں تو نورین پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگی۔ چائے کے ساتھ وہ گرم سموسے اور دوسرے لوازمات بھی لائی تھی۔

ظفر کے دماغ میں اس وقت بھونچال سا آیا ہوا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ اس نے سوچا آخر وہ اتنا پریشان کیوں ہے۔ نورین کی شادی کی خبر سن کر اس کے حواس جواب کیوں دیئے جا رہے ہیں۔ آخر اس کی شادی بھی تو ہونی تھی۔ ممکن ہے نورین کے دل پر بھی ایسی ہی قیامت گزری ہو۔

انورین ساری زندگی ایسی ہی تو نہیں بیٹھی رہے گی۔

چائے لیجیے۔ نورین کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

ایں ہاں۔

ظفر نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پرسکون تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ضبط کر رہی ہو۔

چائے لیجیے...... ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ نورین نے پھر کہا۔ اور یہ سموسے بھی۔

ظفر نے سموسہ اٹھا کر کھایا پھر چائے کا ایک گھونٹ لیا۔ چائے گرم تھی اس لیے اس کی زبان جل گئی۔ اس نے ہلکی سی سسکاری لی۔

کیا بات ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ اس گھر میں پہلی مرتبہ آئے ہوں۔ اس نے چوٹ کی۔

وہ اس ڈرائنگ روم میں سینکڑوں بار بیٹھ چکا تھا اور اس نے نورین سے دنیا بھر کی باتیں کی تھیں۔ آج وہ وہاں اجنبی تھا اور اس کے حواس جواب دیتے جا رہے تھے۔

اس لیے کہ نورین کی شادی ہونے والی تھی اور مشورے کے لیے اسے بلایا گیا تھا۔

یہ قدرت کی ستم ظریفی تھی۔

اس نے نورین پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ وہ براہ راست اس کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے اس کے خیالات پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

اچھا اب میں چلتا ہوں۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہوگیا۔

ڈرائنگ روم کے ماحول میں اچانک کشیدگی سی پیدا ہوگئی تھی۔

ارے ابھی سے، کمال ہے انورین نے حیرت سے کہا۔ آپ کو آئے ہوئے آدھا گھنٹہ بھی نہیں ہوا۔

اوہ، ہاں ممی کہاں ہیں۔

میں بلاتی ہوں مگر کیا آپ صرف انہی سے ملنے آئے تھے۔ اس نے پوچھا۔

ظفر ایک بار پھر گڑبڑا گیا۔ کوئی جواب نہ دے سکا۔ یہ وہی ڈرائنگ روم تھا جہاں وہ تنہائی کی تمنا کیا کرتا تھا لیکن




سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کا خصوصی مطالعہ

مطالعۂ نقوش سیرت صلی اللہ علیہ وسلم

سیرت نبوی ﷺ کے مجموعہ ہذا میں قبل از اسلام عرب کی مجموعی صورتحال، دنیا کی متمدن اقوام کے حالات، عہد رسالت ﷺ کے جملہ واقعات، اسوۂ حسنہ، شمائل و خصائل اور اخلاق رذیلہ کے علاوہ سیرت نگاری کے اصول، قدیم اور عصر حاضر کے سیرت نگاروں کی خصوصیات، مستشرقین کی سیرت نگاری، بالخصوص پاکستان کی قومی زبان اردو اور علاقائی زبانوں میں سیرت نگاری، دورِ جدید کی کتب سیرت اور سیرت نبوی ﷺ پر غیر دانشوروں کی رائے کا احاطہ کیا گیا ہے

محمد خالد اسماعیل

غضنفر اکیڈمی پاکستان

70 سرسید اردو بازار، ناظم آباد نمبر 1، کراچی

آج ممی کی موجودگی ضروری سمجھ رہا تھا۔

نورین اندر چلی گئی تو ظفر کو وحشت ہونے لگی وہ اپنی جگہ سے اٹھا، کار پورچ میں آیا، اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور بنگلے سے نکل آیا۔

جب وہ اپنے مکان کے دروازے پر پہنچا تو اسے اقبال نظر آیا وہ شاید کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ ظفر کو دیکھ کر اس نے ہاتھ ہلایا۔ ظفر موٹر سائیکل سے اترا تو وہ نزدیک آ گیا۔

یار وہ نشاط میں آرنلڈ کی بہت اچھی فلم لگی ہوئی ہے۔ میں نے دو ٹکٹ بک کرائے تھے، چل رہے ہو۔

نہیں تم جاؤ، میرا موڈ نہیں ہے۔

حیرت ہے، آرنلڈ تو تمہارا پسندیدہ اداکار ہے۔ اس نے کہا اور غور سے ظفر کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اور ویسے بھی فلمیں تو تم شوق سے دیکھتے ہو۔ تم ہی کہتے ہو کہ انھیں دیکھ کر پلاٹ بنانے میں آسانی رہتی ہے۔

نہیں، اس وقت نہیں...... خدا کے لیے...... ظفر کی آواز بھرانے لگی۔

کوئی خاص بات ہوگئی۔ اس نے چونک کر کہا اور ظفر کی آنکھوں کی طرف دیکھا پھر جیسے معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔ تم غالباً نورین کے ہاں سے آ رہے ہو۔

ہوں۔

!اسی لیے تمہارا چہرہ ستا ہوا ہے۔ ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔

ہوں۔

اڈ فر کہیں کے۔ اقبال نے ناک سکیڑ کر کہا۔ تم وہاں کیوں گئے تھے۔

ڈیڈی...... ڈیڈی کو تو تم جانتے ہی ہو کہ میں ان کا حکم نہیں ٹال سکتا۔ نورین کی ممی نے انھیں فون کیا تو انہوں نے مجھے شام کی چائے پر جانے کا حکم دے دیا۔

اُفوہ! یہ بوڑھے ہماری زندگی تلخ کیے دے رہے ہیں۔ اقبال نے جھنجلا کر اس طرح سے کہا کہ ظفر کو ہنسی آ گئی۔

رو کیوں رہے تھے کیا نورین نے کچھ کہہ دیا۔

نہیں۔

پھر ممی نے شکایت کی ہوگی کہ ان کی لڑکی سے تم نے بے وفائی کیوں کی۔

نہیں، یہ بات نہیں ہے۔

پھر کیا بات ہے جلدی سے یہیں کھڑے کھڑے بتا دو۔ سسپنس سے میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔

انہوں نے نورین کے رشتے کے سلسلے میں میرا مشورہ مانگا تھا۔ مجھ پر قیامت گزر گئی۔

افوہ...... افوہ۔ اقبال نے مصنوعی حیرت ظاہر کی اور اچھل کود کر بولا۔ کیا اب نورین کی شادی ہو رہی ہے۔

ہاں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اب یہ ظالم سماج کیا قیامت ڈھائے گا یہ دنیا والے۔

......سماج کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ ظفر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

تو پھر قسمت کا کھپلا ہوگا۔ عاشقوں کے ساتھ یہی دو چیزیں گڑبڑ کرتی ہیں۔ اس نے اپنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ بہرحال تفصیل سے بتاؤ کیا معاملہ ہے۔

ظفر نے تفصیل سے سب کچھ بتایا تو اقبال نے اپنا سر پیٹ کر کہا۔ لاحول ولا قو...... اتم نے تو اچھی خاصی ٹریجڈی فلم کا ستیاناس کر دیا۔ ارے احمق آدمی وہاں سے بھاگ کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ لوگ کیا تمھیں نوچ کر کھا لیتے۔

نہیں تو۔

......پھر یہ تو سوچو کہ نورین پر کیا گزری ہوگی۔ اس نے کیا سوچا ہوگا۔

نورین تو میری زندگی۔

......شٹ اپ۔ اس جذباتیت کو یہیں ڈراپ کر دو اور اسے اپنے ناولوں اور فلموں تک ہی محدود رکھو۔ اب تمہاری زندگی کا تعلق ریحانہ سے ہے۔ تم کو بھول کر بھی نورین سے یہ الفاظ وابستہ نہیں کرنا چاہئیں۔



سوری۔

اریحانہ اگر تمہاری بیوی بن گئی ہے تو اس میں اس بچاری کا کیا قصور ہے۔ تم نورین کے بجائے اسے اپنی محبوبہ بنا لوگے تو سارا معاملہ درست ہو جائے گا۔ تمھیں میرا تو پتہ ہی ہے۔ میں نے شادی سے پہلے ایک درجن عشق کیے تھے مگر اب صفیہ چند منٹ کے لیے ادھر ادھر ہو جائے تو میں بے چین ہو جاتا ہوں۔

ہوں۔ ظفر نے آہستہ سے کہا۔ یہ کام بہت مشکل ہے بہرحال میں کوشش کروں گا۔

اسے اقبال کی باتوں سے اپنا دماغ ہلکا ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اچانک موٹر سائیکل کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ اقبال نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ زاہد تھا جو اپنی کا واسا کی پر آ رہا تھا۔

اوہ میرا شکار آ رہا ہے۔

لہٰذا مجھے کھسک لینا چاہیے۔ ظفر نے کہا اور موٹر سائیکل اپنے گھر میں لے گیا۔

وہ گھر میں داخل ہو کر اپنے کمرے میں جانے کے لیے زینے کی طرف گیا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ اسے نظر انداز کرنا چاہتا تھا مگر ڈیڈی کی آواز آئی۔ بیٹے ادھر آنا۔ تمہارا فون ہے۔

ظفر کا دل دھڑک اٹھا۔ اس وقت کس کا فون ہو سکتا تھا۔ کہیں نورین نہ ہو۔ یا اس کی ممی۔

فون ڈیڈی کے ہی کمرے میں تھا۔

اس نے جا کر ریسیور اٹھایا تو تصدیق ہوگئی۔ دوسری طرف سے نورین کی آواز آئی۔ وہ کہنے لگی۔ ارے آپ یوں سر پر پاؤں رکھ کر کیوں بھاگ گئے تھے ظفر۔

اوہ...... مجھے ایک کام یاد آ گیا تھا۔ ایک ادبی انجمن میں شرکت کرنا تھی۔ اس کے لیے تیاری کرنا تھی۔

آپ کا مطلب ہے انجمن ادبائے وطن۔

ہاں۔ وہ بولا۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ گاڑی کتنے بجے جاتی ہے۔

اوہ...... وہاں تو میں بھی مدعو ہوں۔ نورین نے کہا۔ مجھے اس سلسلے میں آپ سے بات کرنا تھی۔

اچھا...... اچھا۔

آپ کون سی ٹرین سے جا رہے ہیں۔

ساڑھے چھ بجے والی سے۔

اس وقت آپ کہاں ہیں ظفر۔ نورین نے کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ساڑھے چھ بجے کون سی ٹرین جاتی ہے۔

وہ...... وہ...... ظفر ہکلایا۔ اسے ٹرین کا نام یاد نہیں آ رہا تھا پھر نورین نے بتایا۔

ٹرین تو ساڑھے سات بجے جاتی ہے۔ وہ بولی۔ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ آپ بھی جا رہے ہیں۔ ہم دونوں ساتھ ہوں گے تو وقت اچھا گزر جائے گا۔ ورنہ تنہائی میں کوفت ہوتی۔

ہوں...... آں۔ ظفر کے حلق سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

میں آپ کو ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں ملوں گی۔ نورین بولی۔ یا پھر آپ کو گھر سے لے لوں۔

میں اسٹیشن پر ہی مل جاؤں گا۔ ظفر نے جلدی سے کہا پھر اس نے چور نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا کہ کوئی اس کی بات تو نہیں سن رہا ہے۔

جب اس نے ریسیور کریڈل کیا تو اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور اعصاب قابو میں نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہو۔

وہ نورین جس کے ساتھ اسے مل بیٹھنے کا موقع تک نہیں مل سکا اب پانچ روز تک اس کے ساتھ رہے گی۔ وہ اکٹھے رہیں گے اور ہنسیں گے، بولیں گے۔ ادب پر سیر حاصل گفتگو کریں گے۔

اس کا دل دھڑک رہا تھا، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کسی پر ظاہر کرے یا نہیں۔ اور اسے کیا کرنا چاہیے۔

کم از کم وہ اقبال کو تو بالکل نہیں بتائے گا۔

وہ نورین کے قریب رہے گا اور اس سے دل کی گفتگو کرے گا۔ وہ کمرے سے نکلنے ہی والا تھا کہ دوسری طرف سے ڈیڈی آگئے۔ کیا سوچ رہے ہو بیٹے۔ یہ تم نے فون کا ریسیور اتنی سختی سے کیوں پکڑ رکھا ہے۔ انہوں نے پوچھا۔

جی...... جی میں شام کی ٹرین سے ایک ادبی محفل میں شریک ہونے جا رہا ہوں۔

یہ تو خوشی کی بات ہے، جاؤ جا کر تیاری کرو۔ پانچ تو بج رہے ہیں۔

ٹرین جب سیٹی بجا کر آگے بڑھی تو ظفر نے اطمینان کا لمبا سانس لیا۔ اسے اب تک معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے چوری کی ہو۔

وہ فرسٹ کلاس کا کمپارٹمنٹ تھا اور انھیں ملا کر اس میں پانچ مسافر تھے۔ ایک مسافر تو اوپری برتھ پر سو رہا تھا۔ دو ان کے سامنے والی سیٹھ پر تھے۔ دونوں میاں بیوی معلوم ہو رہے تھے۔ مرد چونتیس پینتیس کے لگ بھگ تھا جبکہ عورت تقریباً اٹھائیس کی تھی۔ مرد اخبار دیکھ رہا تھا جبکہ عورت نے ناول تھام رکھا تھا۔

وہ ان کے سامنے والی نشست پر تھے مگر ایک دم خاموش۔ ظفر پر ایسی کیفیت طاری تھی جیسے اس نے چوری کی ہو۔

مگر جیسے جیسے ٹرین آگے بڑھتی چلی گئی اس کی گھبراہٹ میں کمی آتی چلی گئی۔ وہ نورین کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے بھی جوابی مسکراہٹ اس کی طرف اچھال دی۔

اس طرح سے منہ بند کر کے سفر کیسے کٹے گا۔

یہی میں بھی سوچ رہی تھی۔

میرے بارے میں اب تمہارے احساسات کیا ہیں۔

یہی کہ شادی کے بعد آپ جھوٹ بھی بولنے لگے ہیں۔

یہ اندازہ تم نے کیسے لگایا۔

اس طرح کہ آپ سہ پہر کو چائے پینے کے دوران اچانک بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے بعد میں ایک عذر لنگ پیش کر دیا۔

ظفر نے کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح اثبات میں سر ہلایا تو نورین ٹھنڈا سانس لے کر رہ گئی۔ اس کے سانسوں کی آواز اس جوڑے تک نہیں پہنچ سکی اس لیے کہ گاڑی کے پہیوں کی آواز بہت تیز تھی۔ ریل کا انجن سیٹیاں بجا رہا تھا۔

اگر آپ کو میرے تبصرے سے تکلیف پہنچی ہو تو میں معافی چاہتی ہوں۔

تکلیف......اب ایسی باتوں سے تکلیف نہیں ہوتی۔ وہ آہستہ سے بولا۔

اس اثناء میں مرد نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد عورت نے بھی ناول ہاتھ سے رکھ دیا۔ ناول چونکہ اوندھا رکھا تھا چنانچہ ظفر کو دیکھنے کا موقع مل گیا کہ یہ اسی کا مشہور ناول خلش ہے۔

اس کے رگ و پے میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس کا ایک قاری اس کے بے حد نزدیک بیٹھا تھا اور اسے خبر نہیں تھی کہ اس ناول کا مصنف اس کے سامنے ہے۔

مرد مسکرایا اور اس نے ظفر پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈال کر کہا۔ غالباً آپ لوگ زیادہ دور نہیں جا رہے ہیں۔

نہیں، صرف حیدر آباد تک۔

بہت خوب، ہمیں بھی وہیں جانا ہے۔

عورت نے اپنی باسکٹ سیٹ کے نیچے سے نکالی اور اس میں سے تھرماس باہر کھینچا پھر اس نے دو پیالیوں میں کافی انڈیل کر ان دونوں کی طرف بڑھا دی۔

اوہ شکریہ آپ لوگ شوق کیجیے۔

ہم لوگ ڈھکنوں میں پی لیں گے۔ اس نے اصرار کیا۔

ظفر نے مجبوراً اس کے ہاتھ سے پیالی لے لی۔

پھر اس نے اپنے لیے کافی انڈیلی اور اس کی ایک چسکی لے کر بولی۔ آپ لوگ کیا وہاں تفریح کی غرض سے جا رہے ہیں۔ وہاں کے حالات آج کل اچھے نہیں ہیں۔



جی نہیں، ہم لوگ انجمن ادباء وطن کے سالانہ جلسے میں جا رہے ہیں۔

اچھا! ہم لوگ بھی اتفاق سے وہیں جا رہے ہیں۔ مجھے راحیل عزمی کہتے ہیں اور یہ میری بیگم شبنم عزمی۔

اوہ! ظفر اور نورین کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ انھیں حیرت تھی کہ اس عہد کے سب سے بڑے ادیب اور ان کی بیگم ان کے ہمسفر تھے۔ اسے یاد آیا کہ ان کی تصویر بھی اس نے ایک رسالے میں دیکھی تھی۔

آپ لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی۔ ظفر نے راحیل سے مصافحہ کیا۔ مجھے ظفر کہتے ہیں اور یہ نورین ہیں۔

آپ تو مشہور ناول نگار ہیں اور آپ کے افسانے بھی میں پڑھتا رہتا ہوں۔ اس نے نورین سے کہا۔

اس کا مطلب ہے کہ سب لوگ جانتے پہچانتے ہیں۔ شبنم عزمی نے کہا۔

نوجوان ترقی کرتے ہیں تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ راحیل نے کہا۔ بیگم جب ہم لوگ اپنے کیریئر میں جدوجہد کر رہے تھے تو کتنی دقت پیش آ رہی تھی۔ اگر اس وقت ہم لوگوں نے شادی نہ کر لی ہوتی اور ایک نہ ہو گئے ہوتے تو آج اتنے عروج پر نہ ہوتے۔ اس ذہنی ہم آہنگی نے ہمیں جلا بخشی ہے۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ شبنم عزمی نے اعتراف کیا۔ پھر وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئی اور اس نے کہا۔ آپ لوگوں کی غالباً نئی نئی شادی ہوئی ہے۔

ج...... جی...... وہ...... ظفر ہکلایا اسے اپنے حلق میں پھندا پڑتا محسوس ہوا۔

نورین کے چہرے کا رنگ بھی اڑ گیا۔

اس بات کو شبنم نے محسوس کیا مگر غلط انداز میں۔ وہ بولی۔ اوہ، آپ لوگ تو شرما رہے ہیں۔

تم اپنا وقت بھول گئیں۔ اس تذکرے پر تو تم بھی آنچل میں منہ چھپا لیا کرتی تھیں۔

ظفر سناٹے کی سی کیفیت میں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ راحیل کیا کہہ رہا ہے۔ اسے ٹرین پٹریوں پر دوڑتی نہیں بلکہ ہوا میں اڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ قسمت نے اس کے ساتھ کتنا بڑا مذاق کیا تھا۔

ملک کے دو نامور ادیب اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ وہ جب تک علیحدہ تھے انہیں اتنی شہرت نہیں ملی تھی مگر جب انہوں نے شادی کر لی تو عروج پر پہنچ گئے اور انہوں نے بین الاقوامی ایوارڈ تک حاصل کر لیے۔ پہلے وہ لکھا کرتے تھے مگر اب ان کے قلم فن پارے اگل رہے تھے۔

راحیل نے کئی بار اعتراف کیا تھا کہ شبنم میرا امراج ہے اور اس کی وجہ سے میری تحریروں میں نکھار آیا ہے۔ آج ہم ایک نہ ہوتے تو اس مقام تک نہ پہنچتے۔

راحیل یونیورسٹی میں پروفیسر تھا اور شبنم ریسرچ اسکالر۔

اان کے بارے میں شبنم کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ اس غلط فہمی کو دور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کاش کہ یہ حقیقت ہوتی۔

کاش......! کاش۔

اس کا ذہن اسی ایک لفظ کی گردان کرنے لگا۔ ظفر سوچنے لگا وہ اس سفر کے دوران پاگل ہو جائے گا یا پھر کسی حادثے کا شکار......اف......اف۔

......راستے میں راحیل اسے نورین سے منسوب کر کے باتیں کرتا رہا جس کی تردید یا تصدیق نورین نے کی نہ اس نے۔ وہ گونگے ہو گئے تھے اور ان کے اعصاب ظفر سے گئے تھے مگر وہ اس میں ایک عجیب سا سرور محسوس کر رہے تھے۔ ان پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔

حیدر آباد پہنچ کر وہ سب ایک ہی ٹیکسی میں انجمن کے آفس تک گئے۔ انجمن کا آفس جس عمارت میں تھا وہیں مہمان خانہ بھی تھا۔

گیسٹ ہاؤس میں پہلے سے بہت سے شاعر اور ادیب آئے ہوئے تھے۔ کچھ کو وہ لوگ جانتے تھے اور کچھ ان کے لیے اجنبی تھے۔

جب وہ منتظم کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے دعوت نامے پیش کیے۔ اس نے انھیں ایک ہی کمرہ الاٹ کر دیا

اور ملازم سے بولا۔ انھیں ایکس نمبر میں لے جاؤ۔ راحیل صاحب کے برابر والے کمرے میں، ان کے ساتھ وقت اچھا گزرے گا۔

ہم دونوں کو ایک ہی کمرہ۔ ظفر نے حیرت سے کہا۔ میرا مطلب ہے کہ آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

اوہ میں معافی چاہتا ہوں۔ میں سمجھا تھا کہ آپ دونوں..... اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور سر کھجانے لگا۔

پھر اس نے انھیں علیحدہ کمرے الاٹ کر دیئے اور دو چابیاں دے دیں۔

اس کی اس انوکھی غلط فہمی سے دونوں کے دلوں پر کیا گزری یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اجلاس اگلے روز شروع ہونے والا تھا۔

کلرک کی اس غلط فہمی سے اس کی دل کی دنیا زیر و زبر ہو گئی تھی اس پر پھر ہیجان طاری ہو گیا۔ وہ اپنے کمرے میں سامان رکھ کر گیلری میں آ گیا۔

اس کا سینہ دہک رہا تھا اور دماغ میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نے سلگتے ہوئے جذبات پر قابو پانے کے لیے سگریٹ سلگا لیا۔

وہ گیلری میں ٹہلتا ہوا آگے گیا تو اسے نورین ایک ستون سے ٹیک لگائے دکھائی دی تم سوئیں نہیں۔ اس نے قریب جا کر پوچھا۔

آپ کیوں نہیں سوئے۔ یہی سوال میں آپ سے بھی تو کر سکتی ہوں۔ نورین نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

غالباً ہم ایک ہی وجہ سے جاگ رہے ہیں۔ ظفر نے کہا۔ نورین نے اس کے جواب پر نظریں جھکا لیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی بڑے طوفان کو روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔

کیا خیال ہے ہم رات ٹہل کر نہ گزاریں۔

کہاں۔

سڑکوں پر، پارکوں میں۔

میرا خیال ہے کہ سردی ہے، ہمیں آرام کرنا چاہیئے۔ نورین نے گھبرا کر کہا۔ سفر نے تھکن طاری کر دی ہے۔ جب تک آرام نہیں کریں گے تھکن دور نہیں ہو سکے گی۔

پھر وہ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہاں سے چلی گئی۔ ظفر وہاں ساکت کھڑا رہ گیا۔ جیسے اس کے پاؤں پر کسی نے گوند لگا دیا ہو۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ دروازہ کھٹکھٹا کر اندر جائے اور بے ساختہ نورین سے لپٹ جائے۔

وہ تذبذب میں تھا کہ پیچھے سے کسی نے اسے آواز دی۔ وہ مڑا تو اس نے وحید، خالد اور زاہد کو دیکھا۔ وہ اس کے تعلیمی زمانے کے دوست تھے۔ کچھ افسانہ نگار اور کچھ شاعر۔

وہ سب ظفر سے لپٹ گئے۔ پھر گیسٹ ہاؤس کی کینٹین تک لے گئے، جو ابھی کھلا ہوا تھا۔ انہوں نے چائے کا آرڈر دیا پھر بیک زبان اس پر غصہ کرنے لگے۔

معلوم ہے تم بہت بڑے افسانہ نگار اور فنکار بن گئے ہو مگر ایسی بھی کیا بے اعتنائی کہ تم نے ہمیں شادی پر نہیں بلایا۔ زاہد نے شکایت کی۔

شادی ہنگامی حالات میں ہوئی ہے۔ اس لیے فہرست میں بہت سے لوگوں کے نام آنے سے رہ گئے۔ جن لوگوں کو اس سلسلے میں مجھ سے شکایت ہے میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔

اچھا بھئی معذرت قبول کر لی۔ اب اپنی بیگم سے تو ملاؤ۔

بیگم وہ تو..... ظفر ہکلایا۔

آہ..... جیسے ہم لوگ جانتے ہی نہیں۔ ہم تو طالب علمی کے زمانے سے کہہ رہے تھے کہ ہماری بھابی نورین بنے گی۔ ابھی تم ایکس نمبر کے سامنے کھڑے کس سے باتیں کر رہے تھے۔

ظفر کا چہرہ متغیر ہو گیا۔



اداکاری نہیں چلے گی۔ میں نے نورین کو پہچان لیا ہے۔ زاہد نے اس کے رخسار پر چٹکی لے کر کہا۔

ٹھہرو، میں انہیں بلاتا ہوں۔ وحید بولا پھر وہ تیزی سے کمروں کی طرف چلا گیا۔ اتنی تیزی سے کہ ظفر اسے روک نہ سکا۔

اس کو بڑا عجیب سا لگ رہا تھا کہ سب کو ایک ہی غلط فہمی ہو گئی ہے کہ نورین اس کی بیوی بن چکی ہے۔

تم لوگوں کی جوڑی بہت مناسب ہے۔ تم لوگ ایک جیسا تعمیری ذہن رکھتے ہو۔ تمہارے خیالات نورین کے اور نورین کے خیالات تم جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ زاہد نے کہا۔

ظفر کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچے فرش میں دھنستا چلا جا رہا ہو۔ جس جوڑی کے لیے وہ لوگ پیش گوئیاں کر رہے تھے اور اب بھی غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ کیا جوڑی بنانے والے کی نظر میں نہیں جچ رہی تھی۔

وہ اس غلط فہمی کی تردید کرنا چاہتا تھا لیکن کوئی طاقت اسے اندر ہی اندر روک رہی تھی۔

وحید تھوڑی دیر بعد واپس آ گیا۔ نورین اس کے ساتھ تھی مگر پرسکون اور سنجیدہ۔

مسز ظفر تشریف لے آئیں۔ وحید نے کہا۔

ظفر نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔ دوسری طرف راشد کہہ رہا تھا۔ آداب بھابی۔

مزاج کیسے ہیں۔ خالد نے پوچھا۔

ظفر حیرت سے نورین کی طرف دیکھ رہا تھا جو خود بھی خاموش تھی اور ان لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہیں کر رہی تھی۔ جو تالا میری زبان پر لگا ہوا تھا وہی اس کی زبان پر کیوں لگ گیا تھا۔

ارے بھابی آپ بیٹھتی کیوں نہیں ہیں! زاہد نے کہا اور اسے کرسی پیش کرنے لگا لیجئے چائے پیجئے۔

آج تو بل آپ کو ادا کرنا پڑے گا۔ آپ کے شوہر نامدار تو ادا کرتے ہی رہتے ہیں۔

مم..... میں معافی چاہتی ہوں۔ اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔ نورین نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

ارے ہاں بھئی یہ آج سفر سے نڈھال ہیں انھیں معاف کر دو۔ ظفر نے اس کی حمایت کی۔

ان لوگوں نے پہلے نورین کو ایک کپ چائے پلائی پھر اسے جانے کی اجازت دے دی وہ تیز قدم اٹھاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

ظفر یہ سوچ کر کوفت سے دوچار ہوتا رہا کہ نورین جب تنہائی میں ملے گی تو وہ اس سے آنکھیں چار نہیں کر سکے گا۔

پھر وہ سب زمانہ طالب علمی کی باتیں کرنے لگے۔ عملی زندگی کی بہ نسبت وہ زمانہ کتنا اچھا تھا۔ اب تو بیوی اور بچوں کی فکر لگی رہتی ہے۔

گھریلو ماحول اور اس کے سکون پر بات ہوئی تو سب نے میاں بیوی کی ذہنی ہم آہنگی کے حق میں ووٹ دیا۔ سب اس پر متفق تھے کہ گھریلو زندگی اگر خوشگوار گزر رہی ہو تو آدمی کی تخلیقی صلاحیتیں اجاگر ہو سکتی ہیں۔

اب ظفر کی مثال لے لو۔ نورین سے اس کی شادی ہوئی ہے۔ دونوں کتنے خوش قسمت ہیں کہ انھیں ہم ذوق ساتھی مل گیا۔ اب یہ دونوں راحیل اور شبنم عزمی کی طرح ترقی کر سکتے ہیں۔

ہاں، بس چند مہینوں کی بات ہے جب یہ لوگ ادب کی معراج پر ہوں گے۔ وحید نے تبصرہ کیا۔

پھر تو یہ ہم لوگوں کو پوچھے گا بھی نہیں۔

ظفر کا دماغ الجھ رہا تھا کہ وہ لوگ اس غلط فہمی میں کیوں مبتلا ہیں اور اگر ہیں تو وہ اس کی تردید کیوں نہیں کرتا۔

شاید اس لیے کہ یہ غلط فہمی اس کے لیے تسکین آمیز ہے۔ نہایت لذت انگیز ہے وہ کسی کو نقصان تو نہیں پہنچا رہا ہے نا۔

بھئی تم شادی کے معاملے میں دم سادھے کیوں بیٹھے

ہو۔ ریاض نے سوال کیا۔ کیا زبان گروی رکھ دی ہے۔

اوہ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ ظفر گڑبڑا گیا۔

پھر کیا بات ہے۔ ریاض نے منہ بنا کر کہا۔ بھابی اپنے کمرے میں چلی گئیں اور تم یہاں خاموش بیٹھے ہو۔

دراصل تکان کی وجہ سے طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ ظفر نے عذر پیش کیا پھر وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بل ادا کیا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

وہ رات اس پر بہت بھاری گزری۔ وہ دھیمے دھیمے سلگتا رہا۔ اس کا سینہ دھواں دھواں تھا۔

دوسرے روز وہ جلسے کی کارروائی میں مصروف رہے۔ پانچ بجے شام کو فرصت ملی۔ سب لوگ گیسٹ ہاؤس میں واپس آ گئے۔ دوستوں کا اصرار تھا کہ وہ ان کے ساتھ فلم دیکھیں مگر جب وہ تیار نہیں ہوئے تو رات کی ملاقات کا وعدہ لے کر چلے گئے۔

اور اس وقت وہ اپنے بے تکلف دوستوں سے پیچھا چھڑا کر سڑکوں پر گھوم رہے تھے۔ جہاں دو رویہ بازار تھے اور لوگ ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔

ایک سڑک سے دوسری سڑک...... دوسری سے تیسری۔ وہ سڑکیں ناپ رہے تھے۔ کسی خاص خیال اور پروگرام کے بغیر۔

ان کے قدم غیر ارادی طور پر اٹھ رہے تھے اور وہ خاموشی سے چل رہے تھے۔

اس طرح سے گھومتے ہوئے انہیں دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ وہ وقت گزرنے کے احساس سے بے بہرہ تھے۔

ظفر سوچ رہا تھا کہ وہ سڑک بے حد طویل ہو جائے۔ کبھی نہ ختم ہونے والی اور وہ اس پر چلتے رہیں۔ تمام زندگی ایسے ہی خاموشی سے گھومتے ہوئے گزار دیں۔ یہ سحر یونہی قائم رہے اور اس سفر کا کبھی خاتمہ نہ ہو۔

دفعتاً اسے خیال آیا کہ نورین چلتے چلتے تھک گئی ہوگی۔ اس نے نورین کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چہرہ گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے سے تشنج اور تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔

ظفر سوچنے لگا کہ یہ پاگل پن ہے کہ وہ اسے یوں ساتھ لے کر گھوم رہا ہے۔ کیا اس سرد موسم میں کوئی یوں گھوم سکتا ہے۔

وہ نورین کے ساتھ کیوں گھوم رہا ہے۔ کیا وہ خود کو فریب دے رہا ہے۔ اس پر تو ریحانہ کا حق ہے وہ نورین کے ساتھ کیوں گھوم رہا ہے۔

یہ تو ریحانہ کی حق تلفی ہوئی۔

اچانک نورین نے ظفر کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ نرم اور ٹھنڈا تھا۔ ظفر چونک گیا۔ نورین اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر نورین نے اس کا ہاتھ آہستہ سے ہٹا دیا۔

ظفر کو ذہنی طور پر جھٹکا سا لگا۔ اسے نورین کے شانے پر ہاتھ رکھنے کا کیا حق تھا۔

وہ ایک پارک کے نزدیک تھے۔ ظفر جا کر ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔ کیا آپ تھک گئے۔ نورین نے مترنم آواز میں پوچھا۔

کیا تم نہیں تھکیں۔

میں بھی تھک چکی تھی مگر احساس نہیں ہو رہا تھا۔

کیوں۔

اس کی وجہ تو میں نہیں جانتی نورین نے کہا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

ہم نے اب تک کتنا سفر کیا ہے۔

شاید ساری زندگی اتنا نہیں کیا ہوگا نورین نے جواب دیا۔ مگر تھکن کا احساس غالب نہیں آیا تھا اس لیے کہ شاید میں تھوڑی دیر کے لیے خود کو فریب دے رہی تھی۔ زندگی کی تلخ حقیقت کو ایک خواب کی چادر میں چھپانا چاہ رہی تھی...... صرف چند گھنٹوں کے لیے...... میں چاہتی تھی کہ ہم جو لمحے ساتھ گزاریں وہ آخری ہوں گے کیونکہ اس کے بعد ہمیں جدا ہونا اور حقیقت کی دنیا میں جانا ہے...... میری شادی ہو جائے گی تو مجھے کسی اور مرد کی آغوش میں پناہ لینا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر ایک اٹل حقیقت ہے کہ



میں نے تم سے محبت کی ہے جو ہمیشہ یاد رہے گی لیکن میں کسی افسانے کی ہیروئن کی طرح یہ نہیں کہہ سکتی کہ میری روح بھی تم سے محبت کرتی ہے۔ اگر میرا جسم کسی اور کا ہو جائے گا تب بھی روح تم سے محبت کرتی رہے گی۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔

حقیقت کیا ہے۔

یہ کہ جب میں کسی اور کی ہو جاؤں گی تو اسے اپنی محبت دینے کی کوشش کروں گی۔ فطرت کا تقاضہ یہی ہے۔

ہاں فطرت کا تقاضہ یہی ہے کہ آدمی اپنی فطرت کو ماحول کے سانچے میں ڈھال لے۔ مجھے اپنے شوہر سے محبت کرنا پڑے گی۔ چاہے اس کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی ہو یا نہ ہو۔

تم درست کہتی ہو۔ ہم حالات کے مارے ہوئے ہیں۔ یہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے نہ ہو سکیں گے اور کسی مجبوری میں بندھ جائیں گے۔ ایسا کیوں ہوا۔ اس میں ہمارے بزرگوں کی ضد کا دخل تھا۔ بہرحال ہمیں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا ہے کہ ان کی عزت پر حرف آئے۔ ظفر نے کہا۔

ہاں۔ اس کے علاوہ آپ کو اپنی بیوی کے جذبات کی پاسداری بھی کرنا ہے۔ وہ بے قصور تو آپ کے ساتھ باندھ دی گئی ہے۔ اب آپ کو اپنے دل میں موجود محبت میں سے اسے بھی حصہ دینا پڑے گا۔ اس نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ اب چلنا چاہیے۔ مجھے سردی لگ رہی ہے۔

ظفر اٹھ گیا۔

وہ واپس جا رہے تھے اب ان کے قدموں میں لغزش تھی۔ وہ تھکن محسوس کر رہے تھے۔ ایک سحر تھا کہ وہ ٹوٹ چکا تھا...... ایک خواب تھا جو کہ بکھر چکا تھا۔ ایک شدت تھی جو کہ معدوم ہو چکی تھی۔ اب وہ حقیقت کی دنیا میں تھے جو پہنچ [illegible]

اور [illegible] سے گزرنے والا ہی ایک کامیاب انسان ہو سکتا ہے۔

اس رات ظفر پر اضطراب طاری رہا۔ وہ سکون سے نیند نہ لے سکا۔ اسے رہ رہ کر ریحانہ یاد آ رہی تھی جو اس کی بیوی تھی۔ وہ ایسی کیفیت میں اس کا سر دباتی تھی اور جس کے شانے پر سر رکھنے کے بعد وہ سب کچھ بھول جاتا تھا۔

دوسرے روز اس کی طبیعت میں کسلمندی تھی جو چند معمولی دوائیں لینے کے بعد درست ہو گئی۔ اس نے اجلاس میں بے دلی سے حصہ لیا۔

وہ لوگ اسے گھیرے بیٹھے رہے جن پر انکشاف ہو گیا تھا کہ نورین اس کی بیوی نہیں ہے۔ وہ لوگ گم صم تھے البتہ زاہد نے اس غلط فہمی کی معافی مانگی پھر بولا۔ اگر نورین تمہاری بیوی نہیں بن سکی ہے تو اسے قدرت کا ظلم کہنا چاہیے بہرحال یہ بتاؤ کہ بھابی کے ساتھ خوش ہو۔

ظفر کوئی جواب نہ دے سکا۔

دوستوں نے اس کے دل کی بات سمجھ لی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ اب ظفر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی میں ہی اپنی محبوبہ تلاش کرے۔

نورین سے آخری بار ملنے کے بعد وہ محتاط ہو گیا اور اس سے دور رہنے لگا۔ وہ جذبات سے زیادہ اب عقل سے کام لے رہا تھا۔ اس خیال سے کہ اگر وہ نورین کے نزدیک رہا تو لوگوں کو نورین پر انگلی اٹھانے کا موقع مل جائے گا اور اس طرح سے نورین کے وقار کو ٹھیس پہنچے۔

اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے وقت پر لوگوں کی غلط فہمی دور کیوں نہیں کر دی۔ اسے ابتدا ہی میں تردید کر دینا چاہیے تھی۔

اس واقعہ کے بعد پانچ روز نہایت بے کیفی اور بیزاری میں گزرے...... اس نے اجلاس کی کارروائی میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لی پھر جب اجلاس ختم ہوا تو وہ نورین سے ایک روز پہلے ہی واپس آ گیا۔ اس نے اپنی روانگی سے نورین کو آگاہ نہیں کیا۔

جب وہ وہاں سے آ رہا تھا تو اس کے قریبی دوست زاہد نے کہا۔ ظفر میں محسوس کر رہا ہوں کہ اب تم میں پہلے جیسی

اسپرٹ نہیں رہی ہے۔

اسپرٹ سے تمہاری کیا مراد ہے۔

ادیبوں والا جوش و خروش۔ اس نے جواب دیا۔ تم اجلاس کی کارروائی کے دوران بجھے بجھے سے رہے۔ ورنہ اس سے پہلے تم بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

معلوم نہیں۔

مجھے معلوم ہے۔ تم ایک ادیب کی حیثیت سے جذباتی ہو..... ہونا بھی چاہئے ..... مگر تم اس وقت جذباتیت سے مغلوب ہو چکے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ملک ایک اچھے ادیب سے محروم ہو جائے۔

نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ ظفر نے آہستہ سے کہا۔

ہم نے تم سے بہت سی امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں ظفر، ان امیدوں کو خاک میں نہ ملا دینا۔

دوران سفر اسے زاہد کی باتیں یاد آتی رہیں۔ وہ سوچتا رہا زاہد سے کیا ہوا وعدہ نبھا سکے گا یا نہیں۔ وہ ادب سے انصاف کر سکے گا یا نہیں۔

وہ جب اسٹیشن سے اتر کر گھر پہنچا تو اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اس وقت صرف امی جاگ رہی تھیں۔ انہوں نے ظفر کے سر پر ہاتھ پھیر کر کھانے کے بارے میں پوچھا۔ اس کے اثبات میں جواب دینے پر انہوں نے آرام کرنے کی تلقین کی۔

جب وہ اوپر پہنچا تو اس نے اپنی خواب گاہ میں نیلا بلب روشن دیکھا۔ اس کے ہلکے سے دھکا دینے پر دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر چلا گیا۔

ریحانہ مسہری پر بے خبر سو رہی تھی۔ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور ہاتھ سینے پر رکھے تھے۔ ہلکی نیلی روشنی میں وہ پہلے سے زیادہ حسین دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے دلکش تراشیدہ ہونٹوں کے درمیان ایک خلا سا بن گیا تھا جس سے اس کے دانت موتیوں کی طرح جھلک رہے تھے۔

اسے دیکھ کر ظفر کے دل میں ایک عجیب سا جذبہ پیدا ہوا۔ ریحانہ اس کی بیوی تھی۔ وہ اسے چھو سکتا، چوم سکتا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا سکتا تھا۔ اس کے رخساروں کی تپش اور حدت اپنے ہونٹوں سے محسوس کر سکتا تھا۔

وہ جھکا اور اس نے اپنے ٹھنڈے ٹھنڈے ہونٹ ریحانہ کے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ گلاب جیسی دو پنکھڑیاں سرور انگیز انداز میں لچک کر دب گئیں۔ ظفر کے جسم میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔

ریحانہ کی آنکھیں کھل گئیں۔

اس کی آنکھیں ہرنی کی طرح دلکش اور خمار میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس نے نشیلی آنکھوں سے ظفر کا جائزہ لیا پھر اپنے بازو اس کی گردن میں پھنسا دیئے۔ ظفر اس کے برابر بیٹھ گیا پھر اس نے اپنا سر ریحانہ کے سینے پر رکھ دیا۔

وہ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

ظفر ایک سرور انگیز کیفیت میں ڈوب گیا۔ اس وقت کوئی جذبہ، کوئی خیال اسے پریشان نہیں کر رہا تھا۔ صرف ایک سکون تھا..... ایک آرام تھا۔

..... آپ کب آئے۔ ریحانہ نے غنودہ آواز میں پوچھا۔

اوہ ظفر کیف کے عالم میں آنکھیں بند کیے ہوئے بولا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے۔

میں بارہ بجے سوئی تھی۔ کم بخت آنکھ لگ گئی ورنہ میں سوچ رہی تھی کہ اس وقت سوؤں گی جب آپ واپس آجائیں گے۔

کیوں۔ تمہاری آنکھ لگ گئی تو کیا ہوا تم نے آرام کر لیا۔

مجھے تو آپ کے آرام کی فکر تھی اس نے فکرمندی سے کہا۔ میرا آرام اور چین تو آپ ہیں۔ آپ سفر میں تھے تو میں آرام کیسے کر لی رہتی۔

ظفر کے کانوں میں جیسے کسی نے شہد گھول دیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ریحانہ اس کا کتنا خیال رکھتی ہے۔



اٹھئے آپ اپنے کپڑے تبدیل کر لیجئے۔ ریحانہ نے اس کی شرارتی انگلیوں سے بچتے ہوئے کہا۔

ٹھہرو، ابھی بدلتا ہوں۔ ظفر نے کہا۔

ابھی تو آدھی رات پڑی ہے۔ ریحانہ نے ہنس کر کہا۔ آپ بے چین ہو رہے ہیں۔ پہلے کپڑے بدل لیجئے پھر آرام کیجئے گا۔

ظفر بڑی مشکل سے اس کے پہلو سے اٹھا اور اس نے اپنے کپڑے تبدیل کیے۔ ریحانہ نے کہا۔ لایئے آپ کے پاؤں دبا دوں۔

نہیں تم لیٹ جاؤ۔ اتنی رات ہو گئی ہے کیا جاگتی رہو گی۔

جب آپ آرام سے سو جائیں گے تب میری نیند پوری ہو جائے گی۔ آپ پانچ روز گھر سے باہر رہے ہیں۔ آپ نے بہت کام کیا ہوگا۔ آپ تھک گئے ہوں گے۔

ظفر کے انکار کے باوجود وہ اس کے پاؤں دبانے لگی۔ وہ کیف و سکون کی وادیوں میں ڈوب گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ بیوی کا درجہ کتنا بلند ہے۔ وہ لڑکی جو اپنا گھربار چھوڑ کر اس کے ہاں چلی آئی ہے۔ اب اس کا کتنا خیال رکھ رہی ہے۔

..... اس نے ریحانہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ وہ کسی گڑیا کی طرح اس کی آغوش میں آ گئی مگر بے جان گڑیا کی طرح نہیں ..... زندگی، حرارت اور تقاضوں سے پر گڑیا کی مانند پھر اس کے ہونٹ ریحانہ کے ہونٹوں سے جا لگے اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

آج کی رات تمام راتوں سے اچھی لگ رہی ہے۔ ریحانہ نے خوابناک لہجے میں کہا۔

کیوں۔

اس لیے آپ پانچ روز بعد گھر آئے ہیں۔

تو کیا تم پانچ روز تک مجھے یاد کرتی رہی تھیں۔

میرے ذہن سے تو ایک لمحے کے لیے بھی آپ کا تصور محو نہیں ہوا۔ بس ہر وقت آپ کی تصویر نگاہوں میں گھومتی رہتی تھی پھر جب آپ پہلو میں نہیں ملتے تو دل اٹھنے لگتا۔

سچ۔

آپ کی جان کی قسم۔ اس نے والہانہ انداز میں کہا اور ظفر کے سینے پر سر رکھ دیا۔

ظفر نے سوچا کہ وہ اب تک ریحانہ کے ساتھ کتنی بے انصافی کرتا رہا ہے۔ وہ نورین کے تصور میں ڈوبا رہا جبکہ ریحانہ اسے سکون اور آرام دے رہی ہے۔

وہ سوچتا رہا..... پھر اضطراب کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑنے لگی تو اس نے بے تاب ہو کر ریحانہ کو سینے سے لگا لیا۔ وہ سوچنے لگا کہ نورین کو دل سے نکال دے گا اور زندگی ریحانہ کے لیے وقف کر دے گا۔ وہ اسے اپنی بیوی سمجھنے کے ساتھ محبوبہ بھی سمجھے گا..... حالات کا تقاضہ بھی یہی تھا۔

سوچوں کے اسی بھنور میں ڈوبتے ابھرتے اسے نیند آ گئی۔ وہ اتنی پرسکون نیند سویا کہ دوسری صبح اس کی آنکھ بہت دیر میں کھولی۔

دوسرے روز سہ پہر کے وقت اس کا موڈ بن گیا تو اس نے اپنا نامکمل ناول اٹھا لیا اور اس کا آخری باب لکھنے بیٹھ گیا۔

جب دو صفحے لکھنے کے بعد وہ کلائمکس پر پہنچا تو اس کا قلم رواں ہو گیا۔ یہ اس کے امتحان کا وقت تھا۔ کلائمکس ہر مصنف کے لیے ایک امتحان ہوتا ہے۔ اس وقت تمام کرداروں کو سنبھالنا پڑتا ہے اور ان کا واقعاتی انجام دکھانا ہوتا ہے۔

وہ ایسے متعدد امتحانات سے گزر چکا تھا۔ اس وقت اسے یکسوئی اور سکون کی ضرورت ہوتی تھی۔ اگر ایسے لمحوں میں ذرا سی آہٹ بھی ہو جاتی تو اس کے خیالات بکھر جاتے اور تمام کڑیاں ٹوٹ جاتیں۔ وہ مناسب خیالات اور الفاظ کی تلاش میں یوں ہاتھ پاؤں مارتا رہ

جاتا جیسے کوئی ڈوبتا ہوا شخص زندگی کی تلاش میں ہو۔

اُوٹتی بکھرتی کڑیوں میں سے بعض کڑیاں ایسے گم ہوتیں کہ بعد میں ان میں سے کوئی ہاتھ نہ آتی اور وہ سر تھام کر بیٹھا رہ جاتا۔ ایسا کوئی نکتہ کھو جانے کی صورت میں بعض اوقات اسے نیا جنم لینا پڑتا۔

اس وقت جبکہ کہانی اپنے عروج پر تھی اور اس کا قلم کاغذ پر پھسل رہا تھا تو اچانک پیچھے سے کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ظفر جو جملہ لکھ رہا تھا وہ ادھورا رہ گیا۔ اس کے خیالات منتشر ہو گئے اور وہ جھنجلا سا گیا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ریحانہ کھڑی مسکرا رہی تھی اس نے صبر کر لیا اور ملائمت سے پوچھا۔ کیا بات ہے۔

آپ لکھتے ہیں تو لکھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ کوئی سدھ بدھ ہی نہیں رہتی۔ میں کافی دیر سے آپ کے پیچھے کھڑی ہوں۔

ہوں، پھر۔ ظفر نے اسی طرح ملائمت سے پوچھا۔ وہ منتظر تھا کہ ریحانہ اس وقت دخل اندازی کی وجہ بیان کرے۔

خالو آپ کو کئی بار بلا چکے ہیں مگر انہوں نے یہ تاکید بھی کر دی تھی کہ اگر آپ لکھ رہے ہوں تو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔

تو تم بلانے آئی ہو۔

نہیں، ملازمہ آئی تھی۔

ہوں! ظفر کا لہجہ استفہامیہ تھا۔

دوسری بار آئی اور اکیلی واپس جا رہی تھی تو میں نے سوچا اچھی بات نہیں ہے۔ خالو برا مانیں گے۔

کیا کہہ رہے ہیں۔

کوئی اہم خط آیا ہے۔

اچھا ٹھیک ہے، ان سے کہہ دو کہ آ رہا ہوں۔

کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔ ریحانہ نے اندیشے کا اظہار کیا۔

وہ جاہل نہیں ہیں۔ ظفر سنجیدگی سے بولا۔ تم ان سے جا کر کہہ دو۔

اوں..... ہونہہ!..... ریحانہ نے اچانک اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اب بس کیجئے۔ میری طبیعت گھبرا رہی ہے اور آپ کا لکھنا ختم ہی نہیں ہو رہا ہے۔

ظفر کی جھنجلاہٹ عروج پر پہنچ گئی۔ اس پر لکھنے کا موڈ طاری تھا اور خیالات کی آمد تھی مگر ریحانہ رکاوٹ ڈال رہی تھی۔ اس نے مشکل سے خود پر قابو پایا پھر مسکرا کر بولا۔

جان من! تم کو اندازہ نہیں ہے کہ یہ کتنا ضروری کام ہے۔

ہو گا نگوڑا، کیا مجھ سے بھی قیمتی ہو گیا ہے۔ اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

ظفر نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے احساس ہوا کہ ریحانہ میلے اور مسلے ہوئے کپڑے پہنے ہے۔ اسے الجھن سی ہونے لگی۔

تم نے میلے کپڑے نہیں اتارے۔ وہ بولا۔

اونہوں، اب کل نہاؤں گی تو بدل لوں گی۔ وہ ٹھنکتی ہوئی بولی۔

اور آج نہانے کے بعد تم نے کپڑے تبدیل نہیں کیے۔

آج نہایا نہیں تھا۔

کیوں۔

اونہہ..... دل نہیں چاہ رہا تھا۔

ظفر ایک بار پھر جھنجلا گیا۔

یہ حرکت تین چار مہینے سے ہو رہی تھی۔ شادی کو چھ ماہ ہونے کو آئے تھے اور اب ریحانہ کی باتیں سامنے آ رہی تھیں..... ایسی باتیں جو ظفر کے لئے ناقابل برداشت تھیں۔ وہ صفائی ستھرائی کا عادی تھا اور ایک روز بیچ کر کے کپڑے تبدیل کر لیتا تھا جبکہ ریحانہ کو کپڑے تبدیل کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

وہ چاہتا تھا کہ ریحانہ پابندی سے غسل کرے، بال سنوارے اور کپڑے تبدیل کرے مگر ریحانہ اس وقت بھی



غسل نہیں کرتی تھی جب لازمی ہوتا تھا، پانچویں چھٹے روز غسل کرتی اور جب کپڑے میل سے چکٹ جاتے تو اس وقت انہیں تبدیل کرتی۔

وہ کہتے کہتے تھک گیا تھا کہ رات کو پہننے والے اسے صبح اتار دینا چاہئیں مگر وہ انہیں ہی پہنے رہتی۔ اگر کبھی ظفر نے اسے شب خوابی کا لبادہ پہنا دیا تو وہ دن کے وقت بھی اسے پہنے رہی۔ دن میں پہنے جانے والے خوب صورت اور قیمتی کپڑے وہ رات کے وقت بھی پہنے رہتی تھی۔

شادی کو ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا تھا اس لیے ظفر ہر وقت چخ چخ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی ازدواجی زندگی میں کوئی بدمزگی پیدا ہو مگر ریحانہ کے رویے سے اس کا دل بجھ کر رہ گیا تھا۔

اسے اپنی سوچوں میں غلطاں و پیچاں دیکھ کر ریحانہ نے پوچھا۔ یہ آپ کیا سوچنے لگے۔

آں۔

آپ کو خالو جان بلا رہے ہیں۔

اوہ ہاں۔ ظفر نے چونک کر کہا پھر وہ جلدی سے اٹھ گیا۔ اس نے اپنی کیفیت پر جلدی سے قابو پایا پھر زینے اتر کر وہ ڈیڈی کے کمرے میں گیا۔

اسے دیکھ کر وہ مسکرائے اور بولے۔ آؤ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔

جی ہاں، معلوم ہوا تھا کہ آپ میرا انتظار کر رہے ہیں، میں دراصل لکھ رہا تھا۔

میں نے ملازمہ کو ہدایت کر دی تھی کہ اگر تم لکھ رہے ہو تو تمہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔

جی! ظفر نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنی کرب ناک کہانی ان کے روبرو سنانا مناسب نہیں سمجھی۔

یہ ایک لفافہ آیا ہے۔

جی، کس کا ہے۔

دیکھ لو! انہوں نے لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ظفر نے لفافہ کھولا تو معلوم ہوا کہ وہ نورین کی شادی کا دعوت نامہ ہے اس کی والدہ کی طرف سے۔ نورین کی شادی ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ہو رہی تھی۔ لڑکے کا نام جمال تھا۔

ظفر کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس کے دل و دماغ میں ایک طوفان سا اٹھنے لگا۔ اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا۔ وہ رفتہ رفتہ نورین کو بھلانے کی کوشش کر رہا تھا مگر قسمت اسے کسی نہ کسی موڑ پر امتحان سے دوچار کر دیتی تھی۔

اس دعوت نامے کے ساتھ نورین کی ممی کا خط بھی تھا۔ جس میں معذرت کی گئی تھی کہ وہ مصروفیت کی بنا پر خط نہ لکھ سکیں اور نہ ٹیلی فون پر رابطہ قائم ہو سکا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ جمال آج کل چھٹیاں گزارنے مری گیا ہوا ہے۔ اس کے والدین کراچی ہی میں ہیں اور اس کی واپسی پر شادی کر دیں گے۔ تاریخ چونکہ طے ہو چکی ہے لہٰذا کارڈ چھپوا لیے گئے ہیں۔ ان لوگوں کو لازماً شرکت کرنا ہو گی۔ بہو اور بیٹے ظفر کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ آئیں۔

ظفر نے خط پڑھ کر دعوت نامے کے ساتھ لفافے میں رکھ دیا اور اسے میز پر ڈال دیا۔ اس کے دل کا غبار آنکھوں تک آ گیا اور آنکھیں دھندلانے لگیں۔

اس کے ڈیڈی اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ڈیڈی اس کی کیفیت سے واقف ہیں۔ اس کے ساتھ جو کچھ گزر رہی ہے، وہ ان کے علم میں ہے۔ وہ ریحانہ کی عادت و اطوار بھی جانتے ہیں مگر اس کی شادی کی طرف سے بھی مطمئن ہیں۔

وہ تھوڑی دیر تک وہاں موجود رہا پھر ڈیڈی سے اجازت لے کر چلا آیا۔ اس کے دل و دماغ میں انتشار سا برپا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے گھر سے نکلا اور سڑک پار کر کے اقبال کے گھر چلا گیا۔ وہ اس وقت موجود تھا اور کارخانے سے تھوڑی دیر پہلے واپس آیا تھا اس وقت اپنے نفع و نقصان کا حساب کر رہا تھا۔

ارے اس وقت، خیریت تو ہے۔ اس نے حیرت سے

کہا۔

میں بہت پریشان ہوں، لاؤ ایک سگریٹ دو۔ ظفر نے مغموم آواز میں کہا۔

پریشانی کی وجہ۔ اقبال نے پوچھا۔

وہی پرانی وجہ ہے۔

کیا کوئی نئی بات ہوگئی۔

نئی بات نہیں ہے۔ دل کا ایک داغ ہے۔

سیدھے لہجے میں بات کرو پیارے اور گرامر کے بغیر فر فر اور صاف انگریزی بولو۔ اقبال نے ناک سکیڑ کر کہا۔ شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں تم سے اچھے مکالے بول سکتا ہوں اس لیے کہ میں نے ایک درجن لڑکیوں سے عشق کیا ہے۔

ظفر چند لمحوں تک خاموش رہا پھر اس نے ٹھہر ٹھہر کر نورین کی شادی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اقبال نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا۔ تم احمق ہو۔ پلکوں کی سوئیاں باقی ہیں تو بلبلا رہے ہو...... کچھ دن کی اور بات ہے...... جب نورین کی شادی ہو جائے گی تو تم سب کچھ بھول جاؤ گے۔ دل میں جو کسک باقی رہ گئی ہے۔ وہ دم توڑ دے گی۔

ممکن ہے تمہاری بات صحیح ہو لیکن میں جب بھی اسے بھلانے کی کوشش کرتا ہوں، کوئی نہ کوئی حادثہ میرے زخم کو تازہ کر دیتا ہے۔

یہ تمہارے جذباتی ہونے کی دلیل ہے! اقبال بولا۔ تو کیا انسان کو تمہاری طرح جذبات اور احساسات سے عاری ہونا چاہیے۔ ظفر نے بگڑ کر کہا۔ جذبات سے عاری وہی ہوگا جو پتھر سے بنا ہوگا ورنہ انسان تو ہنستا، گاتا، روتا چیختا، سب ہی کچھ کرتا ہے۔

میں جانتا ہوں۔ اقبال نے کہا۔ تمہارے ساتھ ظلم ہوا ہے مگر دل نہ ہارو۔ اگر دل ہار دیا تو پھر زندگی ہار بیٹھو گے۔ صفیہ اور میں اس مسئلے پر گفتگو کرتے رہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ آنٹی نے اس معاملے میں سمجھداری کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ وہ بہو چاہتی تھیں اس لیے بہو لے آئیں۔ تمہارے لیے بیوی نہیں لائیں۔ ریحانہ تمہاری فطرت کے مطابق کامیاب بیوی نہیں ہے۔

مگر مصیبت یہ ہے کہ وہ بری بھی نہیں ہے۔ ظفر نے دکھ سے کہا۔ ایسی ہی ہے جیسے کہ سب لڑکیاں ہوتی ہیں۔

ہاں، وہ خوبصورت ہے لیکن اس کا ذہن ایسا نہیں ہے۔ وہ خود کو ماحول کے مطابق تبدیل کرنا نہیں جانتی۔ ماحول میں ضم ہو جانا بھی ایک خوبی ہے مگر وہ اس سے محروم ہے۔

تم بہرحال مجھے یہی مشورہ دو گے کہ ایک شریف آدمی کی حیثیت سے مجھے اس سے نباہ کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ظفر بولا۔

ہاں، میں یہی کہنے والا تھا۔

تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے نباہ کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ ظفر نے رنجیدگی سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ میری شادی کو چھ مہینے ہونے کو آرہے ہیں لیکن میں نے کبھی ریحانہ کے احساسات کو مجروح نہیں کیا ہے۔ اسے کوئی ٹھیس نہیں لگنے دی۔ میں ذہنی عذاب سے دوچار ہوا مگر میں نے اس کا عکس اس پر نہیں پڑنے دیا۔

تم نے اچھا کیا۔

ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے۔ ظفر نے کہا۔ اب تم بتاؤ کہ اس مسئلے کا کیا حل ہے۔

تمہارا مطلب ہے نورین کی شادی۔

نورین کو جہنم میں ڈالو۔ ظفر نے چڑ کر کہا۔ یہ بتاؤ کہ میری شخصیت اور کیریئر مجروح ہو رہا ہے اس کا کیا ہوگا۔ کیا میں اپنے احساسات اور جذبات کو فنا کردوں اور مصنف کو دفن کر دوں۔ میں ایک حساس شخص ہوں اس لیے اپنے ماحول سے بے بہرہ تو نہیں رہ سکتا۔

تم مصنف ظفر کو کیوں دفن کر رہے ہو۔ وہی تو تمہاری زندگی ہے، وہی تمہارا مستقبل ہے۔

شادی کے چھ مہینے بعد میں نے صرف ایک ناول لکھا جو



اب شائع ہو کر مارکیٹ میں آیا ہے۔ اسے آئے ہوئے ایک مہینہ ہو چکا ہے اس پر بڑے حوصلہ شکن تبصرے ہوئے ہیں۔ ایک تبصرہ نگار نے لکھا ہے کہ ناول کیا ہے چوں چوں کا مربہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس کا کوئی پلاٹ ہی نہیں ہے۔ فاضل مصنف کے دماغ میں جو خیال بھی آیا انہوں نے اسے کاغذ پر انڈیل دیا۔

اوہ...... کس کمینے نے یہ تبصرہ کیا ہے۔ اقبال نے دانت پیس کر کہا۔ مجھے اس کا پتہ بتاؤ۔ میں آج ہی جا کر اس کے چہرے کا فریم بگاڑ دوں گا۔

اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ ظفر نے کہا۔ دوسرے تبصرہ نگار نے لکھا ہے کہ اس نئے ناول نویس سے جو امیدیں تھیں، وہ سب خاک میں مل گئیں۔ اس میں کچھ نہیں رہا۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ اب بتاؤ اس تبصرے کو پڑھ کر میرے دل پہ کیا گزری ہوگی۔

قیامت گزر گئی ہوگی۔ اقبال نے کہا۔ ویسے تم اس رسالے کا نام ہی بتا دیتے جس میں یہ تبصرہ شائع ہوا ہے تو اس کے ایڈیٹر سے حساب کتاب کرنے میں آسانی رہتی۔ وہ کم از کم چھ مہینے تک کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔ ظفر نے بھرائی ہوئی دل گرفتہ آواز میں کہا۔ جبکہ مجھے یہ تشویش ہو رہی ہے کہ میں ایک ادیب کی حیثیت سے ختم ہو رہا ہوں۔

تم کچھ نہیں ہو رہے ہو۔ اقبال نے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا۔ یہ وقتی جذباتی ابال ہے...... ایک ہیجان ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو جائے گا اور ایک اعلیٰ ادیب باقی رہے گا۔ ظفر فکر نہ کرو۔ ہم اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال لیں گے۔

مجھے کوئی حل بتاؤ۔ ظفر نے سگریٹ کا ایک کش کھینچتے ہوئے کہا۔ اس لیے کہ میری صلاحیتیں دم توڑ رہی ہیں اور میرا دماغ بیکار ہو رہا ہے۔

ایک اور حل ہے۔

وہ کیا۔

تم خود کو ریحانہ کے مطابق ڈھال لو یا پھر اسے ڈھال لو۔ یہ مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔

یہ میرے لیے قطعی ناممکن ہے۔

ہشت گدھے۔ اقبال ہنسا۔ یہ کس گدھے نے کہا ہے کہ تم خود کو اس کے سانچے میں ڈھال لو۔

پھر......!

اسے اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرو۔

یہ اور زیادہ ناممکن ہے۔

کیوں۔

اس لیے کہ وہ صرف پانچویں جماعت تک پڑھی ہوئی ہے۔

تمہارے ناول پڑھتی ہے۔

ہاں...... اور جانتے ہو، اس میں اسے کیا باتیں پسند آتی ہیں۔

کیا......!

ہیروئن کے لباس، گھر کی سجاوٹ، گہرے رومانی اور جذباتی مناظر جس میں ہیرو، ہیروئن کو اپنی بانہوں میں لے لیتا ہے۔ میں اسے کیسے تبدیل کر سکتا ہوں۔

وہ تعلیم کی کمی کے باوجود تمہاری محنت سے خود کو تبدیل کر سکتی ہے۔

تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ اس پر کتنی محنت کرنا پڑے گی میرے دوست۔ وہ موڈ تک کے معنی نہیں جانتی ہے۔ اب بتاؤ وہ میری تعلیمی باتوں اور میری سوچ تک کیسے پہنچ سکتی ہے۔

یہ کہاوت پرانی ہے کہ بوڑھے طوطے نہیں پڑھ سکتے۔ میں نے ایسے لوگوں کو پڑھتے دیکھا ہے جن کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ اقبال نے اسے تسلی دے کر کہا۔ تعلیم بالغان کے سلسلے میں ہمارے ہاں بھی بہت پیش رفت ہوئی ہے۔

تو کیا اسے کسی اسکول میں داخل کرا کے اپنا مذاق اڑواؤں۔

یہ کس نے کہا ہے۔
پھر خود پڑھاؤں۔
نہیں، یہ نیک کام صفیہ کر ڈالے گی۔ اقبال بولا۔ اس نے ایم۔ اے کر رکھا ہے۔
وہ بے چاری کیا کچھ کرے گی۔ ظفر نے گہرا سانس لے کر مایوسی سے کہا۔ میں چھ مہینے میں اس کی ایک عادت نہیں بدل سکا۔ میرا کہنا ہے کہ انسان کو گندا نہیں رہنا چاہیے۔ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتی۔
انسان کو سکھانے اور خاص طور پر بالغ انسان کو سکھانے کے طریقے ہوتے ہیں۔ ممکن ہے تم نے صحیح طریقہ نہ اختیار کیا ہو۔
ٹھیک ہے میری طرف سے اجازت ہے تم کوئی طریقہ اختیار کر کے دیکھ لو۔
او کے۔ اب تم ریحانہ کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ اور اپنے کام کی طرف توجہ دو۔ میں صفیہ کو ہدایت دے دوں گا وہ تمیل کھیل میں یہ سوشل ورک شروع کر دے گی۔
میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔ ظفر نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ تم جو جی چاہے کرو۔
اب اتنے ٹھنڈے سانس نہ لو...... مجھے سردی لگ رہی ہے۔ اقبال نے کانپتے ہوئے کہا۔
ظفر ہنس پڑا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنا غم بھول گیا تھا۔
اس شام وہ تفریح کے لیے نکل گیا...... اکیلے ہی......
پھر بوریت سے بچنے کے لیے اس نے ایک فلم بھی دیکھ ڈالی۔ جب وہ آخری شو دیکھ کر اور ایک ہوٹل میں کھانا کھا کر گھر واپس آیا تو اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔
وہ اوپر جا کر بالکونی میں ٹہلتا رہا پھر اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا تو اس نے ریحانہ کو محوِ خواب پایا۔ اسے دھچکا سا لگا کیونکہ اس نے ہمیشہ اسے اپنا منتظر پایا تھا۔ ہلکی نیلی روشنی میں ریحانہ کے ہونٹ یاقوت کی طرح سے دمک رہے تھے۔ اس کے شباب پر تموج تھا۔
وہ بے اختیار اس پر جھک گیا۔ ریحانہ کی ساری بے اعتدالیاں اس نے فراموش کر دیں۔ اس نے سوچا ریحانہ بھی انسان ہے۔ اس کا انتظار کر کے تھک گئی ہو گی۔
وہ اس کے ہونٹ اپنے ہونٹوں میں جذب کرنا ہی چاہتا تھا کہ اس کی ناک سے بساند اور بدبو کا ایک بھبکا ٹکرایا۔ ریحانہ نے ایک ہفتے کے میلے کپڑے پہن رکھے تھے اور گزشتہ تین روز سے غسل نہیں کیا تھا۔
وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گیا۔
پھر اس کے دل و دماغ میں غصے کی ایک لہر اٹھی۔ اسے یاد آیا کہ وہ اس موضوع پر ریحانہ کو معلوم نہیں کتنی بار سمجھا چکا ہے۔ وہ اس پر بھی زور دیتا تھا کہ ریحانہ غسل کرنے کے بعد ٹالکم پاؤڈر بھی چھڑک لیا کرے مگر پاؤڈر چھڑکنا تو دور کی بات وہ غسل کرنے سے اجتناب کرتی تھی۔
اس نے خاموشی سے اپنے کپڑے تبدیل کیے اور مسہری پر لیٹ گیا مگر اضطراب میں اسے نیند نہ آئی۔
اس کے ہاتھ ریحانہ کو اپنی بانہوں میں لینے اور اسے بھینچنے کے لیے بے تاب تھے۔ شادی کے بعد ان چھ ماہ میں بہت کم ایسا ہوا تھا کہ جب ریحانہ اس کے سینے سے لگ کر نہ سوئی ہو۔
ایسا ان ہی راتوں میں ہوا تھا جب وہ خود شہر سے کہیں باہر گیا ہوا تھا یا پھر ریحانہ اپنے والدین کے ہاں گئی ہوئی تھی۔
......مگر آج جب کہ وہ اس کے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی وہ اس سے دور تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔
ریحانہ اس کی طرف سے بے خبر سو رہی تھی۔ ظفر کو بہت غصہ آیا اور وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا لیکن اس کے ہاتھ ریحانہ کو آغوش میں لینے کے لیے مچل رہے تھے۔
ریحانہ بہرحال اس کی بیوی تھی۔ وہ پہلی عورت تھی جو اس کی زندگی میں لذت بن کر داخل ہوئی تھی۔ ایسی لذت جس سے وہ پہلے ناآشنا تھا۔
!وہ بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگا۔ وہ ریحانہ کی



طرف جھکنے لگتا لیکن اس کا لباس دیکھ کر اسے غصہ آنے لگتا۔
دفعتاً اسے اقبال کی ہدایت یاد آئی کہ ریحانہ کی اصلاح کے لیے ممکن ہے اس نے غلط طریقہ اختیار کیا ہو۔ اس سلسلے میں پہلے عملی قدم اٹھانا چاہیے۔
وہ اٹھ کر اس کے قریب بیٹھ گیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹ پیاسے تھے اور وہ اپنی پیاس بجھانا چاہتا تھا۔
اس نے جھک کر ریحانہ کے لبوں میں اپنے لب پیوست کر دیئے۔ ریحانہ کی آنکھ کھل گئی اس نے ظفر کی گردن میں اپنے بازو ڈال کر اسے کھینچا تو وہ کیف و سرور میں ڈوب گیا۔
آپ کب آئے۔ اس نے غنودہ آواز میں پوچھا۔
دیر ہو گئی۔
مجھے جگا دیتے۔
تمہاری نیند خراب ہو جاتی۔
میں آپ کا انتظار کر کر کے سو گئی۔ کم بخت آنکھ لگ گئی۔
اوہ! ظفر نے آہستہ سے کہا۔ وہ اس کی طرف سے کتنی بدگمانی کا شکار تھا۔ ریحانہ اس کا انتظار کرتے ہوئے سوئی تھی۔
تم میرا کتنا خیال رکھتی ہو۔
آپ کا نہیں رکھوں گی تو کس کا رکھوں گی۔ ریحانہ نے والہانہ انداز سے کہا۔
ظفر کو اقبال کی ہدایات یاد آنے لگیں اس نے سوچا موقع اچھا ہے لوہا گرم ہے اور وہ چوٹ مار سکتا ہے۔
اس نے ریحانہ کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر محبت آمیز انداز میں پوچھا۔ کیا واقعی تمہیں میرا خیال ہے۔
ہاں، آپ کو یقین نہیں آ رہا ہے۔
تمہیں مجھ سے محبت ہے۔
ہاں، اتنی کہ شاید کسی اور عورت کو اپنے شوہر سے نہ ہو۔
تم میرے لیے کیا کر سکتی ہو۔
آپ کے لیے جان دے سکتی ہوں۔
!ریحانہ! ظفر نے بے حد جذباتی انداز میں کہا اسے آغوش میں لے کر بھینچ لیا۔ مجھے تمہاری جان نہیں چاہیے مگر۔
مگر کیا......!
میں تم سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں۔
حکم کیجیے۔ میں تو آپ کی کنیز ہوں۔
نہیں۔ میں پرانے وقتوں کا مرد نہیں ہوں جو عورتوں کو کنیز بنائے رکھتا تھا۔ میں عورت اور مرد کو برابر سمجھتا ہوں۔ عورت اور مرد میرے نزدیک ایک چھت کے دو ستون ہیں جنہوں نے چھت کو سنبھال رکھا ہے۔ دونوں ہی گوشت پوست کے ہوتے ہیں لہٰذا دونوں میں یکساں جذبات ہوتے ہیں۔ اس لیے دونوں کو ایک دوسرے کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔
آپ...... آپ کتنے اچھے ہیں۔ ریحانہ نے اس کے سینے کے بالوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔
میں بیوی کی حیثیت سے تمہارا خیال رکھتا ہوں۔ تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہاری تکلیفوں اور رنج کا خیال رکھتا ہوں۔ اتنا ہی تم بھی میرا خیال رکھتی ہو لیکن۔
......لیکن کیا۔ ریحانہ نے بات کاٹ کر بے تابی سے کہا۔
تم جانتی ہو زندگی گزارنے کے لیے صرف اچھے کپڑوں اور کھانوں ہی کی ضرورت نہیں ہوتی اور بھی بہت سے لوازمات ہوتے ہیں مثلاً جیسے مکان، رشتے دار وغیرہ۔ مرد کو عورت کے جسم ہی کی نہیں بلکہ اور بھی بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔
اور کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نے حیرت کا اظہار کیا۔
مختلف ماحول میں مختلف چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے غریب مزدور جب کام سے واپس آتا ہے تو اسے کھانے پینے کے علاوہ عورت کی ایک مسکراہٹ کی

ضرورت بھی ہوتی ہے۔ اس کو یہ تمنا بھی ہوتی ہے کہ بیوی اس کا جسم دبا کر اس کی ساری تھکن دور کر دے۔ بیوی وہی ہے جو مرد کی ہر ضرورت کا خیال رکھے۔

مگر آپ کو تو ماحول کے مطابق تمام چیزیں مل رہی ہیں۔ ویسے بھی آپ مزدور تو ہیں نہیں۔

...... ہاں میں ادیب ہوں اور معاشرے کی برائیوں کو اجاگر کرتا ہوں۔ پہلے زمانے کے ادیبوں کی طرح شہزادوں، جنوں اور پریوں کے قصے نہیں لکھتا ہوں۔ تم نے وہ فلم دیکھی ہے جس میں جہیز وغیرہ کا قصہ ہوتا ہے۔

ایں ہاں...... ایسی فلم دیکھی ہے جس میں برات آنے کے وقت لڑکے کے باپ نے لڑکی والوں سے بہت سا جہیز مانگا جسے لڑکی والے نہیں دے سکے نتیجہ یہ ہوا کہ برات واپس چلی گئی پھر لڑکی نے زہر کھا لیا۔

ہاں، پہلے یہ رواج عام تھا اور جہیز کے بغیر شادی نہیں ہوتی تھی۔ لڑکیاں زہر کھا لیتی تھیں یا پھر گھر سے بھاگ جاتی تھیں۔ اس میں ان کا قصور نہیں ہوتا تھا۔ جہیز کا بھی نہیں۔

...... پھر۔ ریحانہ نے حیرت سے کہا۔ اس کے لیے یہ باتیں بہت حیران کن تھیں۔

جہیز لینے والے کا۔ وہ بولا۔ اچھا ادیب وہی ہے جو ایسی کہانیاں لکھ کر لوگوں کو جگاتا رہے۔ ایسی چیزوں کے خلاف آواز اٹھاتا رہے۔ لوگوں کو بتاتا رہے کہ برائی کیا ہے۔

پھر تو آپ بہت محنت کا کام کرتے ہیں۔

ہاں۔ وہ مسکرا کر بولا۔ میں ایسا ہی ادیب ہوں جو تعمیری مقصد ذہن میں رکھ کر کہانی لکھتا ہے۔ مگر ادیب بھی انسان ہوتا ہے۔ اسے بھی سماجی رشتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور دوسروں کی طرح پیار محبت اور سکون وغیرہ۔ شادی کے بعد بیوی کا سکون مگر شوہر کو بیوی کا اور بیوی کو شوہر کا ماحول راس نہ آئے تو زندگی کتنی تلخ ہو جائے گی۔

ہاں، یہ تو ہے لیکن مجھے تو یہ ماحول اور یہ شوہر راس آ گیا ہے اریحانہ نے مسکرا کر کہا۔

اسی طرح سے ایک بیوی کو اگر خراب شوہر مل جائے آوارہ، بدمعاش اور شرابی ٹائپ کا تو اس کی زندگی تلخ ہو جائے اور اگر ایک شوہر کو پھوہڑ بیوی مل جائے تو اس کی زندگی تلخ ہو سکتی ہے۔

تو کیا میں پھوہڑ ہوں۔ ریحانہ نے تنک کر پوچھا۔ وہ اب ظفر کی طویل باتوں سے الجھنے لگی تھی۔

میری بات غور سے سنو۔ اب اگر ایک نفاست پسند شوہر کو بدمزاج بیوی مل جائے تو سوچو کہ شوہر کے دماغ پر کیا اثر پڑے گا۔ یہی کہ وہ ڈھنگ سے کوئی کام نہیں کر سکے گا۔ ہر وقت اس کے ذہن پر بیوی کا غم رہے گا۔

ٹھیک ہے، میں سمجھ گئی۔

تم ایک پیار کرنے والی بیوی ہو مگر تم میں بہت سی خامیاں ہیں۔ ویسے تمہاری شادی کسی کلرک ٹائپ آدمی سے ہوتی تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ تمہارے پاؤں دھو کر پیتا لیکن میں ادیب ہوں اور میرے احساسات بہت نازک ہیں۔ چھوٹی سی بات میرے دل پر گہرا اثر کرتی ہے۔ تمہاری بہت سی باتیں مجھے ناگوار گزرتی ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔

آپ مجھے وہ خامیاں بتایئے۔ میں انہیں دور کرنے کی کوشش کروں گی۔

مثلاً یہ کہ جب میں لکھ رہا ہوتا ہوں تو تم مجھے اچانک مخاطب کر بیٹھتی ہو۔ میری ساری کہانی یا تخلیق چکنا چور ہو جاتی ہے۔

چکنا چور۔ ریحانہ نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔ یہ لفظ اس کے پلے نہیں پڑا تھا۔

میرا مطلب ہے ٹوٹ پھوٹ جانا۔ جیسے تم روٹی پکا رہی اور توے پر روٹی ڈالتے وقت کوئی تمہیں باتوں میں لگا لے یا پھر گدگدی کرنے لگے تو روٹی کا کیا حشر ہوگا۔

روٹی جل جائے گی۔

تمہیں ہیروئن کا لباس اور اس کے رومانی مناظر اچھے لگتے ہیں لیکن انہیں لکھنے کے دوران اگر تم مجھے مخاطب کر بیٹھیں تو میں اچھی طرح سے نہیں لکھ سکوں گا اور تمہیں پڑھتے وقت مزہ نہیں آئے گا۔

ہاں، میں سمجھ گئی۔ اللہ توبہ اب میں بالکل نہیں بولوں گی۔

اس کے علاوہ ایک ایک ہفتے تک غسل نہ کرنے کی عادت بھی بری ہے۔ تمہارے کپڑوں سے پسینے کی بو آتی ہے۔ یہ بھی برا ہے۔ گھر میں کوئی اچانک آ جائے تو کیا تاثر لے گا۔ یہی کہ تم پھوہڑ ہو۔ ان کے سامنے کپڑے بدلو گی تو لوگ کہیں گے کہ ہمیں دیکھ کر کپڑے تبدیل کیے ہیں اور اگر نہیں بدلو گی تو تمہارے جسم سے بدبو آتی رہے گی۔

جی، میں سمجھ گئی۔ ریحانہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

میں ایک ہفتے سے تمہیں کپڑے تبدیل کرنے کو کہہ رہا ہوں لیکن تم یہ بات سن کر دوسرے کان سے نکال رہی ہو مگر میں نے ضبط کیا۔ اگر میں ناراض ہوتا تو تمہیں رنج ہوتا۔

میں آپ کو اب ناراض نہیں کروں گی۔

اس کے علاوہ اب تمہیں صفیہ کی باتوں پر بھی عمل کرنا ہے۔ وہ بولا۔ وہ تمہاری تربیت کریں گی، تمہیں پڑھائیں گی۔ تم تعلیم یافتہ ہو جاؤ گی تو جلد میری بات سمجھ جاؤ گی۔

میں پڑھ سکوں گی۔

ہاں، کیوں نہیں تھوڑی سی توجہ اور محنت کی ضرورت ہے۔ ریحانہ خاموش رہی تو ظفر نے اس کے رخسار پر بوسہ لے کر پوچھا۔ بولو پڑھو گی۔

جی...... آپ جو کہیں گے وہ میں کروں گی۔

میری باتوں کا تم نے برا تو نہیں مانا۔

ظفر کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس کے سر سے ایک بوجھ اتر گیا ہو۔

اس نے دوسرے روز سے ریحانہ میں واضح تبدیلی محسوس کی۔ یہ خوشگوار تبدیلی تھی۔ وہ صاف ستھرا رہنے کی کوشش کر رہی تھی اور پابندی سے غسل کر رہی تھی۔

صفیہ نے اسے پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا۔

تیسرے روز شام کو صفیہ نے ریحانہ کی غیر موجودگی میں کہا۔ ونڈرفل ظفر...... ریحانہ اپنی تعلیم میں بھرپور دلچسپی لے رہی ہے۔ وہ یہ محاورہ غلط کر دے گی کہ بوڑھے طوطے پڑھا نہیں کرتے۔ آج تو اس نے اپنا سبق اتنی جلدی یاد کیا کہ میں حیران رہ گئی۔

یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ ظفر نے مسکرا کر کہا۔ اس نے محسوس کیا کہ جیسے اس کے دل سے مسرت کا چشمہ پھوٹ رہا ہو۔ ریحانہ نے اگر کوئی کارنامہ انجام دیا تھا تو جیسے یہ اسی کا کارنامہ ہو۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی توجہ سے وہ بہت کچھ سیکھ جائے گی۔

معاملات یونہی چلنے لگے صفیہ مزید توجہ سے ریحانہ کو پڑھانے لگی۔ ریحانہ کو اپنے معمولات کے بعد بہت وقت مل جاتا تھا۔ اس لیے وہ بھی دلچسپی لے رہی تھی۔ اس کی حتی الامکان کوشش یہی تھی کہ ظفر خوش رہے اور اس کی بھرپور محبت اسے حاصل رہے۔

اس اثناء میں ظفر نے اپنا نیا ناول شروع کر دیا۔ پوری توجہ اور لگن کے ساتھ۔ اسے خوشی تھی کہ اس کی زندگی اب کامیابی سے ہمکنار ہوتی جا رہی ہے۔

ایک روز اسے سادات امروہہ کے ایک ادبی جلسے میں شریک ہونا تھا۔ جلسہ کیا تھا ایک ادبی تقریری مقابلہ تھا۔ جس کا وقت صبح ہی تھا۔ وہ تیار ہو کر چل دیا۔ ریحانہ اس وقت بستر ہی میں تھی۔ اس کی صبح دیر تک سونے کی عادت ختم ہی نہیں ہوئی تھی۔

وہ تقریری مقابلے سے دوپہر تک لوٹا۔ جب وہ صحن میں اپنی موٹر سائیکل کھڑی کر رہا تھا تو بہت خوش تھا۔ اس لیے کہ آج وہ مقابلہ جیت کر آیا تھا۔ اس نے پہلا انعام جیتا تھا۔

وہ زینے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ڈیڈی اس اثناء میں باورچی خانے سے نکل آئے اور انہوں نے اس کے

چہرے پر نظر ڈالتے ہی کہا۔ آج تو بہت خوش ہو کیا بات ہے ظفر۔

جی ہاں......!

تم خوش ہوتے ہو تو میرا دل بھی خوشیوں سے معمور ہو جاتا ہے۔ ریحانہ بھی ابسد ھرتی جا رہی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ تمہارے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کر رہی ہے۔

جی...... جی ہاں۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا اسے ابھی ریحانہ کی اس کوشش پر یقین نہیں تھا اس لیے وہ تذبذب میں مبتلا تھا۔

آج تم کسی مقابلے میں شریک ہونے گئے تھے۔

جی ہاں اور وہاں میں نے پہلا انعام جیتا ہے۔

سچ۔ ونڈر فل مائی بوائے۔ انہوں نے مسرت سے کہا پھر اس کا شانہ تھپک کر بولے۔ جاؤ اب کھانا کھالو۔ تمہاری امی بھوکی ہوں گی۔

وہ سلام کر کے اوپر چلا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ امی کا بہانہ ہے ورنہ وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ ریحانہ انتظار کر رہی ہے۔

وہ بڑے اچھے انداز میں سیٹی بجاتا ہوا اوپر گیا۔ وہ جلد از جلد ریحانہ کو یہ خوش خبری سنانا چاہتا تھا۔ جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے ریحانہ کو اپنا ایک ناول پڑھتے دیکھا۔ وہ مسہری پر اوندھی لیٹی تھی لیکن اس کے جسم پر شب خوابی کا وہی لبادہ تھا جو اس نے رات کو پہنا تھا۔

ظفر ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کا دل خون ہو گیا۔ ریحانہ نے شاید غسل بھی نہیں کیا تھا حالانکہ اس کا غسل کرنا ضروری تھا۔

آہٹ ملنے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ارے آپ آ گئے۔ اس نے مسرت سے کہا۔

ہاں، لیکن تم نے کپڑے کیوں نہیں بدلے۔ وہ صرف شکایت زبان پر لے آیا۔

آج...... آج طبیعت نہیں چاہ رہی تھی نہانے کو...... اس نے اٹھلا کر انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

ظفر کا موڈ خراب ہونے لگا مگر اس نے تھوڑی دیر بعد خود پر قابو پا لیا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ کسی کی برسوں کی عادت کو چند روز میں نہیں بدلا جا سکتا۔ ریحانہ کی اصلاح ابھی شروع ہوئی ہے۔ اس نے جہاں تک خود کو تبدیل کر لیا ہے وہی کافی ہے۔

آپ کیا سوچنے لگے۔ ریحانہ نے اس کے قریب آ کر اسے جھنجوڑا۔ آپ باتیں کرتے کرتے کھوسے جاتے ہیں۔

اسے اس بات کی فکر یا خیال نہیں تھا کہ ظفر اس کی عادت بد سے ناگواری محسوس کر رہا ہوگا اور اسے کوفت ہو رہی ہوگی۔ بہر حال اس نے ضبط کیا۔

بھوک نہیں لگ رہی ہے۔ اس نے کہا۔

ہاں، کیوں نہیں آپ کپڑے بدل لیجیے پھر نیچے چل کر کھاتے ہیں۔ امی بھی بھوکی ہوں گی۔ وہ بولی۔

اس نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کیے پھر نیچے چلا گیا۔ آج آپ کہاں گئے تھے۔ ریحانہ نے کھانے کے دوران پوچھا۔

ایک ادبی مقابلے میں...... فی البدیہہ تقریر کرنا تھی۔

فی بدی۔ ریحانہ نے حیرت سے کہا۔ یہ کیا ہوتا ہے۔

فی البدیہہ۔ ظفر نے تصحیح کی۔ اس کے دل پر ایک اور چوٹ لگی کہ ریحانہ اس کی بات نہیں سمجھ سکی۔

وہ ایک ایسے ادیب کی بیوی تھی جسے ملک گیر شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی کہ فی بدی کیا۔ کیا نورین اس سے ایسا سوال کر سکتی تھی۔ مفہوم تو ایک طرف رہا وہ لفظ تک غلط بول رہی تھی۔

اس کی جگہ نورین ہوتی تو خوشی سے دیوانی ہو جاتی۔ ظفر کے حلق میں نوالہ پھنسنے لگا۔

اس نے جلدی سے پانی پیا اور اپنی سوچ کو تبدیل کرنے لگا کہ اب ریحانہ پڑھ رہی ہے۔ ابھی نہیں تو چند ماہ بعد وہ اس کی باتوں کو سمجھنے لگے گی۔ ابھی تو وہ ابتدائی تعلیم کے مرحلے میں ہے۔



آپ نے بتایا نہیں۔ ریحانہ نے دوبارہ سوال کیا۔

امی نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا مگر پھر کسی خیال کے تحت خاموش ہو گئیں۔

وقت کے وقت تیاری کو فی البدیہہ کہتے ہیں۔ ظفر نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ جیسے کوئی شاعر فوراً ہی شعر کہہ دے۔ مجھے موضوع دیا گیا۔ میں نے فوراً ہی اس پر تقریر کر ڈالی۔ ججوں نے میری تقریر کو پسند کیا اور مجھے انعام سے دیا۔

آپ کو تقریر کے لیے کون سا موزوں دیا گیا تھا۔

موزوں نہیں...... موضوع...... عنوان...... مجھے زندگی اور ہم موضوع دیا گیا تھا۔ ظفر نے اسے صحیح کر کے بتایا۔

زندگی اور ہم...... یہ بھی کوئی موضوع ہوا۔ ریحانہ نے پھوہڑپن سے ہنستے ہوئے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ موضوع کا نہیں بلکہ ظفر کا مذاق اڑا رہی ہو۔

ظفر کے احساسات پر پھر ایک چوٹ پڑی۔ اس کا گلا رندھنے لگا۔ ایک ادیب کے لیے بھلا اس سے پیارا عنوان اور کیا ہو سکتا تھا۔ زندگی اور ہم...... کاش اس کی جگہ نورین ہوتی تو۔

...... نورین...... نورین...... نورین۔

...... اس کے تصور اور خیال نے ابھی تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

اس نے گلاس اٹھا کر پانی پیا اور اپنا حلق صاف کیا۔

یہ آپ کھانے کے دوران اتنا پانی کیوں پی رہے ہیں۔ ریحانہ نے اس کے احساسات سے بے خبر حیرت کا اظہار کیا۔

بس میں کھا چکا۔

اتنی جلدی! آپ نے تو ابھی ایک روٹی بھی ختم نہیں کی۔ آپ کو تو بہت بھوک لگ رہی تھی۔

اب نہیں لگ رہی ہے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور اٹھ گیا۔

امی نے اس کے کرب کو محسوس کر لیا مگر وہ کچھ نہیں بولیں۔

وہ اضطراب کا شکار تھا اس لیے اقبال کی طرف چلا گیا۔ صفیہ مشین پر کپڑے سی رہی تھی۔ اسے دیکھ کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ اقبال نہیں تھا۔

چائے پینے کا موڈ ہو تو بناؤں۔ اس نے پوچھا۔

ہاں۔ ظفر نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

کیا بات ہے اس وقت کچھ سنجیدہ...... بلکہ رنجیدہ سے نظر آ رہے ہو۔

ظفر نے مختصر طور پر واقعہ بیان کیا اور گہرا سانس لے کر بولا۔ آپ خود سوچیے ریحانہ کی جگہ اگر نورین ہوتی تو کیا وہ ایسا کہہ سکتی تھی۔

نہیں، اس کے احساسات مختلف ہوتے۔ صفیہ نے کہا پھر چائے بنانے باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

جب وہ تھوڑی دیر بعد واپس آئی اور اس نے دو کپ سینٹر ٹیبل پر رکھ دیے تو بولی۔ تم اس قسم کی باتوں پر زیادہ دماغ کو نہ تھکایا کرو۔

دماغ پر اثر نہیں لیا جاتا بھابی۔ اثر تو خود بہ خود ہو جاتا ہے۔

یہ تمہارا جذباتی پن ہے۔

جذبات انسان کے ہوتے ہیں۔ ادیب کے لیے جذباتی ہونا ضروری ہے۔ اگر میں حساس اور جذباتی نہ ہوتا تو میرے قلم میں اتنی روانی نہ پیدا ہوتی۔ اگر میں اپنی جذباتیت کو ختم کر دوں گا تو میرے اندر کا ادیب ختم ہو جائے گا۔

چلو ٹھیک ہے اپنے احساسات ختم نہ کرو اور اپنی جذباتی لہروں کو بھی فنا نہ کرو۔ صفیہ نے مسکرا کر کہا۔ مگر چند ماہ صبر کر لو۔ ممکن ہے آگے چل کر کوئی بہتر صورت پیدا ہو جائے۔

میں خود بھی اس کی طرف سے بے پرواہ ہونا چاہتا ہوں تاکہ اس میں تبدیلیاں پیدا ہو جائیں۔

ضرور ہوں گی۔ صفیہ نے کہا۔ ریحانہ کی حالت زنگ

آلود برتن کی سی ہے جسے چمکانے کے لیے بہرحال محنت تو کرنا ہی پڑے گی۔ محض پھونک مارنے سے اس میں چمک پیدا نہیں ہوگی۔

مگر بھابی اس میں وہ فہم و فراست پیدا نہیں ہو سکتی جو انسان میں بتدریج بلوغت کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی ہے اور پھر انسان آگے چل کر اسی کی وجہ سے منفرد ہوتا ہے اور اپنا مقام بنا لیتا ہے۔ جیسے...... تم دیکھ لو۔

وہ تمام اس کی زبان سے خود بخود پھسل پڑا تھا۔

تمہیں فہم و فراست سے کیا لینا۔ کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ وہ تمہارے معیار کی ہو جائے گی اور تمہاری ہر بات سمجھنے لگے گی۔

فہم و فراست اور ذہنی ہم آہنگی بھی ضروری ہے۔ ظفر نے کہا پھر توقف سے بولا۔ آپ اسے پڑھا رہی ہیں نا۔

تمہارے سامنے کی بات ہے۔

کیا پروگریس ہے۔

ابھی تو ایک ہفتہ ہوا ہے پروگریس کیا بتاؤں۔

ایک آدھ سبق تو آپ نے پڑھا دیا ہوگا۔

پانچ پڑھا دیے ہیں۔

ٹھیک ہے، اب آپ اس سے کہیے کہ وہ پچھلے سبق دہرائے۔ ظفر نے کہا۔ یہ ایک طریقے سے اس کا امتحان ہوگا۔

ٹھیک ہے صفیہ نے کہا۔

وہ چائے پی کر گھر چلا آیا۔

ریحانہ اس وقت نہا چکی تھی۔ اپنے گیلے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ اس نے کپڑے بھی تبدیل کر لیے تھے۔

کھانے کے بعد آپ کہاں چلے گئے تھے۔

ظفر خاموش رہا۔

آپ شاید مجھ سے ناراض ہیں۔ ریحانہ نے نزدیک آ کر اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

ظفر خاموش رہا۔ وہ اس سے نظریں بھی نہیں ملا رہا تھا۔

آپ کی خاموشی اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ اس نے کہا۔ آپ خاموش کیوں ہیں۔ مجھ پر اپنا غصہ اتار لیجیے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

ظفر نے بے قراری سے اسے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

ریحانہ رونے لگی۔ اس کے رخساروں پر آنسو پھسلنے لگے۔

آپ مجھ سے ناراض کیوں ہیں۔ اس نے معصومیت سے پوچھا۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں مگر آپ کی ناراضگی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔

اس کی باتوں میں معلوم نہیں کیا سحر تھا کہ ظفر اپنی ناراضگی بھول گیا پھر اسے خود پر غصہ آنے لگا کہ اس نے اپنا موڈ کیوں خراب کر لیا۔

اس میں ریحانہ کا کیا قصور ہے۔

اگر وہ جاہل ہے تو اس کے والدین کا قصور ہے اور اسے اس کی امی نے منتخب کیا ہے۔ وہ تو شادی کے بعد اس کی پرستش کر رہی ہے اور اس کی مرضی کے مطابق اپنے میں تبدیلیاں پیدا کر رہی ہے۔ یہ محسوس کر کے کہ وہ ناراض ہے اس نے فوراً غسل کر لیا تھا۔

ممکن ہے اس میں تبدیلیاں پیدا ہو جائیں اور وہ نورین کا نعم البدل بن جائے۔

وقت دبے پاؤں گزرتا رہا۔ اس اثنا میں نورین کی ممی کا شکایتی خط آیا کہ ان کے ہاں سے کسی نے شادی میں شرکت نہیں کی ہے اور نہ ہی مبارک باد کا خط لکھا ہے۔

وہ خط ڈیڈی نے اسے سنایا مگر ظفر نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ چونکہ نیا ناول لکھ رہا تھا اس لیے کوئی اثر قبول نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔

شام کو وہ اپنے دوست کی سالگرہ سے واپس آ رہا تھا کہ یونہی ایک بکسٹال پر رک گیا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ انگریزی اور اردو کے کون کون سے نئے ناول آئے ہوئے ہیں۔

ورق گردانی کرنے پر اسے ایک انگریزی رسالہ بہت



پسند آیا۔ کسی ماہر فوٹوگرافر نے ایک دیہاتی لڑکی کو ماڈل بنا کر اس کے بہت سے فوٹو کھینچے تھے۔

وہ رسالہ خرید کر گھر آ گیا اور رسالہ اس نے سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔ ریحانہ سے بات کرنا اس نے مناسب نہیں سمجھا تھا اس لیے وہ حسب معمول تین روز پرانے اور غلیظ کپڑوں میں ملبوس تھی۔ ظفر خاموش خاموش سا تھا مگر ریحانہ اس کا کوئی نوٹس نہیں لے رہی تھی۔

وہ خاموشی سے دیکھنا چاہتا تھا کہ ریحانہ اس کے رد عمل کا کب نوٹس لیتی ہے۔

اس نے کپڑے تبدیل کر کے سگریٹ سلگایا اور پھر اس میگزین کی ورق گردانی کرنے لگا۔ وہ انہی چھ تصویروں پر آ کر رک گیا اور انہیں غور سے دیکھنے لگا۔

واہ کیا بات ہے۔ اس نے بے ساختہ کہا۔

کس میں کیا بات ہے۔ ریحانہ نے چونک کر کہا اور اس کے قریب آ گئی۔

میں اس تصویر کی بات کر رہا ہوں۔ اس نے مشہور فلم ایکٹریس کی تصویر دکھائی جس نے پھٹا پرانا لباس پہن کر خود کو ماڈل کے طور پر پیش کیا تھا۔

اس میں کیا بات ہے۔ ریحانہ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ اپنی گردن اس طرح سے ٹیڑھی کیے بیٹھی ہے جیسے گردن اتر گئی ہے اور آنکھیں...... آنکھیں یوں ترچھی کر رکھی ہیں جیسے بھنگ دماغ پر چڑھ گئی ہو۔

ظفر کا دماغ کھولنے لگا۔ اس نے پھنکارتے ہوئے کہا۔ تم جاہل ہو، اس آرٹ کو کیا سمجھو گی۔

ریحانہ دوسری طرف دیکھنے لگی جیسے اس ریمارک کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا ہو۔ ظفر کا غصہ بڑھ گیا۔ وہ جیسے پھٹ پڑا۔ اس نے کہا۔ تم ابھی تک وہی کپڑے لادے گھوم رہی ہو۔

تو کیا ہوا۔ اس نے بے اعتنائی سے کہا۔ ابھی میلے کہاں ہوئے ہیں۔

مگر یہ کپڑے رات کو پہننے والے ہیں۔

کپڑوں پر رات اور دن تھوڑا ہی لکھا ہوتا ہے چاہے رات کو پہنو یا دن کو۔

مگر میں نے بھی تو تمہیں کوئی بات سمجھائی تھی۔ ظفر غرایا۔ میں شاید سمجھاتے سمجھاتے مر جاؤں گا لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اگر تمہاری شادی کسی گنوار دیہاتی سے ہوتی اور تم ایک ہی لباس مہینے بھر تک پہنے رہتیں تو کہنے والا کوئی نہ ہوتا۔

ریحانہ پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ جیسے اس موضوع کو کوئی اہمیت نہ دینا چاہتی ہو۔ ظفر کا غصہ بڑھ گیا مگر وہ اس کا اظہار کر کے وہاں کوئی ہلچل نہیں مچانا چاہتا تھا۔ اس لیے نیچے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد صفیہ آ گئی۔

اور ریحانہ پڑھنے بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ میں چوتھی جماعت کی وہ کتاب تھی جسے بچے پڑھتے تھے۔ الف سے انار۔ ب سے بلی۔ م سے مور...... آگے گائے کی دوڑ اور کچھوے کی کہانیاں تھیں۔

اس کے دل پہ گھونسا لگا۔ وہ ایم اے لٹریچر تھا اور اس کی بیوی ایسی کتاب پڑھ رہی تھی۔

یہ کیسی ستم ظریفی تھی۔ کیا دنیا میں ایسا کوئی مرد نہیں تھا جو ریحانہ کا بوجھ سنبھال لیتا۔ کیا اس کے لیے اسے ہی قربانی کا بکرا بنایا گیا تھا؟

اس شام جب وہ اپنا ناول لکھنے بیٹھا تو کردار اس سے دور بھاگنے لگے۔ وہ دو چار سطریں لکھتا تھا اور کاٹ دیتا تھا۔ جب وہ زیادہ الجھنے لگا تو اس نے قلم اور کاغذ ایک طرف رکھا اور گھر سے نکل آیا۔

یونہی آوارہ گردی کرنے کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس کا دل و دماغ تازہ ہونے کے بجائے بوجھل سا تھا وہ کھانا کھائے بغیر خواب گاہ میں چلا گیا۔

مسہری پر لیٹنے کے بعد اس نے سگریٹ سلگالی پھر وہ ریحانہ کو دیکھنے لگا جو بے سدھ پڑی سو رہی تھی۔ اس کا دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگا مگر اس نے ضبط کیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے ذہن میں ایک جنگ سی ہونے

لگی۔ وہ اس کی طرف سے کروٹ لیے لیٹا تھا کہ اس نے اپنے شانے پر ریحانہ کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا۔ وہ اسے اپنی طرف پلٹنا چاہتی تھی مگر وہ مضبوطی سے رکا رہا۔

سنئے! ریحانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں اسے پکارا مگر ظفر نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

ریحانہ نے ہار نہیں مانی اور اس کا بازو کھینچنے لگی۔ میری طرف تو دیکھیے۔

میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔

آپ کو میری قسم۔ ریحانہ نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔ ظفر کا دل ڈانواں ڈول ہونے لگا۔ اسے خود پر قابو پانے میں جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی۔ ریحانہ اس کے کاندھے سے سر ٹیک کر سسکیاں لے رہی تھی۔

ظفر کے بازو مچل رہے تھے لیکن دل میں غصہ بھرا ہوا تھا۔ ریحانہ بدستور روتی رہی بالآخر ظفر نے اسے دھکیل دیا۔ الگ ہٹو۔ میں کیا مر گیا ہوں جو یوں آنسو بہا رہی ہو۔

آپ میری بات تو سن لیجیے۔ اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

ارے کیا ہے۔ کیوں جان کھا رہی ہو۔ تم نے تو زندگی اجیرن کر کے رکھ دی ہے۔ مجھے جیتے جی مار ڈالا ہے۔ مجھے موت کیوں نہیں آجاتی۔ معلوم نہیں، میں کیسے زندہ ہوں۔ وہ غصیلے لہجے میں بول رہا تھا اور ریحانہ آنسو بہا رہی تھی۔

میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ آپ روٹھنے لگتے ہیں تو میری زندگی تاریک ہو جاتی ہے۔ مجھے چین نہیں آتا۔

جب ہی تم اطمینان سے سو رہی تھیں۔

تھوڑی دیر پہلے آنکھ لگ گئی تھی۔ وہ آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔

میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ تمہیں میری کتنی فکر ہے۔

میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔

اب یہ مکالمے مجھے متاثر نہیں کر سکتے۔ ظفر نے رکھائی سے کہا۔

محبت اسے کہتے ہیں۔ ظفر نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔ تمہیں میرا ذرا سا بھی خیال نہیں۔

میں کوشش تو کرتی ہوں۔ وہ ہچکیاں لیتی ہوئی بولی۔ مگر کبھی کبھی بھول جاتی ہوں۔

جب میرا خیال رہے گا تو میری باتوں کا بھی خیال رہے گا۔ مگر تم نے تو گھر کو جہنم بنا رکھا ہے۔

روتے روتے وہ بے سدھ ہونے لگی پھر اس پر دورہ سا پڑ گیا اور حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔

تب......!

اب ظفر کا دل پسیجنے لگا۔ اس نے مڑ کر ریحانہ کو دیکھا پھر اسے گلے لگا لیا۔ وہ بے اختیار اس کی آنکھوں کو چومنے لگا پھر اس کے آنسوؤں کو اپنے لبوں میں جذب کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اور اس کی ہچکیاں سن کر اسے ریحانہ کے درد کا احساس ہوا۔ اس نے ریحانہ کے ہونٹوں اور پھر آنکھوں کو چوم لیا۔

ریحانہ بھی اس سے لپٹ گئی۔ اس کے سینے میں جذب ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ اس وقت ظفر کو خیال آیا کہ وہ اس پر کتنا ظلم کرتا ہے۔ اس معصوم عورت پر...... جو کہ اس کی بیوی ہے جو اس کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ کر آئی ہے۔

اب اگر اسے اس زندگی میں شوہر کا پیار اور اس کی توجہ بھی نہیں ملی تو اس کی زندگی میں کیا رہ جائے گا۔

رات یونہی سسکیوں اور آہوں میں گزرتی رہی۔ اس میں اب ظفر کی سسکیاں بھی شامل تھیں۔

اس کے بعد ظفر کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔

وہ ریحانہ کو تو اپنے مطلب کا نہ بنا سکا اور اپنے سانچے میں ڈھالنے میں ناکام رہا۔ اب وہ خود کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔



اسے معلوم تھا کہ انسان چڑھتا مشکل سے ہے مگر اسے گرتے دیر نہیں لگتی۔ بگاڑ پیدا کرنے کے لیے بھلا محنت کی ضرورت کہاں پڑتی ہے۔

ریحانہ کو بس اتنی فکر تھی کہ ظفر اس سے اچھا سلوک کرے اور اس سے ناراض نہ ہو۔ وہ جیسی تھی ویسی ہی رہی۔ اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو سکی۔

صفیہ نے حتی الوسع کوشش کر لی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔

ریحانہ ذہین اور سمجھدار تھی مگر اپنی فطرت کو تبدیل نہ کر پائی۔ ظفر کی نصیحتیں اور ہدایتیں سن کر وہ اس پر عمل کرتی مگر پھر سب کچھ اس کے ذہن سے نکل جاتا اور وہ بھول جاتی۔

ظفر چند روز برداشت کرتا پھر اس کی زبان چلنے لگتی۔ ریحانہ روتی اور اس کے قدموں سے لپٹ جاتی۔ وہ اس انداز میں روتی پیٹتی کہ ظفر کا دل پسیج جاتا۔

زندگی کی گاڑی ایسے بے ڈھب انداز میں چل رہی تھی۔

اسی اثنا میں صفیہ نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ اس کا خیال تھا کہ ریحانہ کو پڑھایا نہیں جا سکتا۔ اس کا کہنا تھا کہ ریحانہ کی ذہانت میں کوئی کمال نہیں ہے۔ وہ اپنا سبق یاد کر لیتی ہے مگر اپنی فطرت سے مجبور ہو کر اسے بھلا دیتی ہے۔ اس کے پختہ ذہن میں جو باتیں اور غلط روشیں بسی ہوئی تھیں اسے کھود کر نکالنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

اظفر میں بتدریج بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ شاید اسے اپنی ذات سے دلچسپی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اب وہ کئی روز تک شیو نہیں بناتا تھا حالانکہ شادی سے پہلے وہ باقاعدگی سے شیو کرتا اور کپڑے تبدیل کرتا تھا۔ اب یہ حالت تھی کہ کپڑے تبدیل کرنا تو درکنار وہ الجھے ہوئے بالوں کو بھی نہ سنوارتا۔

ان دنوں وہ گھر میں بند ہو کر رہ گیا تھا حالانکہ اس سے پہلے وہ تقریباً ہر شام کو اقبال کے ساتھ سیر کو نکل جایا کرتا تھا۔

گھر میں بند ہونے سے اس کی تحریری کارکردگی نہیں بڑھی تھی ذہنی انتشار میں البتہ اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ سوچتا زیادہ تھا اور لکھتا کم۔ ذہن اور قلم میں کوئی ربط نہیں رہا تھا۔

انتشار ہونے کی وجہ سے یہ ہوا تھا کہ اب وہ ریحانہ سے لڑنے جھگڑنے بھی لگا تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر الجھتا اور اسے برا بھلا کہتا۔ ریحانہ خاموشی سے سب کچھ سنتی رہتی پھر رات کو اس کے پاؤں سے لپٹ جاتی اور اپنی خطائیں معاف کرا لیتی۔

......اسی انتشار اور لڑائی جھگڑے کی بناء پر اس کی شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی اور گفتگو میں چڑچڑاپن پیدا ہو گیا۔ وہ جب بھی بات کرتا الجھ کر کرتا۔ اس کے لہجے کی شائستگی ختم ہو کر رہ گئی تھی۔

اسی اثنا میں اس کے تین ناول شائع ہوئے اور قارئین کے مطالعے کی زینت بنے مگر تبصرہ نگاروں اور پھر اس کے قارئین نے اس کی جو دھجیاں بکھیریں اس سے ظفر کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔

انہوں نے اسے تیسرے درجے کا مصنف قرار دیا اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کی تحریروں میں پہلے کا سا رچاؤ اور خوشبو باقی نہیں رہی ہے۔ وہ روانی اور سلاست نہیں رہی جس کی وجہ سے وہ عام لوگوں میں مقبول تھا۔

ظفر ان تبصروں سے ذرا نہ گھبرایا اس نے گھبرانا چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے کہ اب وہ ایسی راہوں کا مسافر تھا جو منزل پر پہنچنے سے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

وقت جنھیں روندتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔

اس روز وہ مسہری پر لیٹا اخبار دیکھ رہا تھا اس کا شیو کئی روز سے بڑھا ہوا تھا اور جسم پر ملگجے سے کپڑے تھے۔ جسم سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔

اس نے ریحانہ کو چائے بنانے کے لیے کہا حالانکہ وہ منہ ہاتھ دھوئے بغیر چائے کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔

ریحانہ اس کے لیے چائے لینے چلی گئی۔ اب وہ گھر

کے کام کاج میں امی کا ہاتھ بھی بٹانے لگی تھی۔

اس نے لیٹے لیٹے کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ کمرہ کباڑ خانے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کی کتابیں بکھری ہوئی تھیں اور رسائل ردی کی طرح سے الماری اور شیلفوں سے جھانک رہے تھے جن پر گرد جمی ہوئی تھی۔

پہلے وہ بلا وقت جس کتاب کی ضرورت ہو ریک سے نکال لیا کرتا تھا مگر اب اسے تلاش کرنا پڑتا تھا۔ پہلے وہ میز پر بیٹھ کر لکھا کرتا تھا اور اس کی باقاعدہ نشست تھی لیکن اب وہ بستر پر اوندھا لیٹ کر پیڈ پر لکھتا تھا جس سے اس کے بائیں بازو اور دل پر بوجھ پڑتا تھا لیکن اس کی اسے پرواہ نہیں تھی۔

.......ریحانہ نے چائے کی پیالی اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ آپ کا شیو بڑھ گیا ہے۔ اسے بنا لیجئے۔ کیا داڑھی رکھنے کا ارادہ ہے۔

ہوگا۔ کیا کرنا ہے بنا کے۔ اس نے بیزاری سے کہا۔ وہ پیالی اٹھا کر چسکیاں لینے لگا۔

اب تو آپ نے بال بنانا بھی چھوڑ دیے ہیں۔ اچھا نہیں لگتا۔

اور کیا اچھا لگتا ہے۔ ظفر نے ناگواری سے کہا۔ یہ کمرہ اچھا لگتا ہے۔ اس کی سجاوٹ، تمہارا جسم، تمہاری قربت، تمہارا لباس، کیا چیز اچھی ہے۔

آپ تو چڑچڑے اور بدمزاج ہو گئے ہیں۔ معلوم نہیں کیوں آپ نے زندگی میں دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے۔

زندگی کی جن چیزوں سے میرا تعلق ہے جب وہی اچھی نہیں لگتی ہیں تو پھر مجھے خود پر توجہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔

ریحانہ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا شاید اس نے بھی صبر کر لیا تھا۔ وہ تو مکمل طور پر ایک گھریلو اور مشرقی عورت تھی۔ اس سے جو کچھ اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ہو رہا تھا، وہ کر رہی تھی۔

چائے کی پیالی ختم ہو گئی تو ریحانہ خالی پیالی لے کر چلی گئی۔ ظفر نے سگریٹ سلگا لیا۔ تھوڑی دیر بعد امی کمرے میں آئیں۔ انہوں نے چار خطوط اس کی طرف بڑھا دیئے۔ پھر محبت آمیز انداز میں اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے بیٹے۔ اپنی زندگی کے ساتھ کوئی ایسا سلوک تھوڑا ہی کرتا ہے۔

ظفر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کہنے کے لیے اس کے پاس بچا ہی کیا تھا۔

خط پڑھ کر نیچے آ جانا۔ تمہارے ڈیڈی بلا رہے ہیں۔

ظفر نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ امی چلی گئیں تو اس نے پہلا خط اٹھایا۔ لفافہ چاک کیا تو اس کے ایک دیرینہ اور محبت کرنے والے قاری کا خط برآمد ہوا۔ اس نے دعا سلام کے بعد لکھا تھا کہ اس نے ظفر کے نام سے لکھا ہوا تازہ ناول اسے وحشت دل پڑھا۔

ناول اسے قطعی اچھا نہیں لگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس کی شہرت سے فائدہ اٹھا کر اس کے نام سے غلط ناول شائع کرا دیا ہے۔ اس کا پبلشر تو جعلی نہیں ہے اس لیے کہ اس سے پہلے بھی وہ اس کے بہت سے اچھے ناول شائع کر چکا ہے۔

ظفر نے وہ خط ایک طرف اچھال دیا۔

دوسرا خط ایک پبلشر کا تھا جس نے لکھا تھا کہ وہ اس کے تازہ مسودے کا اتنا معاوضہ نہیں دے سکے گا جو کہ اس نے طلب کیا ہے۔ اس لئے کہ اس کی ساکھ گر چکی ہے اور تین ناولوں کی لگاتار ناکامی کے بعد وہ تیسرے درجے کے گھٹیا ناول نگاروں میں شمار ہونے لگا ہے۔

ظفر نے اسے بھی ایک طرف ڈال دیا۔

تیسرا خط سیکریٹری انجمن ادبا وطن کا تھا۔ اس نے انجمن کا دعوت نامہ بھیجتے ہوئے لکھا تھا کہ متعدد خطوط لکھنے کے باوجود وہ جواب سے محروم رہا ہے۔ ظفر دنیائے ادب کا ایک چمکتا ستارہ تھا مگر اب اسے گہن لگ گیا ہے...... وجہ وہ جانتا ہے، سبب اسے معلوم ہے۔

اس نے درخواست کی تھی کہ وہ انجمن کے جلسے میں



ضرور شریک ہو۔ ممکن ہے اس کے ذہن پر چڑھی ہوئی گرد صاف ہو جائے۔ ادب کو ابھی اس کی ضرورت ہے۔

ظفر نے اپنی ڈائری اٹھا کر انجمن کے جلسے کی تاریخ درج کر لی۔ وہ اس میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتا تھا۔

چوتھا خط خوشبوؤں میں بسا ہوا تھا۔ ظفر کا دل زور سے دھڑکنے لگا اور ہاتھ کانپنے لگے۔ اس لیے کہ وہ اس مخصوص خوشبو اور اسے استعمال کرنے والے سے واقف تھا۔ خطوں پر نی روز کی مخصوص خوشبو نورین استعمال کیا کرتی تھی۔

.....نورین جو کبھی جان ظفر تھی۔ اس کی شخصیت کا عکس اس کا ایک سہانا خواب...... ایک ایسا خواب جس کی تعبیر اسے نہیں مل سکی تھی۔

اس نے خط کھولا تو اس کی پیشانی پر مشہور شعر درج نظر آیا۔

کبھی ہم بھی تم سے تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔
کبھی ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

ظفر میں نورین ہوں۔

......تم نے خود کو فراموش کر دیا ہے اس لیے ممکن ہے یہ یاد نہ آ سکے کہ میں کون ہوں اس لیے میں نے اپنا تعارف کرانا مناسب سمجھا۔

تم مجھے بھول گئے ہو گے یا بھلانے کی کوشش کر رہے ہو گے مگر میں تمہیں نہیں بھلا سکی ہوں حالانکہ میں اب ایک شادی شدہ عورت ہوں اور میرا ایک شوہر ہے اور مجھے ایسی باتیں نہیں لکھنا چاہئیں لیکن میں لکھ رہی ہوں۔

اپنا احوال...... روزنامچہ زندگی۔

میں کس حال میں ہوں۔ اس کا تھوڑا سا احوال لکھ رہی ہوں کہ ہم ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ میرے شوہر سپرنٹنڈنٹ ہیں اور ہر وقت دو اور دو چار کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ انسانی جذبات کیا ہوتے ہیں اور ان کا خیال کیسے رکھا جاتا ہے۔ یہ انہیں معلوم نہیں۔ انہیں اس کی فکر رہتی ہے کہ کسی کی جیب جھٹک کر رقم کیسی گرائی جاتی ہے۔

ادب میں پہلے بھی میرا کوئی بلند مقام نہیں تھا اور میں کسی شمار و قطار میں نہیں تھی۔ بس تمہارے بڑھاوا دینے سے کچھ لکھنے لگی تھی مگر اب تو قلم کاغذ ہاتھ میں لینے کو دل نہیں چاہتا۔ افسانہ کیسے لکھا جاتا ہے اس کی سدھ بدھ نہیں رہی ہے کیونکہ صاحب کا خیال ہے کہ یہ فضول سی باتیں ہیں لوگوں کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ وہ جو خیالوں کی دنیا میں رہتے ہیں وہی افسانے لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ زندگی حقیقت میں کچھ اور ہے۔

!...... اگر میں ان باتوں پر توجہ دیتی ہوں اور کچھ لکھنے کے لیے قلم اٹھاتی ہوں تو وہ حوصلہ شکنی کرتے ہیں یا پھر اس وقت سیر و تفریح کا کوئی پروگرام بنا لیتے ہیں۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ تفریح اور سیر میری کمزوری ہے۔ میں قلم و کاغذ ایک طرف رکھ دیتی ہوں اور ان کے ساتھ گھومنے چلی جاتی ہوں۔

زندگی جو رنگینی میں ڈوبی ہوئی ہے اور جس کا صرف ایک پہلو...... روشن پہلو میرے سامنے ہے۔ اپنی تابناکیوں سمیت میری آنکھوں میں سمائی ہوئی ہے۔

ادب اب پیچھے...... بلکہ بہت پیچھے رہ گیا ہے۔

کچھ پڑھنے کی کوشش کرتی ہوں تو لفظ آنکھوں میں ناچنے لگتے اور خیال بھاگنے لگتا ہے۔ ٹیلی ویژن کے رنگین ڈرامے اور سلسلے وار کھیل اچھے لگنے لگے ہیں۔

زندگی کا بنیادی مقصد کیا ہے۔ شاید میرے نزدیک چمکتی دمکتی کاریں، لباس فاخرہ اور اونچے ہوٹلوں میں کھانا کھانا ہے۔

!یہ سب کیسے ہوا۔

میں...... اور تم غلط وقت میں غلط حالات کا شکار ہو چکے ہیں۔ مجھ میں رفتہ رفتہ ایک میٹھا زہر سرایت کرتا جا رہا ہے۔ جس کی حلاوت اور مٹھاس میرے دل و دماغ پر پردے ڈال رہی ہے۔ میری آنکھوں میں رنگ ہی رنگ ہیں اور مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔

تمہارا معاملہ مختلف ہے۔

زندگی تمہارے لیے تلخ ہے۔ اس کی تلخی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ رنگینیاں تو پہلے ہی کم تھیں اب قلم و کاغذ کا رشتہ بھی چھوٹتا جارہا ہے۔

میں جانتی ہوں کہ تم اب بھی لکھ رہے ہو..... مگر دل برداشتہ اس طرح کہ خود تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تم کیا لکھ رہے ہو کس کے لیے لکھ رہے ہو۔

ادب برائے زندگی اور ادب برائے ادب..... دونوں ہی سے تمہارا رشتہ منقطع ہو چکا ہے۔

اے میرے ہمراہی۔

مجھے اپنی کوئی فکر نہیں ہے۔ میں تو ادب کے بغیر بھی زندہ رہ لوں گی۔ ادب نہ سہی، تماشہ سہی..... زندگی نہ سہی ،رنگ اور خوشبو سہی۔

مگر ادب سے تمہارا تعلق ختم نہیں ہونا چاہیے۔ تم جن راہوں پر چل پڑے ہو ان سے تمہیں واپس آنا ہے۔ تم نے جو کچھ کھو دیا ہے اسے پھر سے حاصل کرلو۔

تمہاری..... نورین۔

ظفر نے نورین کا خط لفافے میں بند کر کے اپنی جیب میں رکھا تو اسے کمرہ گھومتا اور تمام چیزیں گردش کرتی معلوم ہوئیں۔ اس نے جو کچھ پڑھا تھا وہ آنکھوں کے راستے دل میں سرایت کر گیا تھا۔

نورین نے اسے یاد دلا دیا تھا کہ وہ کس مقام پر کھڑا ہے۔ حالات کا وہ دونوں شکار تھے مگر اس کا انجام تباہی تھا۔ نورین اگر ادب سے کٹ جاتی اور اس کا رشتہ منقطع ہوجاتا تو اس کا کچھ نہ بگڑتا۔ وہ اپنے اطراف میں بکھرے ہوئے رنگوں کے سہارے زندگی گزار لیتی۔

لیکن وہ کیا کرے گا۔

کہاں جائے گا۔

اس نے جو راہیں منتخب کر لی تھیں وہ تو پستی، تنزلی اور فنا کی طرف جاتی تھیں۔

نورین کو اس کی وجہ بھی معلوم تھی۔ اگر وہ اس کی زندگی میں رچی بسی رہتی تو وہ اس نوبت کو نہ پہنچتا۔ اپنے معیار سے نہ گرتا اور اپنی ڈگر سے نہ ہٹتا۔

خالو آپ کو بلا رہے ہیں۔ اچانک ریحانہ نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

وہ چونک گیا اور اپنے خیالات کی دنیا سے نکل آیا۔ اس نے اٹھ کر شیو کیا، کپڑے بدلے اور کنگھا کر کے نیچے چلا گیا۔

ڈیڈی اپنے بستر پر لیٹے تھے اور کمزور و بیمار نظر آرہے تھے۔ ان کے چہرے پر پھیلی ہوئی جھریاں کچھ اور گہری ہوگئی تھیں۔

آپ نے مجھے بلایا ہے ڈیڈی۔

ہاں۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔ میں نے آج تمہیں ایک اہم بات کہنے کے لیے بلایا ہے۔ میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ تم ہی مدعی ہو اور تم ہی منصف۔ تم جو فیصلہ کرو گے وہ مجھے منظور ہوگا۔

میں سمجھا نہیں۔ ظفر نے کہا۔

تم اچھی طرح سے سمجھتے ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ وہ بولے۔ ایک وقتی جذبے اور ایک جذباتی تلاطم نے تمہاری شخصیت کو تقریباً مٹا دیا ہے..... بلکہ میری شخصیت کو بھی کیونکہ میں اور تم الگ الگ شخص نہیں ہیں۔ ممکن ہے تم اس بات کو ابھی نہ سمجھ سکو مگر جب تم صاحب اولاد ہوجاؤ گے تو سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔ میں نے تمہارا عروج دیکھا ہے، تمہارے چہرے سے زندگی چھلکتی دیکھی ہے۔ حرارت دیکھی ہے۔ ولولہ دیکھا ہے۔ جوش اور توانائی دیکھی ہے۔ تم کیا جانو کہ تمہیں اس حال میں دیکھ کر مجھ پر کیا گزرتی ہے۔

ڈیڈی..... وہ..... وہ..... اس نے کچھ کہنا چاہا مگر لفظوں نے ساتھ نہیں دیا۔

میں اس کی وجہ بھی جانتا ہوں۔ تمہاری امی کا غلط فیصلہ ..... غلط انتخاب ..... نامناسب جوڑ ..... ہم سے ایک بھول ہوگئی ہے مگر اس بھول پر میں اپنا خاندان تو تباہ نہیں کرسکتا۔ تمہاری امی بھی اس بھول کو سدھارنے کے لیے تیار ہیں اور اب ہم تمہارے فیصلے کے منتظر ہیں۔

ڈیڈی اظفر نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ وہ ان کے سامنے کبھی جذباتی نہیں ہوا تھا مگر اس وقت اسے خود پر قابو نہیں رہا تھا۔

ہاں بیٹے، یہ سچ ہے۔ امی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ میں اپنی بھول کی تلافی کرنے کو تیار ہوں۔

ظفر نے پلٹ کر دیکھا۔ ان کی آنکھوں سے ایک نیا عزم ٹپک رہا تھا۔ جیسے وہ بہت کچھ کرنے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔

شاید یہ میری ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے ہوا ہے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔ اگر میں ایسی حرکت نہ کرتی تو تم زندگی سے منہ نہ موڑتے۔ میں نے ایک ہیرے کو ٹھکرا کر پتھر کو اپنا لیا۔

امی..... امی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔

میں سچ کہہ رہی ہوں۔

یہ ہماری آخری خواہش ہے۔ ڈیڈی نے آہستہ سے کہا۔ تم اس پر عمل کر کے ہم سکون پہنچا سکتے ہو۔

ظفر کے جسم میں سناٹا چھا گیا۔ ایسی باتوں کا وہ کیا جواب دے سکتا تھا۔ وہ ایک ایسی الجھن میں گرفتار ہوگیا تھا جس سے سردست نہیں نکل سکتا تھا۔

انجمن کا دعوت نامہ کس تاریخ کا ہے۔ ڈیڈی نے اچانک دوسری بات پوچھی۔

کل ہی جانا ہے۔

پروگرام غالباً پانچ روز کا ہوگا۔ تم اس میں شرکت کرو۔ کچھ روز اور وہاں رہو۔ جب تم کوئی حتمی فیصلہ کر لینا تو ہمیں خط کے ذریعے سے آگاہ کر دینا ہم اس کے متعلق فیصلہ کر دیں گے۔ تمہاری خوشیوں کے لیے ہمیں سب کچھ منظور ہے۔

مجھے شام تک سوچنے دیجیے۔

شام کیا میں تمہیں دس بارہ روز کی مہلت دے رہا ہوں۔ اچھی طرح سے سوچ کر فیصلہ کرنا۔ انہوں نے کہا۔

جی..... جی..... اچھا! وہ کہہ کر اٹھ آیا مگر اس کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ وہ قدم رکھتا کہیں تھا تو پڑتا کہیں تھا۔ وہ جن گردابوں میں پھنسا ہوا تھا اس میں اضافہ ہوگیا تھا۔ زندگی کا کرب کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

اب وہ ایک دوراہے پر کھڑا تھا۔

جس میں سے ایک راستہ تو گھوم کر وہیں آجاتا جس پر کہ وہ اس وقت کھڑا تھا اور دوسرا..... دوسرے کا پتہ نہیں تھا۔ ریحانہ کا دامن چھوڑ کر وہ کسی کو اپناتا تو صورت حال مختلف ہوسکتی تھی اور اس کے برعکس بھی۔ وہ مزید کسی عذاب سے بھی دوچار ہوسکتا تھا۔

مگر اب فیصلہ کرنے کا وقت آگیا تھا اور اسے دانشمندی سے صحیح قدم اٹھانا تھا..... دیکھ بھال کر..... ہر پہلو پر غور کر کے۔ ہاں ریحانہ کو اس کی زندگی سے نکل ہی جانا چاہیے۔

..... اس نے زندگی میں تلخیاں گھول دی تھیں۔

وہ ان پڑھ تھی۔

ادب کے معنوں سے ناواقف۔

ایک بوجھ گراں، مستقبل کی راہ میں رکاوٹ، ایک پتھر بے حسی کا مرقع۔ اس کا سب سے بڑا دکھ۔

اگر وہ اس کی زندگی سے نکل جائے تو وہ اپنی تعمیر دوبارہ کرسکتا ہے۔ اس کی خوشیاں لوٹ سکتی ہیں۔

نورین نہ سہی..... کوئی اور سہی۔ ایسی بہت سی پڑھی لکھی لڑکیاں مل جائیں گی جو ذہنی ہم آہنگی فراہم کرسکیں اور اس کی فکر کو صحیح راہ پر گامزن کرسکیں گی۔

ایسا ہی ہونا چاہیے۔

یہی بہتر ہے۔

اسی میں سب کی بھلائی ہے۔

اس نے شام کو ریحانہ کو بتا دیا کہ وہ انجمن کے سالانہ جلسے میں شریک ہونے کے لیے حیدرآباد جارہا ہے۔ اس نے اپنا پروگرام بتا دیا مگر یہ نہ کہہ سکا کہ شاید یہ ان کی آخری ملاقات ہو۔ وہ اب ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں اور

اب ان کی راہیں مختلف ہو رہی ہیں۔

اس نے اجلاس میں جانے کے لیے خاص تیاری کی۔ غسل کر کے اپنا سب سے بہترین سوٹ پہنا اور دو جوڑے کپڑے اور بیگ میں رکھ لیے۔ جب وہ بال سنوار رہا تھا تو ریحانہ پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔

آج تو آپ بہت غضب ڈھا رہے ہیں۔ اس نے والہانہ انداز میں کہا۔ نظر اتارنے کو جی چاہ رہا ہے۔

ظفر اس کی طرف نہیں مڑا۔ مبادا اس کے ارادے میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ اس کے قدم لڑکھڑا جائیں۔

ریحانہ نے اپنا سر اس کے شانے سے لگا دیا۔ آپ انجمن کے جلسے میں مضمون پڑھنے جا رہے ہیں یا قیامت برپا کرنے۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔

کس بات سے۔ ظفر نے رکھائی سے پوچھا۔

میرا دل دھڑک رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ آپ پچھلے سال تو اس طرح سے نہیں گئے تھے۔

ظفر کا دل لرزنے لگا۔ اس کے ارادوں میں ڈگمگاہٹ پیدا ہونے لگی۔ اس نے سنگار میز پر کنگھا رکھا اور مڑ کر تیز قدمی سے وہاں سے نکل آیا۔

وہ حیدر آباد دیر سے پہنچا تھا اس لیے گیسٹ ہاؤس میں پہنچتے ہی اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کسی واقف کار سے ملاقات نہیں ہو سکی اس لیے کہ وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلا تھا۔

رات بے چینی میں گزری پھر وہ صبح تیار ہو کر اجلاس میں شریک ہونے کے لیے ہال کی طرف گیا۔ کارروائی شروع ہونے میں ایک گھنٹہ تھا۔ اس نے سگریٹ سلگالی۔

ناشتہ چونکہ اسے اپنے کمرے میں کرنا تھا اس لیے وہ وہاں لوٹ آیا۔ ویٹر ناشتہ لے کر آیا تو اس نے چند چیزیں حلق سے اتار لیں۔

وہ چائے کے گھونٹ لے رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی...... آ جاؤ۔ اس نے کہا۔

دروازہ کھلا اور کوئی اندر آ گیا۔ وہ نورین تھی۔ وہ پورے ایک سال بعد ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔

میں نے رات کو تمہاری جھلک دیکھ لی تھی۔ اس لیے یہاں آنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

وہ اس کی شادی میں شریک نہیں ہوا تھا لہٰذا شرمندہ سا تھا۔

وہ شادی کے بعد پہلے سے زیادہ حسین اور دلکش لگ رہی تھی۔

آؤ اندر آ جاؤ۔ وہ بولا۔

بیڈ کے علاوہ وہاں ایک طرف صوفے بھی پڑے تھے۔ وہ ان پر جا کر بیٹھ گئے۔ یقین تو نہیں تھا کہ آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔ بہر حال میں چلی آئی۔

شکریہ!...... ظفر نے مسکرا کر کہا۔ تمہارے پولیس آفیسر نے کیسے اجازت دے دی۔

ان سے دوسرا بہانہ بنا کر آئی ہوں۔

اوہ......!

آپ کو میرا خط تو مل گیا ہوگا۔

ہاں۔ وہ آہستہ سے بولا۔ افسوس کہ میں تمہاری شادی میں شریک نہ ہو سکا۔ شاید اس لیے کہ میں بزدل ہوں۔ تم نے مجھے تو دولہا بنے دیکھا ہوگا مگر میں تمہیں دلہن بنے نہیں دیکھ سکا۔ بہر حال اس بات کی خوشی ہے کہ تم مطمئن ہو۔ ادب سے ناتہ ٹوٹ گیا تو کوئی مضائقہ نہیں زندگی سے تو رشتہ نہیں ٹوٹا۔ اس کی رنگینیوں میں اضافہ ہو گیا۔

مگر تمہاری زندگی تو جہنم بن گئی ہے ظفر...... اس میں تمہارا نہیں تمہاری افسانہ نویسی کا بھی دخل ہے۔

وہ کیسے۔

تم آئیڈیل پرست ہو گئے ہو۔ اس نے اطمینان سے کہا۔ ہر ایک چیز کو اپنے پیمانے میں تولنے اور ہر ایک شخص کو اپنی سطح پر لا کر دیکھتے ہو۔



ہوں! ظفر نے آہستہ سے کہا۔ اس میں کیا برائی ہے۔ ہر آدمی ذہنی ہم آہنگی چاہتا ہے۔

وہ نہ ملے تو۔

شخص ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ شخصیت مجروح ہو جاتی ہے۔

مگر زندگی گزارنے کا ایک طریقہ اور بھی تو ہے۔

وہ کیا۔

مصالحت! نورین نے کہا۔ جو چیز جیسی ہے اسے ویسا ہی قبول نہ کیا جائے لیکن یکسر مسترد بھی نہ کیا جائے۔ کسی حد تک قبول کر لیا جائے۔

تم کہنا کیا چاہتی ہو۔

آدمی کو ہم اس کی اچھائی اور برائی سمیت ہی قبول کرتے ہیں۔ خود مجھ میں بہت سی برائیاں اور غلط عادتیں ہوں گی جو ابھی تمہاری نظروں سے چھپی ہوئی ہیں کیونکہ میں تمہاری محبوبہ ہوں لیکن جب میں تمہاری بیوی بن جاتی تو تمہیں وہ سارے پوشیدہ عیب نظر آ جاتے۔

اوہ...... ہاں...... نن...... نہیں...... تم میں تو کوئی عیب نہیں ہے۔ ظفر نے گڑبڑا کر کہا۔

خود تم میں بھی بہت سی بے اعتدالیاں اور عیب ہوں گے جو سر دست میری نگاہ سے چھپے ہوئے ہیں مگر جب تم قریب آ جاتے تو وہی باتیں جو آج اچھی لگتی ہیں بعد میں زہر معلوم ہوتیں، قطعی ناقابل برداشت۔

مگر میں ریحانہ کو قبول نہیں کر سکتا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

کیوں۔ اس میں کیا خرابی ہے۔ کیا وہ اچھی بیوی نہیں ہے۔

اچھی بیوی۔ ہاں کچھ کچھ اچھی ہے لیکن۔

...... میں لیکن، اگر مگر پر بات کرنے نہیں آئی ہوں۔ ریحانہ اچھی بیوی ہے اور تم نے اس حیثیت سے اسے قبول کر لیا ہے اب باقی زندگی گزارنے کا مسئلہ ہے۔ زندگی تم اپنے اسٹائل سے گزارو...... بھرپور لوازمات کے ساتھ...... اس کی فہمائش کرتے رہو، وعظ، نصیحتیں، تلقین...... یہ باتیں ایک روز رنگ لائیں گی...... تم نے اس کی کوشش کی ہوگی مگر ہمت ہار کر بیٹھ گئے۔

ہاں، وہ نہیں سدھر سکتی۔ اس لیے کہ اس کی فطرت میں ٹیڑھ ہے۔

یہ بات صحیح ہے مگر آدمی برسوں سے جو کچھ کرتا ہے وہ چھوڑ بھی دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جیلوں میں اصلاح خانے کی کیا ضرورت تھی۔

وہ تو مجرموں کو...... ظفر نے کہنا چاہا۔

ریحانہ کو بھی ایک عادی مجرم سمجھ لو۔ نورین نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ اور پھر مبلغوں اور مصلحین کی طرح اس کی اصلاح کرو۔ اگر تمہارے کلام میں جادو ہوا تو وہ ضرور اثر لے گی۔

ظفر کچھ دیر سناٹے کی کیفیت میں بیٹھا رہا۔ اس نے کبھی اس انداز سے سوچا ہی نہیں تھا۔ اس طرح سے غور ہی نہیں کیا تھا۔

اور شاؤ ای کا کیا حال ہے۔ نورین نے سوال کیا اور باتوں کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس دوران خانگی مسائل اور درون خانہ بہت سی باتیں آ گئیں۔

پھر ایک گھنٹے بعد وہ اجلاس میں شریک ہونے کے لیے چلے گئے۔ اجلاس میں بہت سے دوستوں اور رفیقوں سے گفتگو اور ملاقات رہی۔ زاہد، شاہد اور مشفق سب ہی تھے۔

سب نے ریحانہ کے بارے میں استفسار کیا اور وہ گول مول جوابات دیتا رہا۔

یہ سانحہ اس کے لیے دل خراش تھا کہ اجلاس کی کارروائی میں جب خطبہ صدارت پڑھا گیا تو سال کے منتخب مصنفین میں ظفر کا نام نہیں تھا۔

ظفر کو اس کی توقع تھی مگر پھر بھی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے تاریکیوں میں دھکیل دیا ہو۔ صرف پچھلے سال کی بات تھی کہ اس کا نام سرفہرست تھا۔ اس بار وہ

فہرست سے خارج تھا۔

جب اجلاس کی کارروائی ختم ہوگئی اور وہ نورین کے ساتھ کینٹین میں آکر بیٹھ گیا تو نورین نے کہا۔ ظفر اس بات سے دل برداشتہ نہ ہونا۔ میں جانتی ہوں کہ یہ ایک چوٹ ہے لیکن اس کا اثر یوں لینا کہ اس سال شدت سے محنت کرنا۔ تمہاری عظمت ابھی خاک میں نہیں ملی ہے۔ وقت کی بات ہے تم پھر بام عروج پر ہوگے۔

یہ سوچ لوں کہ یہ سال گردش کا تھا۔ ظفر نے سر ہلا کر کہا۔

ہاں، ایک نئی امنگ اور جذبے کو آواز دینے اور اسے بروئے کار لانے کی ضرورت ہے۔ اگلے سال تم پھر چوٹی کے اولین مصنفین میں شمار ہوسکتے ہو۔

اس رات جب ظفر سونے کے لیے لیٹا تو نئے جذبے اور نئی امنگیں اس کے دل میں کروٹیں لے رہی تھیں۔ اس نے ریحانہ کے بارے میں نئے فیصلے کرلیے تھے۔ اس نے سوچا۔ وہ عظیم ہے اور بہرحال عظیم رہے گا۔

وہ تیسرے روز کے اجلاس کے لیے تیاری کرکے نہیں آیا تھا۔ اس روز اسے ادیب اور گھر کے موضوع پر تقریر کرنا تھی۔

وہ کاغذ لیے بیٹھا تھا اور اس پر آڑی ترچھی لکیریں بنا رہا تھا کہ نورین آگئی۔ کیا ہو رہا ہے۔ اس نے پوچھا۔

تقریر کی تیاری...... مگر سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کہاں سے شروع کیا جائے۔

میں نے شروع سے آخر تک کام کرلیا ہے، لو دیکھو۔ اس نے کاغذ کی دو شیٹیں اس کی طرف بڑھائیں۔ ظفر نے وہ مضمون لے کر اس پر ایک نظر دوڑائی۔ وہ حسب حال تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی کہانی ہو۔

اچھا ہے۔ اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

اسے تم پڑھوگے۔ نورین نے کہا۔ میں نے اپنا نام مقررین سے واپس لے لیا ہے۔

مگر......

تم انکار نہیں کروگے۔ نورین نے حاکمانہ لہجے میں کہا۔ اس لیے کہ میں نے مضمون محنت سے لکھا ہے اور خاص طور پر تمہیں ماڈل بنا کر لکھا ہے۔

اوکے...... جیسی مرضی میرے صیاد کی۔ ظفر نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس شام اس نے اجلاس میں مضمون پڑھا تو سب نے بہت تعریف کی اور تالیاں بجائیں۔ ظفر مسرت سے سرشار ہوگیا۔ وہ سب آپ بیتی تھی۔ تقریباً "وہی تھا جو اس پر گزر رہا تھا۔

مگر یہ سب احوال نورین نے درج کیا تھا۔

شرمندگی کی ایک لہر اس کے دل و دماغ میں ابھری۔ اس نے سوچا اگلے سال جب وہ اس اجلاس میں شریک ہوگا تو سب کچھ اس کا اپنا ہوگا اور وہ ہر معاملے میں سرفہرست ہوگا۔

پانچویں روز اجلاس کی کارروائی ختم ہوئی تو نورین نے کہا۔ میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گی۔

میرے ساتھ۔

ہاں، تمہیں تمہارے گھر تک پہنچاؤں گی۔

مگر......

میں نے ہزاروں بار تمہاری دہلیز پر قدم رکھا ہے اور تم نے مجھے خوشی خوشی بلایا ہے، اب کیا بات ہوگئی۔

اب وہ......

کچھ نہیں، میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ وہ بضد ہوگئی۔ ظفر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ اس کی دلیلوں اور تیز جملوں سے گھائل ہوجاتا تھا۔

راستے میں وہ خاموش خاموش سا رہا اور نورین بولتی رہی۔ اس کے مستقبل کے منصوبے بناتی رہی۔ وہ ہاں ہوں کرتا رہا۔

جب وہ اسٹیشن پر اترے اور ریلوے کی عمارت سے نکلے تو نورین نے ٹیکسی کرلی۔ ظفر مجبور سا تھا اس لیے سمٹا سمٹایا بیٹھا رہا۔



وہ گھر کے دروازے پر اترا۔ نورین ٹیکسی میں بیٹھی رہی۔

آؤ۔ ظفر نے کہا۔

میں! یہیں سے واپس جارہی ہوں۔ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ یہاں سے میرا اور تمہارا راستہ جدا ہوجاتا ہے ظفر، میں تمہارے ساتھ اس گھر میں داخل نہیں ہوں گی۔

پھر۔

اب میں جب کبھی آؤں گی تو میرا پولیس مین ساتھ میں ہوگا۔ میری حیثیت اس وقت دوسری ہوگی۔

ہاں! ظفر نے گہرا سانس لیا۔

وہ اسی وقت ٹیکسی میں واپس چلی گئی۔ ظفر نے آزردہ دلی سے ہاتھ ہلا دیا۔

وہ بوجھل قدموں سے گھر میں داخل ہوا تو اس نے ریحانہ کو آنگن میں ٹہلتے پایا۔ وہاں سناٹے کی حکمرانی تھی۔

آپ آگئے۔ اس نے والہانہ انداز میں کہا اور اس کے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لیا۔

ہاں، مگر گھر پر سناٹا کیوں طاری ہے۔ باقی لوگ کہاں گئے ہوئے ہیں۔

گھر......

کس کے گھر۔

میرے گھر۔ خالو کہہ رہے تھے کہ اباجی سے کوئی اہم اور فیصلہ کن بات کرنا ہے۔

اوہ! نہیں۔ ظفر بوکھلا گیا۔ مگر میں نے تو اپنا فیصلہ بدل دیا ہے...... میرا مطلب ہے کہ تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلو...... ہم دونوں تمہارے گھر چل رہے ہیں۔

کون سا فیصلہ بدل دیا۔ اور آپ اتنے پریشان کیوں ہوگئے یکا یک۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔

چلو جلدی چلو بس۔ ظفر نے سراسیمگی سے کہا۔ یہ سوٹ کیس رکھ آؤ۔

مگر میں نے دو روز سے نہایا نہیں ہے اور میرے کپڑے بھی...... دل نہیں چاہ رہا تھا۔

اوہ گولی مارو کپڑوں کو۔ ظفر نے سوٹ کیس ایک طرف اچھال دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ کچھ باتیں کپڑوں سے اور جسمانی صفائی سے بھی اہم ہوتی ہیں۔

چلیے! ریحانہ نے کہا۔ وہ باہر آکر ٹیکسی میں بیٹھ گئے تو ظفر کے اضطراب میں کمی واقع ہوئی۔ اب وہ ایک نئے عزم و ارادے سے ایک نئی منزل کی طرف جا رہا تھا۔ ایسی منزل کی طرف جہاں ریحانہ اس کی ہمراہی تھی۔

سفر پیچیدہ تھا اور راہ میں بہت سی صعوبتیں مگر ظفر کو یقین تھا کہ وہ منزل پر پہنچ جائے گا اور اس نے جو کچھ گنوادیا ہے، وہ پھر سے حاصل کرلے گا۔

ٹیکسی کچھ آگے بڑھی تو ریحانہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی اور ایک ایسی بات کہی کہ وہ وفور مسرت سے کانپنے لگا۔

ایک نیا مہمان، ایک نئی زندگی ان کے صحن حیات پر دستک دینے والی تھی۔

سچ......! اس نے مرتعش آواز میں کہا۔

ہاں سچ، کیا میں اس معاملے میں جھوٹ بول سکتی ہوں۔

اوہ...... اوہ! ...... ظفر نے اس کا شانہ پکڑ کر اسے اپنی طرف گھسیٹ لیا۔

اوہ...... اوہ! ...... ریحانہ نے بھی اسی انداز سے کہا اور ٹیکسی ڈرائیور کی طرف اشارہ کیا جو بیک ویو مرر میں انھیں دیکھ رہا تھا۔

ظفر گڑبڑا گیا اور بے تکی حرکتیں کرنے لگا۔ اس طرح جیسے اس کی ناک پر سینگ نکل آیا ہو یا اس کے کان کسی ہاتھی کی طرح بڑے ہوگئے ہوں۔

ابو...... ابو...... وہ مجھے ابو کہے گا نا۔ ظفر نے سرگوشی میں پوچھا اور ریحانہ نے شرم سے اپنا چہرہ ہتھیلیوں میں چھپا لیا۔

☆☆☆

# احتیاط پسند

وہ پانچ بنگلے تھے جو نصف دائرے کی شکل میں خوبصورتی سے بنے ہوئے تھے۔ ان کا طرزِ تعمیر ایک دوسرے سے مختلف تھا اور وہ سب ایک مخصوص سڑک کے اختتام پر واقع تھے۔ وہاں سے سڑک آگے کہیں اور نہیں جاتی تھی۔ ان بنگلوں کے مالک متمول اور دولتمند تھے اور وہ سڑک انہوں نے اپنے خرچ سے بنوائی تھی۔

راشد سعید

جیراللہ ایک متناسب قد و قامت والا آدمی تھا۔ اس کے جسم پر ایک معمولی سا سوٹ تھا اور پاؤں میں تیسرے درجے کے جوتے تھے۔ اس کے نقوش کھردرے تھے اور ہونٹ پتلے۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ جس سے وہ دوسروں سے مختلف کہا جا سکتا اور لوگ اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو جاتے۔

وہ ایک معمولی سی کار میں وہاں تک آیا تھا۔ ان بنگلوں کے قریب پہنچ کر اس نے کار کا انجن بند کیا اور دروازہ کھولتا ہوا اتر آیا۔ اس نے طائرانہ نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا پھر ایک سگریٹ سلگا کر گہرے گہرے کش لئے اور جیب سے ایک نوٹ بک نکال کر اس کے اندراجات غور سے دیکھے پھر کچھ سوچ کر پہلے بنگلے کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے نزدیک پہنچ کر اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا مگر فوری طور پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا۔ جیراللہ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے دوسری بار کوشش کی اور پھر تیسری بار۔

تیسری کوشش پر دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے جو ایپرن باندھے ہوئے تھی اس کی طرف مستفسرانہ نگاہ سے دیکھ کر پوچھا۔ جی فرمائیے آپ کو کس سے ملنا ہے۔

میں سراغرساں بورڈن ڈیل ہوں۔ اس نے کہا اور جیب سے شناختی کارڈ اور محکمہ سراغرسانی کا کارڈ نکال کر دکھایا جس پر اس کا فوٹو لگا ہوا تھا۔ کیا تم مسز ہاروے ہو۔

نہیں۔ میں ان کی ملازمہ ہوں۔ وہ بولی۔

اگر وہ موجود ہیں تو میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا۔

ملازمہ نے ایک طرف ہو کر اسے اندر جانے کے لیے راستہ دے دیا۔ وہ گیٹ سے اندر گئے پھر ایک راہداری سے ہوتے ہوئے ڈرائنگ روم تک پہنچ گئے۔ تم یہاں بیٹھو۔ ملازمہ نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ میں مسز ہاروے کو خبر کرتی ہوں۔

وہ سر ہلا کر اس صوفے پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک بڑھیا ہانپتی کانپتی وہاں داخل ہوئی۔ اس کے سر کے بال اور بھویں تک سفید ہو چکی تھیں۔ اس نے موٹے شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی۔

ملازمہ نے شاید اسے بتا دیا تھا کہ کوئی سراغرساں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔

مسز ہاروے تم نے صبح تین اور چار بجے کے وقت کوئی غیر معمولی آواز تو نہیں سنی۔

نہیں۔ اس لیے کہ میں اتنی رات گئے تک جاگنے کی عادی نہیں ہوں اور کسی قسم کی آواز پر میری آنکھ نہیں کھل سکتی۔

کیوں۔

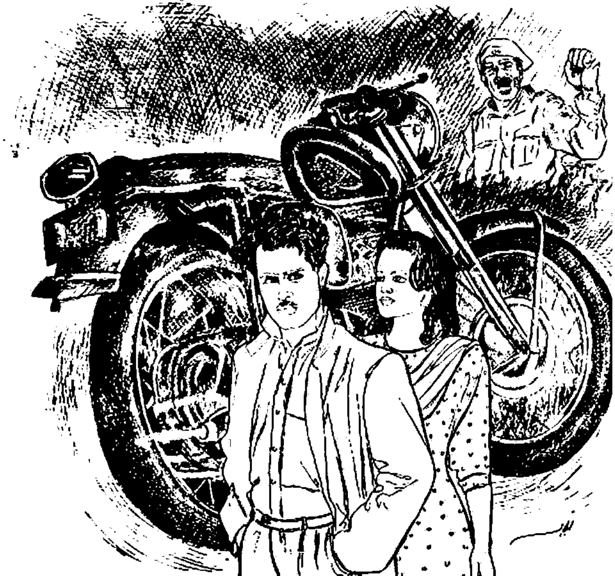

اس لیے کہ میں نیند لانے والی گولیاں کھا کر سوتی ہوں۔ اس نے جواب دیا۔

یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کہیں قریب ہی سے کوئی دھماکا ہوا ہو اور اس کی آواز آپ نہ سن پائی ہوں۔

ہاں۔ ممکن ہے۔

ہوسکتا ہے کہ آپ کی ملازمہ نے ایسی کوئی آواز سنی ہو۔

وہ رات کو چھٹی کرکے چلی جاتی ہے اس لیے وہ اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ مسز ہاروے نے جواب دیا۔

تمہارے ساتھ یہاں اور کون رہتا ہے۔

میں اکیلی رہتی ہوں۔ اس نے جواب دیا۔ اپنے شوہر کی موت کے بعد میں یہاں اکیلی رہ رہی ہوں۔

جیر اللہ نے سر ہلا کر ڈائری میں کچھ نوٹ کیا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

کیا کوئی خاص بات ہوگئی ہے مسز ہاروے نے پوچھا۔

نہیں کوئی خاص نہیں۔ میں ایک سلسلے میں ابتدائی تفتیش کررہا ہوں۔ اس نے جواب دیا اور وہاں سے نکل آیا۔

دوسرے بنگلے کی اطلاعی گھنٹی بھی اسے کافی دیر تک بجانی پڑی اس لیے کہ اندر بے ہنگم موسیقی کا شور بلند ہو رہا تھا۔

پھر دروازہ کھلا اور ایک تنومند شخص ظاہر ہوا۔ اس نے فضول اور گھٹیا سا لباس پہن رکھا تھا اور اس کے سر کے بال بے ترتیب تھے۔ اس کا شیو بڑھا ہوا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا وہ جن کپڑوں کو سوتے میں پہنے ہوئے تھا وہ اس کے جسم پر اب بھی ہیں۔

تم ہولڈنگ ہو۔ جیر اللہ نے پوچھا۔

ہاں۔ میں ہی ہولڈنگ ہوں۔ اس نے بے تکلفی سے کہا اور اس سے مصافحہ کرکے بولا۔ آؤ اندر آجاؤ۔

وہ ڈرائنگ روم میں پہنچے تو جیر اللہ کو پندرہ بیس جوڑے صوفوں پر لڑھکے دکھائی دیے۔ وہ سب پئے ہوئے تھے اور پوری طرح سے مدہوش تھے۔ جب کہ ایک جوڑا وسط میں رقص کررہا تھا مگر اس کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔

دائیں جانب ایک ٹیپ ریکارڈر چل رہا تھا جس سے بے ہنگم اور کان پھاڑ دینے والی موسیقی کا شور بلند ہو رہا تھا۔ ہولڈنگ نے تالی بجائی تو ایک ملازم ظاہر ہوا۔

ہولڈنگ نے اشارہ کیا کہ وہ ٹیپ ریکارڈر بند کردے۔ ملازم نے اس پر عمل کیا تو اچانک گہرا سکوت طاری ہوگیا اور رقص کرنے والا جوڑا ایک طرف جا کر بیٹھ گیا۔

ہولڈنگ نے جیر اللہ کا شناختی کارڈ دیکھا پھر گہرا سانس لے کر پوچھا۔ ہاں سارجنٹ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔

کیا آج صبح تم نے کوئی غیر معمولی آواز سنی ہے۔

ہولڈنگ نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ یہ پارٹی گزشتہ تین روز سے چل رہی ہے۔ اس دوران میں ہم نے بہت سی آوازیں سنی ہیں۔ کیا تم کسی خاص واقع کے بارے میں سوال کررہے ہو۔

میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم نے یا تمہارے کسی ساتھی نے کسی دھماکے کی آواز سنی ہے۔

دھماکا تو ایک طرف رہا یہاں توپ کی آواز بھی نہیں سنائی دے سکتی۔ اس لیے کہ میرا مکان ساؤنڈ پروف ہے اور باہر کی کوئی آواز اندر نہیں پہنچ سکتی۔ اس نے جواب دیا۔ یہ بات تو تم نے خود بھی اندر آتے ہی ساتھ محسوس کرلی ہوگی۔

اس بنگلے کو ساؤنڈ پروف بنوانے میں تو خاصی رقم خرچ ہوئی ہوگی۔ جیر اللہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنی نوٹ بک بند کرکے جیب میں رکھ لی۔

ہولڈنگ اسے بتا رہا تھا کہ بنگلے کو ساؤنڈ پروف کیسے بنوایا گیا ہے۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرکے باہر آگیا۔

تیسرا بنگلہ اپنی طرز کا تھا۔

وہ اس کے گیٹ پر کھڑا دیر تک گھنٹی بجاتا رہا مگر کسی نے بھی دروازہ نہیں کھولا تو وہ چوتھے کی طرف چلا گیا۔

گھنٹی بجانے پر ایک عمر رسیدہ شخص ظاہر ہوا۔

جیر اللہ نے اپنا تعارف کرایا تو اس نے سر ہلا کر کہا۔ کیا تم برابر والے بنگلے کی گھنٹی بجا رہے تھے۔



جیر اللہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ لوگ تو چھٹیاں گزارنے مین ہٹن گئے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا جس کا نام فلیمنگ تھا۔

مسٹر فلیمنگ تم نے گزشتہ رات کوئی غیر معمولی آواز تو نہیں سنی ہے۔

غالباً اس آواز کا تعلق رابرٹو کے بنگلے سے ہوگا جسے تم نظر انداز کرکے یہاں آگئے ہو۔

تم نے یہ بات کیسے کہی۔

اس لیے کہ پہلے بھی کئی سراغرساں اس بارے میں تحقیق کرنے آچکے ہیں۔ اس لئے کہ وہ منشیات فروشی میں بھی ملوث ہے اخبارات میں ایسی خبریں شائع ہوئی ہیں کہ دو گروہوں میں جھگڑا ہوگیا ہے اور وہ ایک دوسرے کے کاروبار پر قبضہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ جب تم کار سے اترے تھے تو میں دیکھ رہا تھا کہ تم باری باری تمام بنگلوں پر گئے تھے لیکن تم نے رابرٹو کو نظر انداز کردیا۔ شاید اس لیے کہ وہ تم سے تعاون نہیں کرے گا۔ وہ مسکرایا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے اپنے آس پڑوس کی خبر ہی نہ ہو۔

بہت خوب۔ جیر اللہ مسکرایا اور اس نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔ تم میں ایک اچھا سراغرساں بننے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ تمہارا مشاہدہ بھی اچھا ہے اور تم دو اور دو چار کرکے نتائج پر بھی پہنچ جاتے ہو۔

فلیمنگ مسکرایا تو جیر اللہ نے کہا۔ مگر تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا کہ کیا تم نے تین اور چار بجے کوئی غیر معمولی آواز سنی تھی۔

نہیں۔ مگر تم نے یہ سوال کیوں کیا۔

میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کررہا ہوں کہ کوئی غیر معمولی واقعہ تو پیش نہیں آیا۔

اوہاں یاد آیا مجھے گزشتہ رات ٹھیک سے نیند نہیں آرہی تھی تو میں کھڑکی میں جا کر کھڑا ہوگیا تھا۔ اس وقت میں نے رابرٹو کو اپنے بنگلے پر واپس آتے دیکھا تھا۔

اچھا شکریہ۔ جیر اللہ نے کہا اور وہاں سے نکل آیا اب وہ پانچویں بنگلے کی طرف جا رہا تھا۔

اس بنگلے میں بھی کوئی نہیں ہے۔ وہ لوگ کسی اور ریاست میں گئے ہوئے ہیں۔ فلیمنگ نے بتایا۔

فلیمنگ ایک پرخلوص شخص ثابت ہوا اور اسے کار تک چھوڑنے گیا۔ جب جیر اللہ نے کار کی ڈرائیونگ نشست سنبھال لی تو اس نے کھڑکی میں سر ڈال کر کہا۔ پہلے یہاں کافی سناٹا تھا مگر اب اس موسیقار کے بچے کی وجہ سے دھما چوکڑی مچی رہتی ہے۔ جس کے پاس تھوڑی سی رقم بھی ہوتی ہے وہ یہاں آکر رہنے لگتا ہے۔ کہیں گروہ کے آدمی اس کے پیچھے تو نہیں پڑ گئے ہیں۔

نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے اور تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیر اللہ نے کہا اور وہاں سے چل پڑا۔ فلیمنگ دیر تک وہاں کھڑا الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتا رہا۔

وہاں سے آتے ہوئے جیر اللہ نے راستے میں کسی مقام پر بھی کار نہیں روکی۔

البتہ اسے جیسے ہی پہلا پیٹرول پمپ دکھائی دیا اس نے اپنی کار موڑی اور وہاں چلا گیا۔ اس نے اٹینڈنٹ کو کار میں پیٹرول بھرنے کا اشارہ کیا اور خود ٹیلی فون بوتھ کی طرف چلا گیا۔

اس نے اپنے باس کے نمبر ڈائل کیے اور سلسلہ ملنے کے بعد کہا۔ باس میں نے اچھی طرح سے تحقیق کرلی۔ آس پاس کے بنگلوں میں رہنے والے لوگ اپنی اپنی کھالوں میں مست ہیں اور کسی کو دوسرے کی خبر نہیں ہے۔ جب کہ دو بنگلوں کے مالکان سیر و تفریح کی غرض سے گئے ہوئے ہیں اور ان کے بنگلے خالی پڑے ہیں۔ مجھے اپنا کام کرنے میں بہت آسانی ہوگی اور میں کسی رات رابرٹو کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ نزدیک واقع بنگلوں میں رہنے والوں کو اس کی خبر تک نہ ہوسکے گی۔ میں نے سراغرساں بن کر سارے حالات معلوم کرلیے ہیں۔

☆☆☆

# تختہ ستم

ہیلن وہ بڑھیا تم سے ملنا چاہتی تھی لیکن اسے تمہارا پتہ نہیں معلوم تھا لہٰذا وہ میری ملازمہ کے پاس گئی اور اس نے میری ملازمہ کو بتایا کہ اس نے تمہیں جو سانپ دیا تھا وہ زہریلا تھا۔

کیا! ہیلن نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا اور۔

نصرت جہاں

**اس عورت کی کہانی جس نے اپنے شوہر کے لئے جال بچھایا لیکن خود اس میں پھنس گئی**

تو تم اسے قتل کیوں نہیں کر دیتیں۔ مرلی نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھواں اڑاتے ہوئے کہا۔ وہ سرخ بالوں والی ایک نوجوان عورت تھی جس کے نقوش اور ظاہری شکل وصورت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو اسے دوسروں سے منفرد اور ممتاز کرتی۔

وہ ایک عام سی لڑکی تھی۔

تمہیں اگر اپنے شوہر سے اتنی نفرت ہے اور وہ بھی تمہیں قطعی نہیں چاہتا تو اس سے چھٹکارا پانے کا ایک طریقہ ہے کہ تم اسے قتل کر دو ..... اس لئے کہ وہ تمہیں چھوڑنا بھی نہیں چاہتا۔ اس نے اپنی سیاہ بالوں والی سہیلی ہیلن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم نے کبھی اس زاویے سے سوچا ہے۔

میں نے پریشان ہو کر متعدد بار اسے قتل کرنے کے متعلق سوچا ہے لیکن صرف سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ صرف سوچنا کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ ہیلن نے جواب دیا۔

وہ ایک آزاد جزیرہ تھا مگر وہاں امریکی قوانین پر عمل ہوتا ہے۔ چونکہ اس جزیرے پر تیل نکل آیا تھا لہٰذا وہاں امریکی ڈاکٹروں، انجینئروں اور صنعت کاروں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔

سوچنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سے تسلی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ ناقص منصوبہ بندی کی وجہ سے قاتل فوراً گرفتار ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر شوہر کے ہلاک ہونے کی صورت میں بیوی کو اور بیوی کے ہلاک ہونے کی صورت میں پولیس شوہر پر شبہ کرنے لگتی ہے۔

لوگ چونکہ قتل کرنے کے لئے عام طریقوں پر عمل کرتے ہیں اس لئے جلد گرفتار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ریوالور، خنجر، چاقو یا تیز دھار آلے کا استعمال یا پھر زہر دینا۔ اگر کوئی ایسا طریقہ آزمایا جائے کہ پولیس کو شبہ نہ ہو سکے تو پھر قاتل بچ سکتا ہے۔

میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔ ہیلن نے چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ کیا قتل کرنے کا کوئی ایسا منفرد طریقہ بھی ہے کہ پولیس کو شبہ نہ ہو سکے۔

وہ دونوں اس وقت جزیرے کے آباد حصے میں واقع

ایک ریستوران میں بیٹھی تھیں اور ان کے سامنے چائے رکھی ہوئی تھی...... وار جنگ کی خوشبودار چائے جسکی مہک سے دماغ معطر ہو رہا تھا۔

تمہیں اپنی بات سمجھانے کے لئے مجھے کوئی مثال دینا پڑے گی۔ میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ تمہارے شوہر کو کس چیز سے ڈر لگتا ہے۔

وہ ایک نڈر اور بے خوف شخص ہے اور اسے کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا۔ ہیلن نے مایوسی سے کہا۔

ایسا نہیں ہوسکتا۔ غیر معمولی سے غیر معمولی شخص بھی کسی نہ کسی چیز کا خوف دل میں چھپائے ہوتا ہے۔ مثلاً بلندی کا خوف، پانی کے جہاز سے سفر کا خوف یا پرواز کا خوف۔ تیز رفتار ٹریفک کو دیکھ کر بھی بہت سے لوگ دہشت زدہ ہوجاتے ہیں۔ مرنی نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

اوہ ہاں یاد آیا میرا شوہر فرینک سانپوں سے بہت ڈرتا ہے۔ ہیلن نے سوچتے ہوئے کہا۔ ہم لوگ ایک بار فلم دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک منظر میں سانپ دکھائے گئے تو فرینک گھبرا کر اپنی نشست سے کھڑا ہوگیا تھا۔

اس جزیرے پر سانپ کثرت سے ہوتے ہیں۔ مرنی نے پر جوش انداز میں کہا۔ خود میں نے کئی سانپ گنے کے کھیتوں میں کلبلاتے دیکھے ہیں۔ بہرحال ہمیں سانپ پکڑنے کے لئے کسی کھیت میں نہیں جانا پڑے گا۔

پھر۔

جزیرے کے غیر آباد حصے میں ایک پراسراری عورت سیڈونا رہتی ہے۔ پراسرار اس لئے کہ وہ جادو اور ٹونا وغیرہ پر یقین رکھتی ہے۔ اس نے بھانت بھانت کے جانور پال رکھے ہیں۔ اس کے پاس تھوڑی سی رقم جمع کرانے پر ہم ایک سانپ حاصل کرسکتے ہیں اور مناسب منصوبہ بندی کر کے تمہارے شوہر کو دہشت زدہ کرسکتے ہیں۔

کیا محض دہشت زدہ ہونے سے وہ مر جائے گا یا اس کی حرکت قلب بند ہوجائے گی۔

ہاں۔ اگر اسے یہ بتا دیا جائے کہ اس مکان میں ایک سانپ جو کسی بھی لمحے اسے ڈس سکتا ہے تو وہ اپنے تخیل میں ہر لمحے اس سانپ کو لئے بیٹھا رہے گا اور جب اس کا تخیل طاقتور ہوجائے گا تو وہ دل بند ہونے کے سبب مر جائے گا۔

میں کبھی نہیں۔ ہیلن نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ کیا میں اسے آگاہ کردوں گی کہ سانپ مکان میں رینگتا پھر رہا ہے۔

نہیں۔ اسے اطلاع دینے سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ ایک بار اسے حقیقت میں سانپ دکھانا پڑے گا۔ پھر اس خیال کو اس کے دماغ میں بٹھانا پڑے گا کہ وہ سانپ اسے کسی وقت بھی ڈس سکتا ہے۔ جب اس دہشت کا ناسور اس کے ذہن میں جڑ پکڑ لے گا تو اس کا اعصابی نظام متاثر ہوجائے گا اور بالآخر اس کی موت واقع ہوجائے گی۔

مگر وہ زیادہ دہشت زدہ نہ ہوا اور اس نے سانپ کو دیکھ کر اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی تو پھر کیسے بات بنے گی۔

تمہارے معاملے میں ضروری ہے کہ فرینک کو سانپ نظر تو آئے لیکن پھر وہ اسے ہلاک نہ کرسکے اور نہ ہی گھر سے بھاگ سکے۔ وہ تو بس اپنے ہاتھ پیر نہ ہلا سکے اور مسلسل اس خیال سے دہشت زدہ ہوسکے کہ سانپ اس کے نزدیک ہے اور اسے ڈسنے والا ہے۔

ہیلن کچھ نہ بولی اور ناخن سے میز کا کونا کریدتی رہی۔

تمہارے مکان کے دروازے تو مضبوط ہیں نا۔

ہاں اتنے مضبوط کہ انہیں کلہاڑی سے وار کئے بغیر نہیں توڑا جاسکتا۔

تمہارے گھر میں ایسی کوئی جگہ ہے جو تنگ و تاریک ہو۔

ہاں زینوں کے نیچے ایک کوٹھری ہے جہاں ایک بلب



روشن رہتا ہے۔ مگر اس بلب کو نکالا جاسکتا ہے۔

اس کا دروازہ مضبوط ہے۔

ہاں، اسے کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔

اچھا اب تم میرا منصوبہ سنو۔ مرنی نے اپنی کرسی آگے کھسکاتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ قتل و غارت گری کی باتیں کرنے سے پہلے اس نے گرد و پیش کا جائزہ لے لیا تھا کہ انہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ تمہارا شوہر فرینک کسی طرح سے اس کوٹھری میں بند ہوجاتا ہے اور تم اسے احساس دلا دیتی ہو کہ اس کے ساتھ ایک زہریلا سانپ بھی اس کوٹھری میں قید ہوچکا ہے۔ فرینک کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ چاقو، خنجر اور ریوالور وغیرہ۔ اس لئے اس کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ وہ سانپ کو ہلاک نہیں کرسکتا۔ یہ خیال آتے ہی اس کے جسم میں خوف و دہشت کی ایک لہر دوڑ جائے گی۔ جب یہ کیفیت بڑھ جائے گی تو اس پر جنون طاری ہوجائے گا۔ مگر جب دروازہ نہیں کھلے گا اور اسے پرہول تاریکی سے نجات نہیں ملے گی تو پھر معاملہ اس کی موت پر ختم ہوگا۔

اور پولیس۔

پولیس کو جب فرینک کی لاش ملے گی تو وہ بے داغ ہوگی۔ اس کے جسم پر کوئی نشان نہیں ہوگا لہذا یہ باور کرلیا جائے گا کہ اس کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ مرنی نے کہا۔ اور اس طرح سے پولیس تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گی۔

مگر جب وہ کوٹھری میں بند ہوجائے گا تو پھر چیخے چلائے گا۔ ہیلن نے اندیشہ ظاہر کیا۔

اس پر نہایت آسانی سے قابو پایا جاسکتا ہے۔ تم کوٹھری کے نزدیک کوئی ریڈیو کھول کر رکھ دینا اور اس کا والیوم زیادہ کردینا۔ فرینک کی آواز دب جائے گی۔

تو فرینک کیا واقعی مر جائے گا۔ ہیلن نے حیرت سے کہا۔ کیا شخص دہشت سے مر سکتا ہے۔

ہاں - انسانی دل چالیس منٹ تک خوف و دہشت کا دباؤ محسوس کرسکتا ہے اس کے بعد اس کی شریانیں پھٹ جاتی ہیں اور موت واقع ہوجاتی ہے۔ مرنی نے جواب دیا۔

ہاں۔ وہ تم نے اس عورت کا کیا نام بتایا تھا۔ سیڈونا۔ وہ کہاں رہتی ہے۔

کنٹری روڈ پر۔ بس اس پر سیدھے جانا، دائیں جانب مڑ جانا۔ وہاں اس کی جھونپڑی مل جائے گی۔ اس سے ملاقات کے وقت میری ملازمہ مارٹیلا کا حوالہ ضرور دینا۔ اس عورت سیڈونا کے پاس جزیرے کی تقریباً سب ہی عورتیں جاتی ہیں۔ اس لئے کہ وہ سانپوں کے زہر سے بہت سی دوائیں تیار کرتی ہے اور اسکے ساتھ ان کا تریاق بھی۔ وہ تمہیں ضرور کوئی بے ضرر سانپ دے دے گی۔

اچھا اب میں چلتی ہوں۔ ہیلن نے کہا اور اپنے دستانے پہن کر کرسی سے اٹھ گئی۔ مرنی بھی اس کے ساتھ اٹھی اور پھر وہ دونوں ریستوران سے نکل آئیں۔

☆......☆......☆

مارٹیلا۔ ہاں میں اسے جانتی ہوں۔ بڑھیا نے اپنی گردن اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا۔ کیا بات ہے تمہارے شوہر کی طبیعت خراب ہے۔

اس کے سامنے ایک سفید فام عورت کھڑی تھی جو ابھی ابھی اپنی کار سے اتر کر اس کی جھونپڑی میں آئی تھی۔ اس کے سر پر چھجے والا بڑا سا ہیٹ تھا اس لئے وہ اس کا چہرہ واضح طور پر نہیں دیکھ پارہی تھی۔

میرے شوہر کی طبیعت خراب نہیں ہے۔ میں تم سے کوئی چیز چند دنوں کے لئے لینا چاہتی ہوں۔

سیڈونا نے اپنی جھونپڑی کا دروازہ کھول دیا پھر اس نے اندر جا کر لالٹین جلادی جس سے محدود سی روشنی پھیل گئی۔

ہاں۔ اب بتاؤ تم کیا چیز لینا چاہتی ہو۔

مجھے ایک سانپ چاہئے جس کا زہر نکلا ہوا ہو۔

تمہیں ایسے سانپ کی کیا ضرورت پڑ گئی۔

میرے گھر میں چوہے، چھپکلیاں اور کیڑے مکوڑے بہت ہو گئے ہیں۔ میں انہیں ختم کرنے کے لئے ایک سانپ لینا چاہتی ہوں جس کا زہر نکلا ہوا ہو۔ تاکہ وہ کسی انسان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

اچھا۔ میں سمجھ گئی۔ زہر نکلا ہوا سانپ! بڑھیا نے اثبات میں سر ہلایا۔ ایسا سانپ مل جائے گا۔

وہ لالٹین اٹھا کر جھونپڑی کے پچھلے حصے میں چلی گئی جہاں میلے کچیلے کپڑوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس نے کپڑے اٹھا کر دوسری طرف ڈال دیئے تو ہیلن کو وہاں بہت سے مرتبان اور مٹکے رکھے نظر آئے۔ بڑھیا نے ایک مٹکا کھولا اور اندر جھانک کر دیکھا، پھر نفی میں سر ہلا کر اسے بند کر دیا اور دوسرے کو کھولنے لگی۔ مگر اس سے بھی مقصد حل نہیں ہوا تو اس نے تیسرا اور پھر چوتھا مٹکا کھولا۔

چوتھے مٹکے میں ایک مڑی ہوئی لکڑی ڈال کر وہ کوئی چیز نکالنے لگی تو ہیلن نے دہشت زدہ ہو کر اپنا چہرہ گھما لیا۔ بڑھیا نے دیوار سے لٹکنے والی ایک چھوٹی سی ٹوکری اٹھائی اور اس میں سانپ کو ڈال دیا۔

یہ لو بغیر زہر کا سانپ۔ اس نے وہ ٹوکری ہیلن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ہیلن نے ٹوکری لے کر اندر جھانک کر دیکھا تو اسے ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا نظر آیا۔ وہ سانپ دیکھنے میں بہت خوفناک تھا۔ اوپر سے سیاہ اور نیچے سے نارنجی۔

یہ زہریلا نہیں ہے نا۔ اس نے وحشت سے پوچھا۔

بالکل نہیں۔ بڑھیا نے جواب دیا۔ ٹھہرو، میں تمہیں خود دکھاتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے ٹوکری میں ہاتھ ڈال دیا پھر اس طرح سے اسے تھپکنے لگی جیسے سانپ کو جگانا چاہتی ہو۔

نہیں نہیں، ایسا نہ کرو۔ مجھے یقین ہے۔ ہیلن نے سرعت انداز ی سے اس کا ہاتھ ٹوکری سے باہر کھینچ لیا۔

کیا میں یہ ٹوکری تمہاری کار میں رکھ دوں۔

نہیں۔ میں خود ہی رکھ لوں گی۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جب مجھے یہ سانپ ٹوکری سے نکالنا ہو تو کیا کروں۔ کیا ہاتھ سے پکڑ کر نکال لوں۔

نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔ بڑھیا بولی۔ اس میں ایک لکڑی داخل کرنا اور سانپ کے بالکل بیچ سے اس کے پیٹ کے نیچے سے گزار کر دوسری طرف سے نکالنا اور پھر اٹھا لینا۔ سانپ اٹھتا چلا جائے گا زیادہ سے زیادہ وہ اس لکڑی پر لپٹ جائے گا۔

اوہ اچھا۔ یہ رقم رکھ لو۔ ہیلن نے اس کی طرف رقم بڑھائی۔

یہ تو بہت زیادہ ہے۔

کوئی بات نہیں۔ جب یہ میرے گھر کے سارے کیڑے مکوڑے مار ڈالے گا تو پھر میں اسے واپس کر جاؤں گی اور اپنی رقم لے جاؤں گی۔

ہیلن نے کہا اور اس ٹوکری کو لے کر اپنی کار کی طرف بڑھنے لگی۔

☆......☆......☆

ہیلن اپنے شوہر فرینک کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھی تھی۔ میز پر موم شمعیں روشن تھیں جن کی وہاں زرد اور مرقوق سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

فرینک کھانا کھانے کے دوران ایک کتاب پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اسے ہیلن سے مخاطب نہ ہونا پڑے۔ کمرے میں سناٹا اور سکوت چھایا ہوا تھا۔ جیسے وہاں کوئی متنفس موجود نہ ہو۔

دو انسانوں کی موجودگی میں وہ خاموشی انتہائی اذیت ناک تھی۔ کھانے کے دوران ایک نیگرو ملازمہ کچن سے آتی جاتی رہی اور کھانے کی چیزیں لا کر میز پر رکھتی رہی اور خالی پلیٹیں واپس لے جاتی رہی۔

ہیلن کھانے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھی انگلیاں مروڑتی رہی پھر وہاں سے اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔



نیگرو ملازمہ اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ کیا کھانے میں کوئی خرابی تھی سینوریٹا۔

نہیں۔ میں تو یہ کہنے آئی تھی کہ تم جمعرات کو چھٹی کرتی ہو نا۔

ہاں۔

تو پھر چھٹی کر لو۔ ہیلن نے کہا۔ ملازمہ اس کی فیاضی پر حیرت سے چند لمحوں تک پلکیں جھپکاتی رہی پھر اپنا سامان سمیٹنے لگی۔ وہ جزیرے کے دوسرے حصے میں رہتی تھی اور ایک روز کے لئے ہیلن کے ہاں چھٹی کرتی تھی۔

جب وہ چلی گئی تو ہیلن نے دروازہ بند کر دیا۔ مکان پر پہلے سے زیادہ سناٹا طاری ہو گیا۔ ہیلن آ کر دوبارہ کھانے کے کمرے میں بیٹھ گئی۔ فرینک نے اس کی موجودگی سے باخبر ہوتے ہی اس کی طرف سے رخ موڑا اور آڑا ہو کر یوں بیٹھ گیا کہ اس کا شانہ ہیلن کے سامنے آ گیا۔

تمہیں میرا سامنے بیٹھنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ ہیلن نے خشک لہجے میں کہا۔

ہاں۔ تمہاری طرف دیکھنا میرے لئے اذیت ناک ہوتا ہے۔

تو پھر تم مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ مجھے اذیتیں دے کر ہلاک کیوں کر رہے ہو۔

مکان کا دروازہ کھلا ہے۔ تم جب چاہے جا سکتی ہو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

کیا میں اس طرح سے خالی ہاتھ چلی جاؤں۔ جب کہ میرا گھر یہاں سے ہزاروں میل دور ہے۔ ہیلن نے کہا۔ مجھے کرایہ بھی نہیں دو گے۔

پھر مجبوری ہے تمہیں یہاں ہی رہنا پڑے گا۔ میں نے پادری کے سامنے چرچ میں ساری زندگی ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا میں اس وعدے کی پابندی کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس بندھن کو توڑنا نہیں چاہتا۔ وہ روکھائی سے بولا۔

مگر اس طرح بندھن میں باندھنے سے کیا فائدہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔

ہاں۔ یہ حقیقت ہے لیکن مجھے اس حقیقت کا علم بہت دیر میں ہوا۔

میں تم سے التجا کر رہی ہوں کہ مجھے اس جزیرے سے دور چلے جانے دو۔ پھر میں تمہاری زندگی میں کبھی نہیں آؤں گی۔

خاموش رہو مجھے تمہاری کائیں کائیں ناگوار لگ رہی ہے۔ وہ ناک سکیڑ کر بولا اور دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

ہیلن اپنی جگہ سے اٹھی اور کمرے سے نکل کر نعمت خانے کی طرف چلی گئی۔ جو کافی بڑا تھا اور مہاگنی سے بنا ہوا تھا۔ نعمت خانے کے اوپر ایک آئینہ لگا ہوا تھا جس میں اس کے شوہر کا عکس نظر آ رہا تھا۔

اس نے نامحسوس طریقے پر اپنی انگیا میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹی سی چابی نکال لی اور نعمت خانے کا نچلا حصہ کھول دیا۔ وہاں وہ قیمتی شرابیں رکھتی تھی۔ اس نے سانپ والی ٹوکری وہاں سے نکال کر نعمت خانے کے اوپری خانے میں رکھ دی۔

اس کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کے لئے ایک سگریٹ سلگایا۔

سگریٹ اس نے موم بتی سے سلگایا تھا اس لئے اس کا سایہ فرینک کے چہرے پر پڑا۔ فرینک نے اس کی طرف ناگواری سے دیکھا تو اس نے آہستہ سے کہا۔ معاف کرنا۔

کمرے پر پھر سکوت طاری ہو گیا۔

وہاں زندگی کی علامت کے طور پر صرف تین چیزیں تھیں۔ فرینک کا تھوڑی تھوڑی دیر بعد کتاب کے صفحات الٹنا، سگریٹ کے جلتے ہوئے سرے سے دھوئیں کی باریک لکیر کا اٹھنا اور کبھی کبھار موم بتی کی لو کا بھڑکنا۔

کچھ وقت اس کیفیت میں گزر گیا جیسے زندگی ساکت

ہوگئی ہو ورنہ وہاں جمود طاری ہو گیا ہو۔

اچانک فرینک نے نظریں اٹھا کر کچن کی طرف دیکھا اور ناک سکیڑ کر کہا۔ یہ ملازمہ کہاں مرگئی۔ پھل کاٹ کر کیوں نہیں لائی اب تک۔

وہ دیوار کی طرف منہ کر کے بولا تھا جیسے ہیلن سے مخاطب ہونا اسے گوارا نہ ہو۔

ملازمہ نے چھٹی کر لی۔

مگر وہ تو اتوار کو چھٹی کرتی ہے۔

اس کی بیٹی بیمار تھی اس لئے اسے ہنگامی طور جانا پڑا۔

ٹھہرو۔ میں تمہارے لئے پھل کاٹ کر لاتی ہوں۔

ٹھہرو۔ میں تمہیں کوئی زحمت نہیں دینا چاہتا۔ میں خود لے لوں گا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور نعمت خانے کی طرف گیا۔ نیم تاریکی میں اس کے ہاتھ اس ٹوکری سے ٹکرا گئے۔

وہ پلٹ کر کھانے کے کمرے میں گیا اور اس نے موم بتی اٹھائی۔ جب وہ نعمت خانے کے قریب پہنچا تو اسے ٹوکری دکھائی دی۔ اس ٹوکری میں کیا ہے۔ کیا پھل اس میں رکھے جاتے ہیں۔

شاید ملازمہ اسے یہاں رکھ کر بھول گئی۔ مجھے معلوم نہیں ہے اس میں کیا ہے۔

فرینک نے میز پر سے موم بتی اٹھائی اور واپس نعمت خانے کی طرف چلا گیا۔ پھر اس نے ٹوکری کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کا ڈھکن اٹھالیا۔ ٹوکری سے ایک زبردست پھنکار نکلی۔

فرینک نے دہشت زدہ ہو کر ایک چیخ ماری اور اس کا ہاتھ یوں واپس آیا جیسے اس میں اسپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ موم بتی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا کھانے کے کمرے میں پہنچا اور ایک کرسی پر گر کر ہانپنے لگا۔ اس..... س..... سس..... ٹوکری میں..... سس..... سانپ ہے۔ اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

سانپ یہاں کیسے آسکتا ہے۔ ہیلن نے پرسکون لہجے میں کہا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ موم بتی سے ایسا سایہ پڑ رہا ہوگا کہ تمہیں سانپ کا گمان ہو گیا۔

فرینک نے اس کی طرف سے رخ تبدیل کر لیا اور میز پر کہنیاں ٹیک کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ وہ ابھی تک اپنی کیفیت پر قابو نہیں پا سکا تھا۔

م..... میں نے خود دیکھا ہے۔ اس نے منہ کھول کر مجھ پر حملہ کیا تھا۔ اس نے اپنا پیٹ تھام لیا جیسے آنے والی ابکائی کو روک رہا ہو۔ وہ مجھ پر حملہ کر دیتا تو معلوم نہیں مجھے کیا ہو جاتا۔ اس نے روہانسے لہجے میں کہا

خود پر قابو پاؤ ورنہ تم گر پڑو گے۔ ہیلن نے پرسکون لہجے میں کہا۔ پھر وہ نعمت خانے کی طرف گئی اور اس نے ٹوکری کا ڈھکن اچھی طرح سے بند کیا اور پھر اسے نعمت خانے کے نچلے حصے میں ڈال کر اسے مقفل کر دیا

اس کے بعد اس نے کچن کا دروازہ کھول دیا۔

وہ اس کے قریب جا کر بیٹھ گئی اور اس نے کہا۔ میں نے ٹوکری اٹھا کر باہر پھینک دی ہے۔ تم خود دیکھ لو نعمت خانہ خالی ہے۔

میں جب چھوٹا تھا اور اپنے بستر پر لیٹا سو رہا تھا تو ایک سانپ آکر میرے پاؤں سے لپٹ گیا تھا۔ میں دہشت سے پسینے میں نہا گیا مگر میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی کیونکہ میں جانتا تھا کہ حرکت کرنے پر سانپ کاٹ لیتا ہے۔ ساری رات اس کیفیت میں گزر گئی۔ صبح میرے ڈیڈی نے اٹھ کر اسے ہلاک کر دیا۔ جب سے سانپ کا خوف میرے دل میں بیٹھا ہوا ہے۔ فرینک نے پژمردہ لہجے میں کہا۔

میں نے اسے باہر پھینک دیا ہے۔

اچھا اب میں اوپر جا رہا ہوں۔ وہ بولا اور اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ تمام کھڑکیاں اور دروازے اچھی طرح سے



بند کر دینا وہ واپس نہ آجائے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے رات کو اس خوف سے نیند نہیں آسکے گی۔

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے زینوں کی طرف چلا گیا۔

ہیلن نے سوچا کہ مرنی کا خیال درست تھا۔ وہ پہلے سے دہشت زدہ ہو چکا تھا اور اب ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ اپنے منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل کرے۔

وہ دیر تک ساکت بیٹھی سوچتی رہی اور اس اثناء میں اسے فرینک کے ابکائی کرنے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ پھر جب وہ بستر پر لیٹا تو اسپرنگ چرچرائے۔ یہ چرچراہٹ وقفے وقفے سے بلند ہوتی رہی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بے چینی اور بے آرامی میں مبتلا ہے۔

جب اوپری خواب گاہ سے آوازیں آنا بند ہو گئیں تو وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ پھر اس نے اپنی انگیا میں سے چابی نکال کر نعمت خانے کا نچلا حصہ کھولا اور سانپ کی ٹوکری نکال کر اسے پھر اوپری خانے میں رکھ دیا۔

اس کے بعد وہ کچن میں گئی۔ جہاں اسے تھوڑی سی تلاش کے بعد ٹین کا ایک خالی ڈبہ مل گیا اور ایک لکڑی بھی۔ لکڑی کا ایک سرا جھلسا ہوا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ملازمہ اس سے چولہے کی راکھ کریدنے کا کام لیتی رہی ہوگی۔

ٹین کا ڈبا اس نے نعمت خانے کے اوپری حصے میں ٹوکری کے برابر رکھ دیا۔ دونوں کے ڈھکن کھولنے کے بعد اس نے لکڑی کو ٹوکری میں ڈالا۔

سانپ نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ وہ سو رہا تھا اس کے جسم کے نیچے لکڑی ڈالنے میں ہیلن کو دشواری پیش آئی۔ پھر اس نے زور لگا کر سانپ کو اٹھایا تو وہ لکڑی میں لٹکنے لگا ہیلن نے اسے ٹین کے ڈبے میں ڈال دیا۔

وہ پھسلتا ہوا اس میں چلا گیا مگر اس کی دم باہر آگئی۔ ہیلن نے اسے اندر کر کے ڈھکن بند کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ وہ بے ضرر سانپ تھا اس لئے اس سے ہیلن کو ذرا [illegible] نہ رہا تھا۔

ویسے بھی فرینک سے چھٹکارا پانے کے لئے وہ اپنے دل کو مضبوط کر چکی تھی۔

پھر اس نے خالی ٹوکری اٹھائی اور زینے کے نیچے بنی ہوئی کوٹھری میں جا کر ٹوکری کو اوندھا کر کے فرش پر رکھ دیا اور ڈھکن کو تھوڑے فاصلے پر ڈال دیا۔

وہ اس کوٹھری میں لگا ہوا بلب پہلے ہی نکال چکی تھی۔ ٹوکری کو اوندھا کر کے وہ فرینک کو یہ دھوکا دینا چاہتی تھی کہ اس سے سانپ نکل کر کوٹھری کے [illegible] میں چھپ چکا ہے۔

پھر وہ ہر لمحے اس پریشانی میں مبتلا رہے [illegible] سانپ حملہ کرنے والا ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ [illegible] سے اوپر [illegible] گئی۔ فرینک سوتے [illegible] اور [illegible] سرہانے پڑا ہوا تھا۔ اس نے [illegible] اٹھا [illegible] کو تھپ تھپایا [illegible] سے ماچس کی وجہ [illegible] احساس [illegible]

ہیلن نے ماچس کی تمام تیلیاں [illegible] ایک تیلی رہنے دی۔ تاکہ جب فرینک کوٹھری [illegible] ہو جائے تو پھر ماچس کی ایک تیلی [illegible] وہاں [illegible] سکے اور اسے سانپ کی ٹوکری دکھائی دے سکے۔

وہ زینے طے کر کے نیچے آگئی اور کوٹھری [illegible] دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔ [illegible] میں اس چوکھٹ میں ایک کیل ٹھونک چکی تھی۔

اس نے اپنی پیٹھ اس چوکھٹ کی طرف کی اور [illegible] انداز سے رگڑنے لگی کہ اس کے لباس کا کوئی حصہ اس کیل میں اٹک جائے۔

وہ فرینک کو یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ کوٹھری میں [illegible] سے گئی تھی مگر باہر آتے ہوئے جلدی میں اس کا لباس [illegible] سے اٹک گیا۔

اب وہ جھٹکے سے اپنا لباس [illegible] سے علیحدہ کر سکتی تھی

لیکن اس کا وقت نہیں آیا تھا۔

وہ تھوڑی دیر تک سیدھی کھڑی مختلف چیزوں پر نظریں دوڑاتی رہی۔ سامنے نعمت خانے پر ٹین کا ایک ڈبا رکھا تھا جس میں ایک بے ضرر سانپ پڑا تھا۔

اس نے سوچا فریبک کو نیچے بلانا اور پھر کسی طرح سے اسے کوٹھری میں بھیجنا اس کے منصوبے کا دوسرا حصہ ہے۔ اب اسے اس پر عمل کرنا ہے۔

اسے آواز دے کر نیچے نہیں بلایا جا سکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ ہیلن کی آوازوں پر کوئی توجہ نہیں دیتا تھا۔

ہیلن کو یاد تھا کہ ایک بار ملازمہ چھٹی پر گئی ہوئی تھی اور وہ رات گئے گھر واپس آئی تھی۔ دروازہ بند تھا۔ وہ باہر کھڑی دستک دیتی رہی اور فریبک کو آوازیں دیتی رہی لیکن اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ وہ تھک ہار کر دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور سو گئی۔

اس نے رات سردی سے ٹھٹھرتے اور سکڑتے گزاری۔ صبح جب اس کی ملازمہ آئی تو اس نے اپنی چابی سے دروازہ کھولا۔

اسے معلوم تھا کہ فریبک کو بلانے کے لئے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

اس نے گردوپیش پر نظر دوڑائی تو اسے ایک اسٹول رکھا نظر آیا۔ ہیلن نے اسٹول میں پاؤں پھنسا کر اسے نزدیک کھینچ لیا پھر اسے پاؤں سے نعمت خانے کی طرف اچھال دیا۔ سناٹے میں اسٹول نعمت خانے سے ٹکرایا تو ایک ہولناک دھماکہ ہوا۔

دفعتاً اوپری خواب گاہ کے بیڈ کے اسپرنگ زور سے چرچرائے اور پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس کا مطلب تھا کہ فریبک کی آنکھ کھل گئی ہے اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا ہے۔ چند ثانیوں بعد اس کی آواز سنائی دی۔ کون ہے۔ یہ کیا دھما چوکڑی مچا رکھی ہے۔

ہیلن خاموش کھڑی رہی۔

وہ جانتی تھی کہ اس آواز کو سن کر فریبک اپنی جگہ پر خاموش نہیں بیٹھ سکے گا۔ وہ سانپ سے خوفزدہ ہو چکا ہے لہذا نیچے ضرور آئے گا۔

وہاں کون ہے۔ اس نے زینوں کے اوپر سے آواز دی۔

ہیلن نے اب بھی کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

وہ زینوں سے پھر کمرے میں واپس چلا گیا تو ہیلن کو تشویش ہونے لگی کہ کیا وہ ڈر گیا ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس کے جوتوں کی دھمک سنائی دی۔ جس سے ہیلن کو معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے جوتے پہننے گیا تھا ...... سانپ کے خوف سے۔

جب جوتوں کی دھمک نزدیک آنے لگی تو ہیلن اپنا ایک ہاتھ اپنی پیٹھ پر لے گئی جیسے کیل سے اپنا لباس نکالنے کی جدوجہد کر رہی ہو۔

اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو۔ فریبک نے زینے طے کرنے کے بعد پوچھا۔

ہیلن بدستور خاموشی اختیار کئے رہی۔

وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

میں کوٹھری سے نکل رہی تھی کہ میرا لباس ایک کیل میں پھنس گیا ہے۔ کیل ہے کہ نکل ہی نہیں رہی ہے۔ اس نے بے بسی سے کہا۔

فریبک نے نیچے آنے سے پہلے جوتے اور جیکٹ بھی پہن لی تھی۔

فریبک نے فوری طور پر اس کے قریب آنے کی کوشش نہیں کی۔ ہیلن کو اس کی توقع بھی نہیں تھی۔ اس لئے فریبک اذیت رساں شخص تھا۔ دوسروں کو مصیبت میں دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ اسے دوسروں کو تکلیف دے کر تسکین ہوتی تھی۔

وہ چند لمحوں تک اسے گھورتا رہا پھر پلٹ کر کھانے کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس نے میز پر سے ڈبا اٹھایا اور ایک سگار نکال کر کٹر سے اس کا سرا توڑا اور پھر موم بتی اٹھا کر اسے سلگانے لگا۔

ہیلن تذبذب کا شکار ہو گئی۔ یہ بات اس کے منصوبے میں شامل نہیں تھی۔ اسے اب فریبک کو کسی طریقے سے کوٹھری میں جانے پر آمادہ کرنا تھا۔ اگر وہ موم بتی لے کر کوٹھری میں داخل ہو جاتا تو اسے سانپ کہیں نظر نہیں آتا۔

تم اس کیل کو میرے لباس سے نکالنے کے لئے کچھ نہیں کرو گے۔ ہیلن نے منمناتے ہوئے التجا کی۔ میں کب تک یہاں کھڑی رہوں۔

اگر لباس کیل میں اٹک گیا ہے تو اسے کھینچ کر نکال لو۔ فریبک نے سکون سے کہا۔

اس طرح سے یہ پھٹ جائے گا۔ میرا یہ لباس بہت قیمتی ہے۔ میں اسے پھاڑ کر ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ کاش کہ میرا ہاتھ کیل تک پہنچ جاتا تو میں اسے نکال لیتی۔ وہ ہاتھ موڑ کر اسے کیل کی طرف بڑھانے لگی۔

لیکن یہ محض اداکاری تھی۔ وہ خود سے لباس کو اس کیل سے نہیں نکالنا چاہتی تھی۔

تمہیں اس کوٹھری میں گھسنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ ترش روئی سے بولا۔

مجھے وہاں سے آملیٹ کے لئے پیاز نکالنا تھی۔ وہ بولی۔ ملازمہ چھٹی کر چکی ہے اور تمہیں ناشتے میں آملیٹ پسند ہے نا۔

ہیلن سخت الجھن میں گرفتار تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ آخر فریبک موم بتی دوبارہ میز پر کیوں نہیں رکھ دیتا۔

فریبک نے موم بتی میز پر رکھنے کی بجائے اسے قدرے اونچا کیا اور ہیلن کی طرف بڑھنے لگا۔ جیسے صورت حال کا جائزہ لے رہا ہو۔

میں کیا تمہارا نوکر ہوں۔ ہونہہ...... وہ بڑبڑایا۔ ایسی احمقانہ بات کے لئے تم نے میری نیند حرام کر دی۔

یہ موم بتی لے کر میرے نزدیک نہ آنا۔ ہیلن نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ اس کے دھوئیں اور حدت سے میرا لباس خراب ہو جائے گا۔ ممکن ہے یہ آگ پکڑ لے اس لئے کہ میں نے اسے صبح بینزین سے دھویا ہے۔

اس کی یہ بات فریبک پر اثر کر گئی۔ وہ مڑا اور اس نے موم بتی میز پر رکھ دی پھر ہیلن کے قریب سے ہوتا ہوا کوٹھری میں چلا گیا تاکہ چوکھٹ میں لگی کیل سے اس کا لباس نکال سکے۔

ہیلن تیار تھی۔ اس نے پھرتی سے خود کو کیل سے چھڑایا اور فریبک کو کوٹھری میں دھکا دے کر پھرتی سے دروازہ بند کر دیا۔ دروازے میں چونکہ خودکار قفل لگا ہوا تھا چنانچہ وہ بند ہو گیا۔

فریبک کوٹھری کی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مارتا رہ گیا۔

فریبک تمہارے جیکٹ کی جیب میں ماچس ہے اس کی تیلی جلاؤ۔ میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتی ہوں۔ ہیلن نے دروازے کے قفل سے ہونٹ لگاتے ہوئے کہا تاکہ اس کی آواز اندر پہنچ جائے۔

کوٹھری میں ہلکی سی آہٹ ہوئی پھر ماچس جلانے کی آواز سنائی دی۔ پھر دروازے کی نچلی درز میں نارنجی رنگ کی روشنی نظر آئی۔ فوراً" ہی بعد فریبک نے ہلکی سی چیخ ماری پھر روشنی بجھ گئی۔

تم نے دیکھ لیا فریبک۔ سانپ کوٹھری کے کسی گوشے میں موجود ہے اگر تم نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو وہ تم سے لپٹ جائے گا۔ بس دم سادھے کھڑے رہو۔ اسی میں عافیت ہے۔

تیلی بجھ چکی ہے اور یہاں بہت اندھیرا ہے۔ اندر سے بھرائی ہوئی خوفزدہ سی آواز آئی پھر دروازے پر دھمک سنائی دی جیسے وہ توڑنے کی کوئی ناکام کوشش کر رہا ہو۔

ہیلن پیچھے ہٹی اور جا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ منظر پہلے کی طرح سے تھا۔ موم بتی جل رہی تھی۔ فریبک نے جو سگار

[illegible] میں رہا تھا اس سے [illegible] باریک سی
[illegible] نکل رہی تھی۔

کچھ ہی [illegible] اس نے کہ فرینک کوٹھری میں بند ہو گیا تو۔ ہیلن نے ریڈیو آن کر دیا تو اس سے موسیقی کی [illegible] نشر ہونے لگیں۔ اسے معلوم تھا کہ جب [illegible] پر خوف و دہشت غالب آ جائے گی تو وہ چیخنا چلانا شروع کر دے گا۔ [illegible] وقت اسے ریڈیو کی آواز کا والیوم بڑھا [illegible]۔

[illegible] فرینک کی آواز اتنی بلند نہیں تھی کہ اسے تشویش ہوتی۔ ہیلن کو معلوم تھا کہ فرینک کی آواز مکان سے باہر نہیں جا رہی ہو گی۔

دفعتاً اس کی نگاہ میز پر رکھے ہوئے لیمپ پر پڑی۔ ہیلن نے سوچا اسے یقیناً فرینک نے حال ہی میں خریدا ہو گا۔ اس لئے کہ وہ تو بجلی کی روشنی کا مخالف تھا۔ وہ کہتا تھا کہ جب روشنی زیادہ ہو جاتی ہے تو اسے ہیلن کا چہرہ نظر آ جاتا ہے۔ موم بتی روشن رہے گی تو محدود سی روشنی پھیلے گی اور وہ وہی کچھ دیکھ سکے گا جو وہ دیکھنا چاہے گا۔ اسی لئے وہ مطالعہ بھی شمع کی روشنی میں کرتا تھا۔

جب تک موسیقی میں وقفہ ہو گیا اور کھانے کے کمرے میں خاموشی اور سکوت طاری ہو گیا۔ اس خاموشی میں فرینک کی آواز سنائی دی، جو گڑگڑا رہا اور رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔

وہ دروازے کو اپنے ناخنوں سے کھرچ رہا تھا۔

ہیلن ہیلن۔ مجھے ایسی اذیت نہ دو، میرا ریوالور خوابگاہ میں رکھا ہے۔ اسے نکال کر لاؤ اور فائرنگ کر کے میرا جسم چھلنی کر دو۔ وہ گلوگیر آواز میں کہہ رہا تھا۔

ہیلن نے اس طرف قطعی توجہ نہیں دی۔ اس نے اپنے کان بند کر رکھے تھے۔

ایش ٹرے میں رکھا ہوا سگار آہستہ آہستہ سلگ رہا تھا اور اس کا بیشتر حصہ اب راکھ بن چکا تھا۔ وہ ایک طرح سے فرینک کی زندگی کی علامت تھا جو بتدریج ختم ہو رہی تھی۔

ہیلن کی تمام تر توجہ ریڈیو اور اس کے پروگراموں کی طرف تھی لہٰذا اس کی نگاہوں کا زاویہ تبدیل نہیں ہوا تھا۔ دوسری بار خاموشی ہوئی تو اس نے چہرہ گھمایا۔ ٹھیک اس وقت اسے یہ گمان ہوا جیسے کوئی چیز فرش پر ایک طرف سے دوسری طرف گئی ہو۔

ایک ثانیے میں وہ اس کا سایہ ہی دیکھ سکی تھی۔

اس نے نعمت خانے کی طرف دیکھا۔ وہاں ٹین کا ڈبا ویسے ہی رکھا تھا لیکن اس کا ڈھکن ہٹا ہوا تھا اور سانپ کی دم نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ڈبے سے نکل آیا ہے۔

مگر اس سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ وہ بے ضرر سانپ تھا اور نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔

اسے پکڑ کر واپس ڈبے میں ڈالنا بہرحال ضروری تھا اس لئے کہ وہ بڑھیا سے وعدہ کر چکی تھی کہ سانپ واپس کر دے گی۔

اس نے وہ لکڑی تلاش کر لی جس سے وہ سانپ کو ایک مرتبہ پہلے اٹھا چکی تھی۔ اس کے بعد اس نے دوسرے ہاتھ میں موم بتی تھامی اور جھک کر میز کے نیچے چلی گئی۔

نیم تاریکی میں وہ سانپ اسے نظر آ گیا۔ وہ پائے کے قریب کنڈلی مارے ہوئے تھے۔ ہیلن نے بڑھیا کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرتے ہوئے لکڑی کو اس کے جسم کے وسطی حصے کے نیچے داخل کرنا شروع کر دیا۔

میز نے چونکہ ایک خاص بلندی قائم رکھی تھی چنانچہ وہ اپنا ہاتھ بلند نہیں کر سکی۔ پھر یہ کہ اس نے لکڑی کو سانپ کے وسطی حصے سے نہیں گزارا تھا اس لئے سانپ کا منہ اس کی کلائی کے نزدیک ہو گیا۔

سانپ نے ہلکی سی پھنکار ماری اور اس کی کلائی پر ڈس لیا۔ ہیلن کو صرف اتنا محسوس ہوا جیسے اسے سوئی چبھ گئی ہو۔



ہیلن اس سے قطعی خوفزدہ نہیں ہوئی۔

اس نے لکڑی پر سانپ اٹھا لیا تھا اس لئے وہ اسے نعمت خانے کی طرف لے گئی اور اس نے سانپ کو ڈبے میں ڈال کر اس کا ڈھکن اچھی طرح سے بند کر دیا۔

اس اثنا میں سانپ نے اس کے بازو پر ایک بار اور ڈس لیا۔

ہیلن جب اپنی جگہ پر بیٹھ گئی تو اسے ان دونوں مقامات پر سوزش اور جلن محسوس ہونے لگی جہاں سانپ نے اسے ڈسا تھا۔

اس نے آہستہ آہستہ ان دونوں جگہوں کو رگڑا تو وہ سرخ ہو گئیں۔ ہیلن نے ہلکی سی بے چینی محسوس کی۔

دفعتاً موسیقی تھم گئی اور سکوت طاری ہو گیا۔ اس سکوت میں اسے فرینک کی کانپتی آواز سنائی دی۔ روشنی...... ہیلن خدا کے لئے یہاں روشنی کر دو...... میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔

...... وہ چیخنے چلانے لگا اور پھر دروازے سے لگ کر یوں ہانپنے لگا جیسے وہ انسان نہیں کوئی جانور ہو۔

اس نے ایش ٹرے کی طرف دیکھا سگار سلگ کر راکھ بن چکا تھا۔ گویا اسے فتح حاصل ہو چکی تھی۔

سامنے والی دیوار پر لگا ہوا کلاک بدستور ٹک ٹک کر رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو آف کیا اور کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ پھر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کوٹھری کی طرف چلی گئی۔

اس نے دروازے سے کان لگا دیئے اور غور سے سننے لگی لیکن دوسری طرف سے کوئی آہٹ سنائی نہیں دی۔

چند لمحوں بعد اس نے دروازے پر دستک دی۔

مگر دوسری طرف سے کسی ردعمل کا اظہار نہیں ہوا۔

وہ وہاں سے پلٹی اور موم بتی اٹھا کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ ویسا ہی تھا۔ اگر وہ مجرم تھی تب بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

ہیلن تقریباً اچھل پڑی۔ رات گئے کون فون کر سکتا تھا۔ فون سیٹ ریڈیو کے قریب ہی رکھا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ ہیلو میں ہیلن بول رہی ہوں۔ اس نے کہا۔

میں مرنی ہوں۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

اس وقت تم نے کس مقصد سے فون کیا ہے۔

تمہیں وہ بڑھیا تو یاد ہو گی جس کے بارے میں ہم نے ریستوران میں گفتگو کی تھی۔ مرنی نے کہا۔ میڈونا۔

ہیلن اگر اعتراف کر لیتی تو اس کے لئے مشکل پیش آ سکتی تھی۔ بڑھیا...... کون بڑھیا۔ ہم نے تو کسی کے بارے میں گفتگو نہیں کی تھی۔ وہ لاتعلقی سے بولی۔

وہ بڑھیا میڈونا تم سے ملنا چاہتی تھی لیکن اسے تمہارا پتا نہیں معلوم تھا لہٰذا وہ میری ملازمہ مارٹیلا کے پاس گئی۔ مارٹیلا تھوڑی دیر پیشتر میرے پاس آئی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اسے بڑھیا نے بتایا ہے کہ اس نے تمہیں جو سانپ دیا تھا وہ زہریلا تھا...... اب تم اس کے نزدیک نہ جانا۔

یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ ہیلن نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

میں صحیح کہہ رہی ہوں۔ آج شام کو تم میڈونا کے پاس گئی تھیں اور تم نے ایک بے ضرر سانپ جس کا کہ زہر نکالا جا چکا ہو، طلب کیا تھا اس نے تمہیں ایک سانپ دے دیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ غلطی ہوئی ہے۔ اس نے تمہیں زہریلا سانپ دے دیا ہے۔ ایسا زہریلا جس کے زہر کا توڑ آج تک دریافت نہیں ہوا ہے۔ اگر ایسا سانپ کسی کو کاٹ لے تو اس کے جسم کا وہ حصہ کاٹ کر الگ کرنا پڑتا ہے۔ وہ بولی۔ تم سمجھ رہی ہو نا۔ اس سانپ کو اٹھاتے وقت تم احتیاط کرنا کیونکہ وہ۔

وہ معلوم نہیں کیا کچھ کہہ رہی تھی، کم از کم ہیلن کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سے ریسیور گر چکا تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو گھٹنوں کے بل فرش پر گرے ہوئے پایا...... کسی چوپائے کی طرح سے...... وہ بری طرح سے ہانپ رہی تھی۔

وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اپنے پاؤں پر کھڑی ہونا چاہتی تھی لیکن ٹانگوں میں جیسے جان ہی نہیں تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ ہوسکتا ہے کوٹھری کے بند دروازے کے پیچھے سے کوئی مدد مل جائے اور اس کی زندگی بچ جائے...... لیکن پھر اسے یاد آیا کہ کوٹھری میں فرینک ہے جو دہشت سے مر چکا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اسے کہیں سے مدد نہیں مل سکتی۔

تو پھر مرنی نے کیا کہا تھا کہ جسم کا وہ حصہ کاٹنا پڑتا ہے کیونکہ۔

☆......☆......☆

پولیس انسپکٹر فاربس اس منظر کو دیکھ کر کانپ اٹھا۔ ہیلن اپنے خون میں نہائی ہوئی پڑی تھی۔ اس کا جسم گرم تھا مگر اس کی موت واقع ہو چکی تھی۔

اس کا ہاتھ کلائی تک کٹا ہوا تھا جس کی ایک انگلی میں اس کی شادی کی انگوٹھی چمک رہی تھی جب کہ وہ خون آلود بغدا ابھی نزدیک پڑا تھا جس سے اس نے اپنا ہاتھ کاٹا تھا۔

پولیس کوٹھری کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئی تو اسے ہیلن کا شوہر فرینک اندر ملا مگر اس کی شکل و صورت اس قدر بدل چکی تھی کہ اسے شناخت کرنا دشوار تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کے ناخن ٹوٹے ہوئے تھے ، انگلیوں سے خون بہہ رہا تھا۔ لباس پھٹ چکا تھا اور چہرہ خوف و دہشت سے بگڑ چکا تھا۔ اس کے سر کے بالوں اور منہ میں مکڑی کے جالے اور مٹی چپکی ہوئی تھی۔

پھر انہیں ایک سانپ ملا جو نعمت خانے کے اوپری حصے میں ایک ٹین کے ڈبے میں پڑا تھا۔

معاملات اس قدر پراسرار اور عجیب تھے کہ وہ ان میں کوئی ربط و تعلق پیدا نہ کر سکے اور نہ ہی ان کی سمجھ میں کچھ آیا۔ وہاں کوئی اور تھا بھی نہیں جو ان کی مدد کرتا۔

آخر وہ آدمی کوٹھری میں کیسے پہنچ گیا اور وہ کس چیز سے خوفزدہ تھا۔ اس عورت نے بغدے سے اپنا ہاتھ کیوں کاٹ لیا۔

اس شام کو جب میڈیکل ایگزامنر نے پولیس کو اپنی رپورٹ دی تو پولیس کے لئے مزید الجھنیں پیدا ہو گئیں۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا۔ اس عورت نے اپنا ہاتھ کیوں کاٹ لیا یہ میری سمجھ میں نہیں آسکا۔ غالباً کسی نے اسے بتا دیا تھا کہ سانپ زہریلا ہے اور اس کا زہر عورت کے جسم میں پھیل جائے گا مگر اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ سانپ کی یہ نسل زہریلی نہیں ہوتی۔ میں نے تصدیق کے لئے کئی خرگوشوں کو اس سانپ سے ڈسوایا تھا جو اب تک زندہ ہیں۔

پولیس نے اپنی رپورٹ مفروضے پر مرتب کی جو کچھ اس طرح سے تھی۔

فرینک اتفاق سے اس کوٹھری میں بند ہو گیا یا اس کی بیوی ہیلن نے اسے شرارت سے بند کر دیا۔ جب فرینک نے اندر سے غل غپاڑہ مچایا تو ہیلن نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن پھر سانپ نے اسے ڈس لیا۔ وہ اس واقعہ سے اتنی دہشت زدہ ہوئی کہ اپنے شوہر کو کوٹھری سے نہ نکال سکی۔

فرینک یقیناً اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اس لئے اس کی کرب ناک چیخیں سن کر اس نے کوٹھری کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن یہ ممکن نہ ہوا۔ اس نے جنون کے عالم میں اپنے کھر ونچے دروازے پر مارے تو اس کی انگلیاں لہولہان ہو گئیں اور ناخن ٹوٹ گئے۔ اس صدمے سے اس کے سر کے تمام بال سفید ہو گئے۔

☆☆☆

# دون زندگی

رونالڈ ایک اعلیٰ افسر تھا اور اس کی سماجی حیثیت بہت بلند تھی۔ وہ پر آسائش خوابگاہ میں آراستہ بستر پر سوتا تھا۔

دائیں جانب ایک چوکور سا ڈبا نصب تھا جس پر نمبر پڑے ہوئے تھے اور پھر ایک ٹیلی فون تھا جس پر ڈائل نہیں لگا ہوا تھا۔

ذوالنورین

**رونالڈ کی آنکھ کھلی تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا**

وہ ایک دس فٹ لمبے اور دس فٹ چوڑے کمرے میں بند تھا اور ایک پتلی سی دری پر لیٹا ہوا تھا۔ کمرے میں تاریکی کا تسلط تھا اور وہاں ایک ناگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔

رونالڈ ایک اعلیٰ افسر تھا اور اس کی سماجی حیثیت بہت بلند تھی۔ وہ پر آسائش خوابگاہ میں آراستہ بستر پر سوتا تھا۔
دائیں جانب ایک چوکور سا ڈبا نصب تھا جس پر نمبر پڑے ہوئے تھے اور پھر ایک ٹیلی فون تھا جس پر ڈائل نہیں لگا ہوا تھا۔

رونالڈ نے محسوس کیا کہ اس کے ذہن پر اب بھی نیند کا تسلط ہے۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اسے کوئی خواب آور دوا کھلا کر یا سنگھا کر یہاں لایا گیا ہے جس کا اثر اس کے اعصاب پر اب بھی ہے۔

رونالڈ نے سوچا اگر کسی نے اسے اغوا کیا ہے تو اسے کہیں قرب و جوار میں ہونا چاہئے۔ وہ اٹھ کر دروازے کے قریب گیا اور کان لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر دوسری طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ریسیور اٹھایا تو دوسری

طرف سے ایک گونجدار آواز آئی۔ مسٹر رونالڈ غور سے میری بات سنو، اس لئے کہ میں بات دہرانا پسند نہیں کرتا۔

مجھے تم نے یہاں کیوں بند کیا ہے۔ تم کون ہو۔

اس چکر میں نہ پڑو اور دو باتیں غور سے سنو۔ پہلی یہ کہ وہ سیاہ ڈبا جس پر نمبر پڑے ہوئے ہیں ایک ٹائم بم ہے یہ کل رات بارہ بجے پھٹ جائے گا۔

اوہ......اوہ......خدا مجھ پر رحم کرے۔ رونالڈ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔

اس ڈبے کے قریب جانے کی حماقت نہ کرنا ورنہ وہ پھٹ جائے گا۔ وہ بم اتنا طاقتور ہے کہ تمہارے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔

اوہ......اوہ تم......رونالڈ نے کہنا چاہا لیکن اجنبی نے اس کی بات کاٹ دی۔

اس کے علاوہ اس دروازے کے پاس بھی نہ جانا۔ اس نے دھمکی دینے والے لہجے میں کہا۔ اس لئے کہ اس کی دوسری طرف ڈائنامائیٹ فٹ ہیں۔ جو ہلکی سی جنبش سے پھٹ جائیں گے اور نتیجہ تمہاری موت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

تم کیا چاہتے ہو۔ رونالڈ نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

صرف دس لاکھ ڈالر۔ تم جس کمپنی میں کام کرتے ہو یعنی فنلے امپورٹ سروسز میں، اگر اس نے میرا مطالبہ مان لیا تو تمہاری جان بخش دی جائے گی۔ ورنہ تمہارے ٹکڑے اڑ جائیں گے۔

میری کمپنی اتنی رقم کیوں ادا کرنے لگی۔ میں اتنا اہم فرد تو نہیں ہوں۔

تم ایک اہم شخص ہو رونالڈ۔ اس اجنبی نے کہا۔ اس لئے کہ تم کمپنی کے نائب صدر ہو اور اس کی ریسرچ ڈیپارٹمنٹ کے انچارج، کمپنی کے بہت سے منصوبے تمہارے ذہن میں ہیں۔ اس لئے تم ایک اہم آدمی ہو اور کمپنی تمہارے بدلے اتنی حقیر رقم یعنی دس لاکھ ڈالر دینے میں لیت ولال سے کام نہیں لے گی۔

رونالڈ کا دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔

جب مجھے رقم مل جائے گی تو میں اس بم کو ناکارہ بنانے کا طریقہ بتا دوں گا۔ اجنبی نے کہا۔

اور دروازہ کیسے کھلے گا۔

دروازے پر لگے ہوئے ڈائنامائیٹ کو میں باہر سے ناکارہ کر دوں گا۔ یہ کمرہ کہاں واقع ہے، تمہاری کمپنی کو بھی یہ بتا دیا جائے گا۔ اچھا اب میں دوبارہ فون کروں گا۔ اوکے۔

پھر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

رونالڈ کچھ دیر تک تو وہاں کھڑا رہا پھر سہمے ہوئے انداز میں پیچھے سرکنے لگا۔ وہ اس ہولناک ڈبے سے دور ہو جانا چاہتا تھا اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ڈبا اس کی سانسوں سے پھٹ جائے گا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے اعصاب پرسکون ہو گئے تو اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ پتھر کی دیواریں بہت مضبوط تھیں اور انہیں توڑنا محال تھا۔ چھت کافی اونچی تھی اور اس میں اوپر کی طرف چند سوراخ بنے تھے تاکہ ہوا کی آمد و رفت جاری رہے۔

ان سوراخوں تک نہیں پہنچا جا سکتا تھا۔ بالفرض محال وہ وہاں تک پہنچ بھی جاتا ہے تو ان سے باہر نہیں نکلا جا سکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ بہت چھوٹے تھے۔

وہ مایوسی سے کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے فون کے نزدیک جا کر ریسیور اٹھایا اور اس پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالنے لگا کہ ممکن ہے اس طرح سے کسی ایکسچینج سے رابطہ قائم ہو جائے اور کوئی اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ لیکن اس حرکت سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

اسے یاد آیا کہ ایکسچینج تو خودکار ہیں اور آپریٹر کے بغیر کام ہو رہا ہے۔ سسٹم خودکار ہے۔ ایسی صورت میں کمپیوٹر



اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

اس نے مایوسی سے ریسیور کو ہک پر لٹکا دیا۔

وہ کچھ دیر تک دری پر بیٹھا رہا۔ پھر اس ڈبے کے قریب گیا۔ اس پر سوئچ لگے ہوئے تھے جو آن تھے۔ لازما "انہیں کسی خاص ترتیب سے آف کرنے سے وہ سسٹم ناکارہ ہو سکتا تھا۔

لیکن وہ ترتیب کیا تھی۔

اگر وہ غلط ترتیب سے سوئچ آف کر دے گا تو یقینا ایک ہولناک دھماکا ہوگا اور بم پھٹ جائے گا۔

وہ اسے ہاتھ لگائے بغیر اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ اسے پسینہ آ رہا تھا۔ اسے اپنی بیوی اور بیٹیاں یاد آ گئیں۔ بڑی مونی تھی جس کی عمر سولہ سال تھی۔ جو دسویں کلاس میں پڑھتی تھی اور اس کے علاوہ روزی جو دس سال کی تھی اور چھٹی میں پڑھتی تھی۔

اس کی بیوی اور بیٹیاں اس سے محبت کرتی تھیں اس لئے وہ انہیں یاد کر کے آزردہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ چونک پڑا کہ اس کے کانوں میں باہر کا کوئی شور نہیں آ رہا ہے۔ کسی گاڑی کے چلنے یا کسی کے ہارن کی آواز تک سنائی نہیں دے رہی ہے۔

اس کمرے میں چھائی ہوئی گرد سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اسے عرصے سے استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ رونالڈ نے سوچا اگر اس کے پاس کوئی ہتھیار یا اوزار ہوتا تو وہ اسے استعمال کر کے وہاں سے نکلنے کی ترکیب کرتا مگر اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

یہاں تک کہ اس کے پاس کوئی ماچس نہیں تھی۔ اگر ماچس ہوتی تو وہ اس دری میں آگ لگا دیتا اور اسے سوراخوں کے قریب لے جانے کی کوشش کرتا تاکہ دھواں باہر نکلے تو کوئی اس طرف متوجہ ہو جائے۔

وہ مایوس ہو کر پھر دری پر بیٹھ گیا۔

پہلے تو وہ دہشت میں مبتلا رہا اور اسے نیند نہیں آئی لیکن پھر اسے اونگھائی آنے لگی اور اس کا دماغ سونے لگا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور وہ چونک پڑا۔

وہ دوڑ کر اس طرف گیا تو اجنبی کی آواز سنائی دی۔ تم کیا کر رہے ہو مسٹر رونالڈ۔ تمہاری آواز کیوں نہیں آ رہی تھی۔ مجھے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے دہشت سے تمہارا دم نکل چکا ہے۔

اوہ یسوع مسیح کے واسطے مجھے اس عذاب سے نجات دلاؤ۔ ورنہ میں دہشت سے مر جاؤں گا۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

شور نہ مچاؤ اور خود پر قابو رکھو۔ اب میں تمہاری کمپنی کے ایک عہدے دار گبسن سے تمہاری بات کرا رہا ہوں۔

رونالڈ پرسکون ہو گیا۔ اسے امید پیدا ہو چلی تھی کہ شاید اسے اس مصیبت سے نجات مل جائے۔ کچھ دیر تک کھڑکھڑاہٹ ہوتی رہی پھر گبسن کی آواز آئی۔

ہیلو رونالڈ۔

اوہ گبسن۔ میں ایک عذاب سے دوچار ہوں مجھے رہائی دلواؤ ورنہ میں مر جاؤں گا۔

ہم تمہیں آزاد کرانے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

کچھ اندازہ لگا کر بتاؤ کہ تم اس وقت کہاں ہو۔

ایسی احمقانہ باتیں نہ کرو۔ اغوا کرنے والا غرایا۔

میں اندازہ لگانے سے قاصر ہوں کہ اس وقت کہاں ہوں۔ رونالڈ نے بے چارگی سے کہا۔

تمہیں اس نامعلوم شخص نے کوئی جسمانی اذیت تو نہیں دی ہے۔

جسمانی اذیت نہیں دی گئی ہے لیکن میں روحانی عذاب میں مبتلا ہوں۔ اس کمرے میں ایک ٹائم بم رکھا ہے جو اس شخص کے کہنے کے مطابق رات کو بارہ بجے تک پھٹ جائے گا۔ دروازے میں اس نے ڈائنامائیٹ فٹ کر رکھے ہیں۔ اگر میں اسے ہاتھ لگاؤں گا تو وہ اچانک پھٹ جائیں گے اور......رونالڈ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور سسکیاں لینے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ گبسن میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ اس خبیث شخص کا مطالبہ پورا کر دو، ورنہ۔

ہم کوئی نہ کوئی ترکیب کریں گے اور تمہیں مرنے نہیں دیں گے۔ گبسن نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا۔

میرے خاندان والوں کو تسلی دینا کہ میں خیریت سے ہوں۔

او کے۔

کیا کمپنی اس دیوانے شخص کا مطالبہ مان لے گی۔

کمپنی کے چیئرمین مسٹر ایبٹ کا کہنا ہے کہ کل صبح سویرے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ہوگی اس میں تمہارے بارے میں فیصلہ ہوگا۔

ابھی کیا وقت ہوا ہے۔

رات کا ایک بجا ہے۔ صبح بورڈ کی میٹنگ ہوگی اور تمہارا معاملہ سب سے پہلے پیش کیا جائے گا۔ اب تم سونے کی کوشش کرو۔

پھر گبسن کی آواز معدوم ہوگئی اور اغوا کرنے والے کی آواز آئی۔ تم اب مطمئن ہو مسٹر گبسن۔

ہوں۔

گبسن۔ رونالڈ نے اسے اضطراب سے آواز دی۔ مگر سلسلہ منقطع ہوگیا۔

اس نے مایوسی سے ریسیور ہک سے لٹکا دیا۔ پھر اسی دری پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے بال نوچ لے اور سر دیواروں سے ٹکرا دے۔

مگر پھر یہ سوچ کر رہ گیا کہ ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ اسے جان بچانے کی کوشش کرنا چاہئے نہ کہ وہ خود کو ہلاک کرلے۔

اس نے تھک ہار کر اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالا کہ شاید کوئی ایسی چیز مل جائے کہ وہ اس کو استعمال کرکے نجات پالے۔

ایک نیل کٹر اس کے ہاتھ میں آگیا جو اس کی اندرونی جیب میں رکھا ہوا تھا۔ وہ اغوا کرنے والے کے ہاتھ نہیں لگ سکا تھا۔ یا پھر اس نے اسے کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے اسے رونالڈ کی جیب میں رہنے دیا تھا۔

! غور و خوض کرنے سے یہ سمجھ میں آیا کہ اگر وہ فون کے ریسیور کو کھول لے تو تاروں کو ادھر ادھر کرکے کسی اور شخص سے رابطہ قائم کرسکتا ہے اور اسے اپنی مصیبت سے آگاہ کرسکتا ہے۔

اس نے نیل کٹر کی مدد سے ریسیور کے چار پیچ کھول دیئے۔ اس کے اندر رنگین تار تھے۔ جو ٹرمینل پلیٹ سے جڑے ہوئے تھے۔ اس نے ایک تار کو الگ کردیا۔ پھر اسے دوسرے تاروں سے مس کیا۔ لیکن اس کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

دوسرے تار کھول کر انہیں نئی ترتیب سے جوڑے پھر بھی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ رونالڈ نے مایوسی سے وہ تار پھر اسی ترتیب سے جوڑ دیئے۔

اچانک فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی۔

تم شاید فون سے الجھے ہوئے تھے مسٹر رونالڈ۔ دوسری طرف سے اسی شخص کی آواز آئی۔ تمہیں ایسی حرکت نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ فون تمہاری زندگی کا ضامن ہے۔

موت کو اتنا نزدیک پا کر شاید میرا دماغ چل گیا ہے اور میں اول فول حرکتیں کرنے لگا ہوں۔ رونالڈ نے اعتراف کیا۔ کیا تمہیں کمپنی نے رقم ادا کردی۔

تم واقعی سراسیمہ ہو اور اوندھی سیدھی باتیں کررہے ہو۔ اجنبی نے کہا۔ رقم کی ادائیگی کا فیصلہ تو بورڈ کی میٹنگ میں کیا جائے گا۔

تت..... تم بم کو ناکارہ کرنے والا نمبر بتادو تاکہ میں اسے ناکارہ بنادوں۔ پھر جب تمہیں رقم مل جائے گی تب میں یہاں سے باہر جاؤں گا۔

اس شخص نے قہقہہ لگا کر کہا۔ میں ایسی باتوں میں نہیں آسکتا۔ تم مجھ سے اس لئے تعاون کرنے پر آمادہ ہو کہ تمہاری جان خطرے میں ہے۔ میں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ اگر میرا مطالبہ نہیں مانا گیا تو میں تمہارے چیتھڑے اڑا دوں گا۔



یہ بات میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ ٹائم بم ناکارہ ہوچکا ہے۔ رونالڈ نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

میں اس معاملے میں کوئی سودے بازی نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے رقم ادا کردی جائے ورنہ تمہارا خاتمہ۔ دوسری طرف سے روکھے لہجے میں کہا گیا پھر سلسلہ منقطع کردیا گیا۔

رونالڈ نے ایک بار پھر اپنا دل تھام لیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے سوچا کہ ٹیلی فون کا ریسیور اکھاڑ کر پھینک دینا چاہئے۔ مگر وہ اس خیال سے رک گیا کہ اجنبی نے اسے اس کی زندگی کا ضامن بھی ٹھہرا دیا ہے۔

وہ بے بسی سے دیواروں پر مکے مارنے اور پھر اپنے بال نوچنے لگا۔ مگر اس سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا البتہ وہ ہلکان ہوگیا۔

دفعتاً "ایک دیوار میں ایک جھری دکھائی دی۔

دوسری طرف سے روشنی آرہی تھی۔

یہ روشنی اس کے لئے امید کی ایک کرن تھی۔ اس نے نیل کٹر ہاتھ میں سنبھالا اور اس جھری کو کھرچنے لگا۔ وہ اس کو چوڑا کرنا چاہتا تھا۔ اتنا چوڑا کہ اس سے باہر جاسکے۔ لیکن تھوڑی سی دیر میں نیل کٹر گرم ہوگیا اور اس کے انگوٹھے اور انگلی کی کھال ادھڑنے لگی۔

اس نے جھنجلا کر نیل کٹر ایک طرف پھینک دیا اس کا بازو درد کرنے لگا تھا۔ لہٰذا وہ دری پر لیٹ گیا۔ وہ چونکہ تھک گیا تھا اس لئے اس پر نیند غالب آگئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جو اس بات کی علامت تھی کہ سورج نکل چکا ہے یا نکلنے والا ہے۔

تمہارے لئے ایک خوش خبری ہے مسٹر رونالڈ۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ تمہاری کمپنی نے دس لاکھ ڈالر دینا منظور کرلئے ہیں۔ جیسے ہی میرے ہاتھ رقم آئے گی میں تمہیں آزاد ہونے کا طریقہ بتادوں گا۔

ابھی کیا وقت ہوا ہے اور وہ تمہیں رقم کب دیں گے۔

ابھی دو بجا ہے اور وہ تین گھنٹے بعد رقم فراہم کریں گے۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

اب تم مجھے ٹائم بم کو ناکارہ کرنے کی ترکیب بتادو۔ رونالڈ نے کہا۔ تاکہ میں اپنی ذہنی اذیت سے نجات پالوں۔

وہ اپنے دماغ میں حساب لگا رہا تھا کہ اگر کمپنی تین گھنٹے بعد رقم فراہم نہ کرسکے تو ایسا نہ ہو کہ جنونی شخص اسے موت کے گھاٹ اتار دے۔

میں رقم ہاتھ میں آنے کے بعد ہی ٹیلیفون کو ناکارہ کرنے کا نمبر بتاؤں گا۔ یہ میرا اصول ہے۔ اس وقت تک تم اپنے لئے دعا مانگ سکتے ہو۔ کہا جاتا ہے کہ مصیبت کی ایسی گھڑیوں میں دعا مانگی جائے تو وہ قبول ہوجاتی ہے۔

اوہ پلیز، مجھ پر رحم کرو۔ رونالڈ نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

مگر دوسری طرف سے اس کی بات نہیں سنی گئی اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔ وہ ایک بار پھر مایوس ہوکر کنارے بیٹھ گیا۔ وقت کاٹنا اس کے لئے دوبھر ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر تک روشنی آتی رہی پھر وہ مفقود ہوگئی۔ اس سے رونالڈ نے اندازہ کیا کہ سورج ایک طرف سرک گیا ہے۔ اس لئے روشنی نہیں آرہی ہے۔

وہ انتظار کرتے کرتے تھک گیا اور اسے پھر غنودگی آنے لگی۔

کمرے میں تاریکی بڑھتی جارہی تھی اس لئے اس کی مایوسی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ بم بلاسٹ ہونے کا وقت قریب آرہا تھا اور اسے موت کے فرشتے کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔

فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجی تو اس نے لپک کر ریسیور کان سے لگالیا۔ ہیلو رونالڈ بول رہا ہوں۔ تم کون ہو۔

میں فریڈرک بول رہا ہوں۔ ایف بی آئی ایجنٹ۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

مگر اس وقت تم نے فون کیوں کیا ہے۔ مجھے ایک اہم کال کا انتظار ہے تم فون بند کردو۔

آپ کو جس شخص کی کال کا انتظار ہے وہ مرچکا ہے جناب۔

تم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

اس میں غلط فہمی کا کوئی سوال نہیں ہے۔۔فریڈرک نے کہا۔ جس نے آپ کو اغوا کیا ہے اس کا نام ہیر اللڈ تھا۔

کیا ٹائم ہوا ہے۔ رونالڈ نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

دس بج کر پینتیس منٹ۔

میں موت کے منہ میں جانے سے کیسے بچوں گا۔ رونالڈ نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔ اس لئے کہ بارہ بجے تک بم پھٹ جائے گا اور پھر میرے ٹکڑے اڑ جائیں گے۔ اب اسے ناکارہ بنانے کے لئے نمبر کون بتائے گا۔ اوہ...... خدایا...... میں کیا کروں۔ تم لوگوں نے اسے ہلاک کیوں کیا۔

اسے ہم لوگوں نے ہلاک نہیں کیا ہے۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔ ہیر اللڈ کو رقم دے دی گئی تھی۔ اتنی بڑی رقم پاکر وہ آپے سے باہر ہوگیا اس نے رقم کا تھیلا اٹھایا اور بھاگ کر سڑک پار کرنے لگا تو ایک تیز رفتار کار کے نیچے آگیا۔ پھر اس نے دم توڑ دیا۔

تمہیں میرا کیسے پتہ چلا۔

اس کی جیب سے ایک ڈائری برآمد ہوئی جس میں تمہارا نام اور فون نمبر لکھا ہوا تھا۔

مگر یہاں دروازے پر ڈائنامائیٹ فٹ ہیں۔ اس لئے مجھے یہاں سے نکالنے کے لئے کوئی نہ کوئی دیوار توڑنا پڑے گی۔

یہ باتیں ہمیں کمپنی منیجر مسٹر گبسن سے معلوم ہوچکی ہیں۔

تم نے اپنے آدمیوں کو میری طرف روانہ کردیا ہے۔

اس سلسلے میں تاخیر ہورہی ہے۔ اس لئے کہ وہ جگہ دریافت نہیں ہوسکی ہے جہاں تم قید ہو۔ فون کمپنی سے رابطہ قائم کرلیا گیا ہے۔ وہ نمبروں سے جیسے ہی ایڈریس معلوم کریں گے ہم تم تک پہنچ جائیں گے۔

ٹائم بم پھٹنے میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا ہے۔ جلدی سے مجھے یہاں سے نجات دلاؤ۔ وہ بولا۔ پھر اس نے فریڈرک کا بتایا ہوا نمبر دیوار پر نوٹ کرلیا۔

جناب ہم بھی محسوس کررہے ہیں کہ آپ کس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ میں اس وقت ٹیلی فون آفس میں ہی بیٹھا ہوں۔ اچھا ذرا ٹھہرو۔

وہ خاموش ہوگیا اور مدھم آواز میں کسی سے گفتگو کرنے لگا۔

ارے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ جیسے خود سے بولا۔ پھر اس نے رونالڈ کو مخاطب کیا۔ جناب ایک پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے۔

وہ کیا۔

ان لوگوں نے بتایا ہے کہ تم جس فون سے بات کررہے ہو وہ ہیر اللڈ نے چھ ہفتے پہلے کاٹ دیا ہے۔ ہیر اللڈ فون کے محکمے میں سروس مین تھا۔

رونالڈ کا دل ایک پھڑ ڈوبنے لگا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہیر اللڈ نے وہ فون کاٹ کر اس کمرے میں نصب کردیا تھا۔

میرا خیال ہے کہ گیارہ بج چکے ہوں گے۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ اور ٹائم بم پھٹنے میں ایک گھنٹہ رہ گیا ہے۔ کیا ڈائری میں کوئی نمبر وغیرہ موجود نہیں ہے۔

ڈائری نئی ہے اور اس میں اس کے علاوہ اور کچھ درج نہیں ہے۔ یہ تو معلوم ہوگیا ہے کہ وہ علاقہ کون سا ہے جہاں تم قید ہو لیکن بالکل صحیح لوکیشن نہیں معلوم ہو پارہی ہے۔ اس نے بے بسی سے کہا۔

عمارت پرانی اور نہایت مضبوط ہے۔ دیواریں پتھروں کی بنی ہوئی ہیں۔ تم ایسی عمارتوں کو چیک کرو۔

شہر کے اس علاقے میں ایسی کوئی پانچ سو عمارتیں ہوں گی۔ ایک گھنٹے میں تمام عمارتوں کو چیک کرنا دشوار ہے۔



وہ بولا۔ تم فون بند نہیں کرنا۔ ہم تم سے مسلسل رابطہ رکھنا چاہتے ہیں۔

ہر گزرنے والا لمحہ اسے موت کے قریب کررہا تھا۔ رونالڈ کا جی چاہا کہ وہ دہاڑیں مار کر رونا شروع کردے۔ اس کی زندگی میں اب صرف پچپن منٹ رہ گئے تھے۔ اس کے بعد وہ اس دار فانی سے کوچ کرنے والا تھا۔

فون میں بھنبھناہٹ سنائی دی۔

رونالڈ نے ریسیور کان سے لگایا تو اسے فریڈرک کی آواز سنائی دی۔ جناب اس عمارت کے رخ کا پتا چل گیا ہے جہاں آپ قید ہیں۔ یہ بتایئے وہ فوجی بنکر تو نہیں ہے۔

رونالڈ نے اس جگہ کا جائزہ لیا اور بولا۔ ہاں یہ بنکر ہی ہے۔ اوہ مجھے پہلے کیوں نہیں اس کا خیال آیا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران وہاں کچھ بنکر تعمیر کئے گئے تھے۔ میں ہیلی کاپٹر سے وہاں پہنچ رہا ہوں۔

مگر بنکر کوئی ایک دو تھوڑی، کم از کم تیس پینتیس تو ہوں گے۔ کیا میں تم لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے چیخنا چلانا شروع کردوں۔

لیکن ہماری رہنمائی کے لئے فون لائن کافی ہے۔ فریڈرک نے کہا۔

رونالڈ پھر امید وبیم کی کیفیت میں وہاں ٹہلنے لگا۔

اگر ہیلی کاپٹر وہاں پندرہ منٹ میں پہنچتا ہے تو پچپن میں سے پندرہ گھٹانے کے بعد چالیس منٹ بچتے۔ پھر اس کا بنکر تلاش کرنے میں کم از کم دس منٹ لگیں گے۔ گویا بچے تیس منٹ۔ اس مدت میں وہ کوئی دیوار توڑ کر اسے بچا سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہیلی کاپٹر کی مخصوص گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ اس کے بعد ملی جلی آوازوں کا شور سنائی دیا۔ دس منٹ بعد اس کے بنکر کی ایک دیوار پر دھمک ہونے لگی۔ وہ اس دیوار پر ضربیں لگا رہے تھے اور اسے توڑنے کی کوشش کررہے تھے۔ مگر ان کی کوششیں ناکام ہوتی معلوم ہورہی تھیں۔ اس لئے کہ بنکر کی دیواریں بے حد موٹی تھیں اور خالصتاً فولاد اور کنکریٹ سے بنی ہوئی تھیں۔

رونالڈ کو معلوم تھا کہ موٹے سے موٹا برما بھی اس میں مشکل ہی سے سوراخ کرسکے گا۔

اس کے دل کی دھڑکنیں جواب دینے والی تھیں کہ اسے یاد آیا کہ ہیر اللڈ نے کہا تھا کہ فون میری زندگی کی ضمانت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا نمبر ٹائم بم کا کوڈ نمبر بھی ہے۔ اس نے دیوار پر لکھا ہوا نمبر دیکھا اور خدا کا نام لے کر ٹائم بم کے سوئچز آف کرنے لگا۔ سات پانچ تین آٹھ زیرو نو۔

ٹھیک اسی وقت باہر سے فریڈرک نے چیخ کر کہا۔ مسٹر رونالڈ افسوس کہ ہم اس دیوار میں سوراخ کرنے میں قاصر رہے ہیں۔ بارہ بجنے میں صرف ایک منٹ رہ گیا ہے۔ آپ دیواروں کی طرف منہ کرلیجئے۔ ممکن ہے آپ کی زندگی اس طرح بچ جائے۔

رونالڈ جلدی سے مخالف سمت میں چلا گیا اور دیوار کی جڑ میں بیٹھ گیا تاکہ بم بلاسٹ ہونے کی صورت میں اگر بنکر کا ملبہ گرے تو اس کے جسم کو کم سے کم چوٹ لگے۔

ٹک...... ٹک...... ٹک...... ایک منٹ...... دو منٹ...... تین منٹ...... پھر پانچ منٹ گزر گئے مگر کچھ نہ ہوا۔

بم اسکواڈ نے دروازے پر لگے ہوئے ڈائنامائیٹ کو ناکارہ بنایا اور اس طرف سے اندر آئے تو انہوں نے رونالڈ کو سلامت پایا۔ انہوں نے حیرت سے کہا۔ بم کیوں نہیں پھٹا مسٹر رونالڈ۔ کیا ہیر اللڈ نے خالی خولی دھمکی دی تھی۔

نہیں بلکہ میں نے اس کے نمبروں کو رہنما بنا کر سوئچ آف کردیئے تھے جن سے یہ آف ہوگیا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ پھر اپنی بیوی اور دونوں بچیوں کی طرف بڑھ گیا جو ہیلی کاپٹر سے اتر رہی تھیں۔

☆☆☆

# خونی چیک

بینک کاؤنٹر پر یکے بعد دیگر ہونے والی پراسرار اموات کا خفیہ اس کاؤنٹر پر جو بھی وہ پراسرار چیک لے کر آتا اور نامعلوم سمت سے آنے والی گولی اس کا خاتمہ کر دیتی۔ وہ چیک کون اور کسے جاری کرتا تھا بینک اور پولیس کے لیے یہ ایک معمہ تھا۔

جرم و سزا کے موضوع پر ایک دلچسپ ناول جس کی ہر سطر آپ کے دوران خون کو تیز کر دے گی

پرویز آفس میز پر پیر پھیلائے سکون سے بیٹھا ہے..... مگر دماغ شاعری کی دنیا میں بلند پروازیاں کر رہا ہے..... یکا یک وہ گنگناتا ہے۔ ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے .. ہوں..... ہوں..... وہ دور نہیں جب ٹھوکر میں زمانہ تھا۔ پنسل دانتوں میں دبا کر کچھ سوچنا ہی چاہتا ہے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ پرویز منہ بناتے ہوئے کہتا ہے۔ دھت تیری کی بیڑا غرق ہو ایجاد کرنیوالوں کا چوبیس گھنٹے ٹن ٹن ... کبھی تو سکون لیا کرے۔ آخر ہے کون بدتہذیب جو نہیں دیکھتا کہ اپن جانب اس وقت موڈ میں نہیں۔

ہاں کون ہے کیا قتل ہوگیا۔ پھر میں یہ کروں..... ناچوں کودوں..... ہوگیا تو ہو جانے دو..... میں نے ٹھیکہ تو نہیں لیا ملک الموت کا ..... ارے حضور مرنے دو اسی طرح آتا تو ہاتھ لگے گا ..... دیکھتے نہیں آج کل بجلی پر ٹیکسیے بڑھا دیے۔ تم خود سوچو اگر دس پانچ روز میں تو بجٹ آ رہا ہے..... حساب تو لگاؤ تین چھٹانک نی کس بڑے پیٹ والوں کے کام کوئی یا نہیں ارے بھئی ڈنر پارٹیوں روز وزرا و امرا آتے ہی رہتے ہیں پھر وہ تنہا تو نہیں آخر بڑی بڑی پارٹیوں کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ مرا ہوگا تو کوئی نہ کوئی غریب..... جنہیں جینے کا حق بھی کیا بلا وجہ زمین کا بوجھ بن کر خرچ میں اضافہ کرتے ہیں کم بخت اگر مر جائیں تو یہ بجٹ میں خسارہ ہی کیوں ہو..... اچھا صاحب یونہی سہی۔ مگر اتنا تو سوچو وہ دن رات ایک کر کے اپنا دماغ خرچ کرتے ہیں پھر کیوں نہ بھریں۔ کیا آپ چاہتے ہیں فاقے مریں۔ واہ صاحب بھاڑ میں جائے خاک دوزخ میں جائے ملت اپنا لوٹنا تر تو ہم ہیں ضرور نہ خیر..... ارے ارے یہ کیا تو پھر میں کیا کروں..... کوئی کمزور گردن دیکھ کر دبا لو اور چڑھا دو پھانسی کے تختہ پر ارے یار پولیس ایسا کرتی ہی رہتی ہے..... بڑے خراب ہو ہاں۔ غربت اسی طرح مٹے گی۔ تم ہی بتاؤ انہیں مقصد ہی کیا ہے جینے کا۔ سنو تو ہو رلجہ۔ آخر یہ غریب ہیں کس مرض کی دوا..... داغ بن گئے ہیں ملک کے ماتھے پر جہاں دیکھو..... جھگی ڈالے پڑے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ دوسرے ملک کے لوگ کیا کہیں گے۔ ہم انہیں جانے کیا کیا سبز باغ دکھاتے ہیں۔ کیا کہا..... یہ بکواس.....

خبردار مسٹر پرویز ایم ایس سی پی سی...... ایس نائب مسٹر زیدی ہیرو آف انڈیا ارشاد فرمار ہے ہیں...... اچھا جی ...... کون تھا وہ الو کا پٹھا جس نے آپ کو ایس پی بنا ڈالا...... ارے یہ کیا بگڑ گئے۔ ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ بگڑ جاؤ گے۔ چند جو ٹھہرے۔ اچھا صاحب یونہی سہی۔ کمزور گردن والے سے جیب گرم نہ ہوگی تو موٹی گردن والا پکڑ لو۔ مگر حضرت دیکھ کر کہیں کسی وزیر صاحب کا سالہ نہ ہو...... یہ سچ کہہ رہا ہوں پیارے دنیا بدل گئی ہے۔ وزیر اعظم چپراسی کی جگہ کے لیے سفارش کرنے لگے ہیں۔ یہ نکتہ ہے کہیں چھٹی کا دودھ اگلنا پڑے۔" کیا فرمایا...... زیدی صاحب کہاں ہیں۔

تونے تو پیارے روایتی چین لگتا ہے بلا معاوضہ بہت دن کام کیا تو فرصت نہ ملی۔ جناب تنخواہ پا کر بھی عیش نہ کریں۔

"ہاں صاحب یہ تو ہم جانتے ہی ہیں کہ آئی جی سے تمہارا کوئی نہ کوئی رشتہ ہوگا تم ان کے شہر کے ہوگے اگر شہر کے نہ بھی سہی تو صوبے کے ضرور ہوگے۔ اس لیے عیش کرسیاں بھئی کوتوال مشکل تو ہماری ہے کہ ہمارے نانا دادا حکومت میں چپراسی بھی نہیں......

"بھائی کہہ تو دیا......"

میں نہیں جا سکتا حکم نہیں مسٹر زیدی کا نئی مشق ہو رہی ہے نیا انداز انوکھی قاتلانہ ایرگن ہاتھ میں ہے اور مکھیاں مار رہے ہیں...... کون کہے۔

مسٹر زیدی...... مصیبت آ گئی پولیس پر قتل ہو گیا۔ اچھا جی شٹ اپ...... چلو جی مسٹر...... شٹ اپ...... چلو جی مسٹر...... شٹ اپ...... پنسل اٹھا کر پرویز اس کو گھما کر کہتا ہے۔" ہاں استاد ہو جائیں دو دو ہاتھ...... ملاحظہ فرمائیے ارشاد کیا ہے۔"

یکا یک پھر گھنٹی بولی...... ٹن ٹن...... پرویز زور سے میز پر مکہ مار کر کہتا ہے...... کتنے بے وقوفوں سے پالا پڑا ہے...... پھر ریسیور اٹھا کر کہتا ہے...... بھونکیے...... آپ بھی جناب...... ارے کون رہ معاف کرنا میں پہچانا نہ تھا۔

"سچ رعنا ناک میں دم آ گیا ہے...... مجھے تو یہ ٹن ٹن کی آواز صور اسرافیل لگنے لگی ہے۔"

ہمارے زیدی صاحب نے یہ دنیا کیا بسائی ہے اپنے نکاح میں تو مس ٹن ٹن آ گئیں...... کیسے دوں ان مسماۃ کو تین طلاق...... ارے ارے یہ آپ کیوں ڈر گئیں......

سن چکا ہوں حضور...... آپ بھی وہ ہی دکھڑا ئے غیبی ...... آج مجھے بہت پریشان کر رہے ہیں...... کمرہ چاروں طرف سے بند ہے اور حضرت موڈ بھی دست بستہ حاضر میں شاعری فرما رہا ہوں......

"توبہ ہے سن لیا ہے بابا...... ارے توبہ اماں حوا...... کہہ تو رہا ہوں نہیں جاؤں گا...... نہیں جاؤں گا...... ارے باپ رے۔ آپ...... جی جی...... میرا مطلب پھر...... وہی شٹ اپ......" ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ جی کوئی بیمار ہے جسے دیکھو اس مرض میں مبتلا ہے۔

"ہاں استاد کیا فرمایا حضور نے...... ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ نہیں دادا کے پرانے دوست یہ آپ کے زمانے کی باتیں ہیں۔ نیا زمانہ نئی شاعری ملاحظہ ہو...... اس جا پہ ہم آئے ہیں جہاں سر پہ ہے۔

"ارے حضور مصرعہ ثانی ملاحظہ فرمائیے داد بعد کو عرض ہے میرا مقصد مصرعہ ثانی اے حسن کھانے تجھے چونند لے جانا ہے کیا کہنے...... کیا کہنے...... پرویز کرسی سے اٹھ کر چٹکی بجا کر کہنے لگا بن گیا...... بن گیا......

فوراً کمرے کے کواڑ کھلے اور زیدی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے چیخے۔" پرویز یہ کیا ہو رہا ہے...... آفس ہے یا چڑیا خانہ۔

چڑیا خانہ...... پرویز منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ وہ باپ...... باپو...... کیا فرمایا۔

یہی...... کہ کیوں نہ تمہیں آگرہ بھیج دیا جائے۔

آگرہ سن لیجیے حضور...... میں آگرہ نہیں جاؤں گا پرویز سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ وہاں الٹی کھوپڑی والے بہت ہیں۔ خدا کی قسم ایک شعر نہ ہو سکے گا کیوں کہ ان کی



ہوا لگتے ہی بارہ بجے کے بعد دماغ جگہ چھوڑ دے گا۔ بڑا احسان ہوگا اگر آگرہ کی جگہ گدو بندر بھیج دو گے۔ لگے ہاتھوں پاکستان کی سیر بھی ہو جائے گی اور یہ مسماۃ ٹن ٹن سے بھی نجات مل جائے گی۔

ضرور کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔

پرویز میں تم سے عاجز آ گیا ہوں۔

زیدی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے آخر یہ ایس پی سے کیا اول فول ہانک رہے تھے۔

ایس پی کون ایس پی پرویز بیٹھتے ہوئے بولا۔

کس الو کے پٹھے نے ان کو ایس پی بنایا ہے...... جو نہیں جانتا کہ فون پر کیا کہہ رہا ہوں کیوں کہہ رہا ہوں کس سے کہہ رہا ہوں کوئی اور بھی سن سکتا ہے یا نہیں معاف کیجیے...... اپنی جان کا جرمولی نہیں۔ دل میں حیرت و ارمان میں کچھ مذاق تو نہیں۔"

"شرم نہیں آتی...... تم سے تو وہ لڑکی اچھی ہے جو موت کے بازار میں سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہے ایک آپ ہیں کہ بند کمرے میں حسرت و ارمان کو گلے لگائے پڑے ہیں۔

"اس میں شرم کیوں...... عورتیں جو چاہتی تھیں۔" رعنا کمرے میں مسکراتی ہوئی داخل ہوئی اور بولی۔" نہ نہ حضور اس غریب کو نہ ستائیے گھر کا کام سنبھالے بچوں کی فکر کرے یا شوہر نامراد کی۔

پرویز قطع کلام کرتے ہوئے بولا۔" رعنا اتراؤ نہیں۔

"چپ رہو پرویز...... زیدی ڈانٹتے ہوئے بولے کہو رعنا کیا خبر لائیں یہ ایک ہی نوعیت کا چوتھا قتل جو پے در پے ایک ہی بینک میں ہوا ہے میں ادھر چیک کاؤنٹر پر پہنچا ادھر گولی چلی اور رقم وصول کنندہ ختم۔

اور پولیس آج تک کچھ نہ کر سکی...... چیک میں رقم کتنی تھی پچیس ہزار...... گھنشام داس کے نام پر اور لطف یہ ہے کہ گھنشام داس کا کوئی وارث نہیں بنتا۔

پہلے چیک بھی اسی مالیت ہی کے تھے جس کا یہ چیک تھا اور کن کن ناموں سے وابستہ تھے۔

مالک مختلف ہیں یہیں آ کر کیس گتھی بن گیا پھر وصول کنندہ چار شخص شیاموشیب دیال بشیر ناتھ مگر وارث ایک کا نہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی شخص نے چار پانچ ناموں سے کھاتے کھول رکھے ہوں۔

"ہیر یو آر...... آواز نہیں دی جا سکتی اس بیدار نقدی کی۔" رعنا خوش ہوتے بولی۔" میں جاتی ہوں محفل واقعات واپسی پر بیان کروں گی۔"

"جلدی نہ کرو رعنا۔" پہلے یہ بتاؤ کہ گولی کے متعلق کیا خیال ہے کہاں سے چل سکتی ہے۔

سڑک سے گولی چلائی جائے اور کوئی نہ دیکھے یہ ممکن نہیں بینک کے سامنے چار منزلہ عمارت ہے جس میں مختلف فیملیاں کرایہ پر رہتی ہیں۔ درمیان میں سڑک ہے۔ بہ مشکل فاصلہ پچاس گز ہوگا۔ گولی اس ہی عمارت سے چل سکتی ہے۔ جس کے لیے تھوڑی دیر میں کافی معلومات جنہیں ہر شخص لاعلمی ظاہر کرتا ہے۔

کیا فائر کی آواز سے بھی انکاری ہے۔

واقعہ گیارہ بجے ہوا...... مرد عموماً دفتر چلے جاتے ہیں۔ عورتوں کا کہنا ہے آواز ضرور سنی مگر شبہ یوں نہ ہوا۔ آخر بسیں جو سڑک پر گذرتی ہیں۔ ان سے بھی ایسی آواز بھی کبھی پیدا ہوتی ہیں۔ نہیں مل سکی تو ایک لڑکی سے جو کسی دفتر میں ناپسند ہے اس لیے اس کا کمرہ دن بھر بند رہتا ہے گولی لازمی اس کے کمرے سے ہی آئی ہے۔ کیوں کہ کاؤنٹر کا سامنا اس کی کھڑکی سے ہی ہوتا ہے۔

"جب تو لازمی وہ ہی لڑکی مجرم ہے پرویز منع کرتے ہوئے بولا نہیں تو اس کا کس گروہ سے تعلق ہے جس کے لیے رعنا کچھ نہ کر سکے گی آپ کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ ہم جنس ہم جنس کے دل سے خوب راز نکال سکتی ہے رعنا مسکرا کر بولی مگر کھوپڑی پر تو اباندھ کر جانا۔

پرویز سنا ہے شیلا ہے بگڑے دل کی۔

"شیلا...... گویا آپ نام بھی معلوم کر آئیں کس شکل

وشباہت کی لڑکی ہے۔" پرویز نے سوال کیا۔

"لڑکی نہیں..... سمجھ لو ماں ہے جھریوں بھرا چہرہ کالا رنگ آگے کے دانت غائب مگر لپ اسٹک پاوڈر موجود ہیں مسٹر پرویز کے لئے۔"

"تب تو مسٹر زیدی کو تکلیف کرنا ہوگی میرا تو ہارٹ فیل ہو جائے گا شکل دیکھ کر....."

"بس ختم ہوگئی داستاں حسن و عشق۔" زیدی بگڑتے ہوئے بولے۔" رعنا اس بے وقوف کے منہ لگ کر وقت خراب نہ کرو..... یہ آج معلوم کرنا ہے کہ چیک کاٹنے والے کتنے ہیں۔ یہ خونی چیک کس خدمت کی بنا پر دیا گیا تھا کیوں کہ ان کو تو فرصت نہیں دیوان خرکیں لکھنے سے۔

"خرکیں..... چرکیں تو سنی تھی یہ خرکیں کون سے شاعر گزرے ہیں۔" رعنا سوکھا سا منہ بنا کر بولی۔

"گدھے خرکیں ہی کہہ سکتے ہیں....." زیدی نے جواب دیا۔

"کیا قدر افزائی فرمائی ہے۔" پرویز منہ بنا کر بولا۔

"خدا کی قسم ہوتے چچا غالب تو منہ چوم لیتے۔"

"چچا غالب نہ سہی۔ بھتیجے..... کلب تو موجود ہے۔" رعنا مسکرا کر بولی۔

"سر دست تو کلبی سے پالا پڑا ہے۔" پرویز اکڑ کر بولا ہوگا۔

"ذرا جلدی سے سناؤ الو..... رعنا مسکرا کر بولی۔

ہم بھی تو سنیں کیا لکھ مارا.....

"نہیں سناتے..... وہ ہی مثال ہوگئی بھینس کے آگے بین بجائے بڑی پڑی۔ نانے جیسے قدر آپ کی انہوں نے کی ویسی ہی آپ کریں گی۔ یہ کون دیکھے کلیجہ نکال کر رکھ دیا ہے۔" پرویز شاعرانہ انداز میں بولا بہت مشکل ہے رعنا وقت کے لحاظ سے صحیح نا کہ پیش کرنا۔"

"کیا کہنے..... سناڈالیے میں ہمہ تن محو ہوں۔

نہیں مانتی تو ملاحظہ فرمایئے۔

"کیا کہنے۔"

ارشاد کرتا ہوں..... اس جا پہ ہم آئے ہیں جہاں سر پہ میخانہ ہے۔

واہ واہ کیا کہنے۔ رعنا مسکرا کر بولی مگر حضور سر دست تو جناب کی زبان پر ہے۔

ہی..... ہی..... دانت نکالتے شرم نہیں آتی.....

پرویز دانت نکالتے ہوئے بولا۔ نہ بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کا لحاظ۔

اوہ غلطی ہوگئی۔ برخوردار..... مصرعہ ثانی ارشاد فرمایئے

بس بس نا اہلوں میں اپنا کلام سنا کر خون کرنا سمجھتا ہوں اپنے کلام کا۔

اب بھونک بھی الّو..... لو کان پکڑتی ہوں اب کہو تو لینا تھوک میرے.....

"پرویز بات کاٹتے ہوئے بولا..... کہہ دو کہہ دو میرے منہ پر نہیں تھوک برباد جائے۔ مجھے گوارہ نہیں۔

"رعنا....." پرویز چیخا" بدتمیزی کی حد ہوگئی۔"

بدتمیزی نہیں شاعر بے ڈھب بد تہذیبی..... لو اب جلدی سے سناؤ الو سارا مزہ کرکرا ہوا جا رہا ہے۔

"کہہ دیا نہیں سناؤں گا بس....."

تمہیں قسم ہے لنگور والی رعنا کی اب انکار نہ کرنا۔

"ہوگی تو نہیں..... پہلے قول دو۔"

"کبھی نہیں..... ہرگز نہیں..... زندگی بھر نہیں پایا! وہ توبہ بابا۔

"نہیں دم گئی بنی عرض کیا ہے....."

اس جا پہ ہم آئے ہیں جہاں سر پہ میخانہ ہے
ارے حسن کمانے تجھے چوندے پہ جانا ہے

واہ واہ کیا کہنے..... صد لعنت..... جواب نہیں اس شاعری کا مگر ایک بات بتایئے کیا شعر لکھتے وقت سندھ یا پنجاب کی وادیوں میں ایک کا شعر مبارک گٹر مشق کر رہا تھا۔

گٹر مشق زیدی ہنس کر بولے..... یہ گٹر مشق کیا رعنا میں سمجھا نہیں" اوہ حضور نہیں سمجھے..... سمجھیے۔"

گٹر بمعنی گندے پانی کی جگہ اور مشق کے معنی..... پریکٹس میرا مقصد ہے ان کی صفائی رعنا منہ ہاتھ سے دبا کر بولی۔"

مگر حضور میں نے کہا ہے گٹر مشت بھلا گٹر مشت گٹر مشق میں کہوں اور مسٹر پرویز ایم۔ ایس سی پی ایس سی کی شان والا تبار ہیں نعوذ باللہ۔

"اچھا..... تو چھپ چھپ کر آپ دونوں میرا خون چیک کرتے ہیں۔ بولا دانت کھٹے کر دیے ہیں۔ الو ایس پی کے۔

کیوں نہیں..... کیوں نہیں..... آپ کی گفتگو کیا ہے۔

سوکھی ہوئی کھٹائی ہے کھٹائی۔

چھوڑو دو رعنا ہودے کو جاؤ اور کام کرو زیدی نے تحکمانہ انداز میں کہا رعنا مسکراتی ہوئی کھڑی ہوئی پرویز نے اسٹینڈ سے ٹوپی اتاری اور اکڑتے ہوئے زیدی کے پاس پہنچ کر بولا۔

اچھا..... مسٹر زیدی..... اپن چلے ذرا مس شیلا سے ملاقات منظور ہے کیا خیال ہے.....

دیکھو پرویز مذاق کی حد ہو چکی اگر کام کرنا ہے تو کرو زیدی بولے ورنہ ڈگڈگی لے لو اور بندر نچاؤ۔

بندر کہاں ملتا ہے وہ تو سب سمندر پار چلے گئے ہیں۔

"پرویز سوکھا سا منہ بنا کر بولا ایک بندریا سے پالا پڑ گیا ہے جو ہم کو ہی نچا رہی ہے۔

"آپ دیکھیں کیسا کام کرتا ہوں موڈ میں ہوں۔

"کیوں نہیں۔"

"موڈ آپ کا ہمیشہ لڑکیوں کے معاملے میں ٹھیک ہو جاتا ہے زیدی طنزیہ بولے۔

مگر دیکھو وقت خراب نہ کرنا اور گدھوں کے جیسی باتیں نہیں۔ شیلا یہ نہ سمجھنے پائے کہ تم کیا ہو اور کیوں باز پرس کر رہے ہو اپنی ہمدردی کو یہیں رکھتے جاؤ کہیں فرض کو کچل ڈالو۔

آپ دیکھیں..... کام کر کے نہ آؤں تو میرا نام نہیں۔"

پرویز اور رعنا اپنی اپنی منزل کی طرف بڑھ گئے۔

"رعنا کی کار مختلف سڑکوں سے گذرتی ہوئی لکشمی بلڈنگ کے پھاٹک پر جا کر ٹھہری رعنا نے کار سے گردن نکالی اور بلڈنگ کی حالت سے مالک کے اوقات کی حالت بھی صدر دروازہ پر سنتری پہرے پر موجود تھا۔

رعنا نے ہارن بجایا سنتری پھاٹک کی کھڑکی سے گردن نکال کر جھانکا اور سوال کیا۔

"فرمایئے کیا حکم ہے۔"

"تمہارے ساہو صاحب ہیں کیا۔" رعنا نے سوال کیا۔

"جی ہیں مگر ملاقات کا یہ وقت نہیں" سنتری بولا۔

"اچھا۔ کیا ان سے ملنے کے لیے وقت مقرر ہے.....

کیوں کام کی زیادتی ہے یا بڑے آدمی ہیں۔"

"نہیں کہہ سکتا جناب حکم کا بندہ ہوں۔"

اطلاع کراؤ۔ میں بغیر ملے نہیں جاؤں گی۔ کہو پولیس کی طرف سے کوئی آیا ہے.....

"پولیس..... وہ ابھی لیجیے حضور۔" سنتری گیا اور تھوڑی دیر بعد لوٹا بند پھاٹک کھولا۔

رعنا کار راڑلتی ہوئی برساتی میں پہنچی۔ کار کی آواز پر ایک نوجوان کوٹھی سے باہر نکلا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

رعنا کار سے اتری کھڑکی زور سے بند کی آنے والے نے آگے بڑھتے ہوئے ہاتھ ملانے کے لیے ہاتھ بڑھایا رعنا نے حقارت آمیز نظروں سے دیکھا جس کے چہرے سے نطرت اور عیاری برس رہی تھی۔

آنے والا مسکرا کر بولا۔" مجھے کیلاش بابو کہتے ہیں۔ رائے صاحب کا پرائیویٹ سیکریٹری۔"

رعنا غضب ناک انداز میں بولی۔" مجھے رائے صاحب سے ملنا ہے۔"

"کیلاش شرمندہ ہو کر کہتا ہے تشریف لایئے رائے صاحب اندر تشریف رکھتے ہیں۔"

آگے آگے کیلاش پیچھے رعنا اندر کوٹھی میں داخل ہوئے کئی کمرے طے کیے۔ اس کے بعد ایک کمرہ تھا جس میں رائے بہادر بیٹھا تھا۔

رعنا نے سرسری نظر کمرے پر ڈالی جس کو سجانے میں

کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ رائے بہادر نے کھڑے ہوتے ہوئے ہاتھ بڑھایا مگر رعنا نے وہی سلوک کیا جو کیلاش کے ساتھ کیا تھا ہاتھ نہیں ملایا۔ بلکہ رائے صاحب کے چہرے پر ایک تجسس آمیز نظر ڈالتی ہے رائے صاحب کی عمر ساٹھ پینسٹھ سال کی ہوگی مگر تندرستی بتاتی تھی کہ نوجوان ہے بھرا بھرا چہرہ بڑی بڑی آنکھیں سرخ و سفید رنگ وہ اس وقت تک سونے کے لباس میں تھا۔

''رائے صاحب کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولے۔ فرمایئے کیسے تکلیف فرمائی۔''

رعنا نے کیلاش کی طرف منہ کر کے کہا ''تم باہر جاسکتے ہو۔''

ہاں..... ہاں کیلاش بابو..... تم باہر جاؤ۔'' رائے بہادر نے حکم دیا۔

رعنا صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''مجھے آپ سے کچھ معلومات کرنی ہیں۔''

''فرمایئے میں حاضر ہوں۔''

جیب سے چیک نکال کر دکھاتے ہوئے کہتی ہیں۔ ''یہ دستخط آپ کے ہیں۔

''جی..... جی..... میرے ہیں۔''

''یہ چیک کس کو دیا گیا تھا اور کیوں دیا گیا اس کی وجہ بیان کیجیے۔''

''یہ میں نہیں بتا سکتا میرا پرائیویٹ سیکریٹری بتائے گا۔''

''اچھا اتنی بڑی رقم اور آپ نہیں بتا سکتے کہ کس کو کس کام کے لیے دی گئی۔'' رائے صاحب یا تو آپ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں یا واقعات سے بے بہرہ ہیں اس چیک نے کسی کی زندگی۔''

''قتل بینک کے اندر پر آپ کون ہیں۔''

میں..... میں پرائیویٹ سیکریٹری مسٹر زیدی ہوں اور بتاؤں یوں سمجھ لیجیے انسپکٹر سی آئی ڈی مس رعنا ہوں۔'' ''کیا بزنس ہوتا ہے آپ کے یہاں۔''

''میرے یہاں جواہرات کا کام ہوتا ہے غلے کا بیوپار ہوتا ہے لین دین بھی ہوتی ہے لاکھوں روپیہ لگا ہوا ہے اس کام میں۔''

''آپ گھنشام داس نامی انسان سے واقف ہیں۔

''نہیں میں نہیں جانتا۔''

تو آپ یہ بھی نہیں جانتے کے جس چیک پر آپ کے دستخط ہیں۔ وہی آدمی بینک میں قتل ہوا ہے۔

''یقین جانیے۔ مجھے علم نہیں۔''

ہوسکتا ہے..... بلوایئے اپنے سیکریٹری کو مگر مہربانی کر کے خاموش رہیں میری گفتگو کے درمیان بولنے کی بھولے سے بھی کوشش نہ کریں۔

رائے بہادر گھنٹی بجاتے ہیں کہ کیلاش اندر آتے ہوئے کہتا ہے۔ ''مجھے یاد فرمایا گیا ہے۔''

جی آپ کو..... رعنا قہر آلود نظروں کے ساتھ بولی۔

''مسٹر کیلاش رائے بہادر صاحب فرماتے ہیں کہ گھنشام داس کے قتل اور چیک کی اصلی وجہ آپ بتا سکتے ہیں۔''

''کون گھنشام داس اور کون سا قتل کیسا چیک'' کیلاش بولا۔

''اچھا تو آپ تمام قتل سے واقف ہیں..... کیوں نہیں..... سردست تو گھنشام داس کو جو چیک آج دیا گیا ہے پچیس ہزار کا اس کے متعلق بیان کرو۔''

چیک میں نے دیا ہے کیوں کے پچیس ہزار کے جواہرات خریدے تھے۔

کیلاش بولا۔

''اچھا تو یہ گھنشام داس آپ کے قلم سے لکھا ہوا ہے اور دستخط رائے بہادر صاحب کے ہیں۔''

''جی میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔''

''اچھا آپ کہاں تک پڑھے ہیں۔''

''بی اے کیا ہے۔''

''بی اے ہیں آپ..... یہ دیکھیے دوسرا چیک۔ شاید اس سے اس کی تحریر ملتی ہے..... حالانکہ ہاتھ بگاڑنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔''



''نہیں دوسرے چیک پر کوئی لفظ میرے ہاتھ کا نہیں۔''

''جب تو تیسرے اور چوتھے چیک سے بھی انکار کرو گے مگر بینک والوں سے چھپ سکو گے وہ آپ کی ہر تحریر پہچانتے ہیں۔ اب یہ فرمایئے۔ اس سودے کا علم رائے صاحب کو کر دیا گیا یا نہیں۔''

''دستخط تو رائے صاحب کے ہیں اگر علم نہ ہوتا تو دستخط کیوں کرتے گویا رائے صاحب کو یہ معلوم تھا کہ پچیس ہزار کے جواہرات گھنشام داس سے خریدے ہیں اور مال خرید کے چیک دیا تھا۔''

جی..... چیک دیا ہی جب جاتا ہے جب مال ہماری تجوری میں آجائے تو پھر وہ جواہرات ساہو صاحب کو تم نے دکھائے۔''

نہیں کیوں کہ رائے صاحب زنانے میں تشریف رکھتے تھے۔ جواہرات کس فرم سے خریدے گئے تھے اور کیا کیا خریدا ہے۔ اب رائے صاحب کو دکھادو۔''

''جواہرات کسی فرم سے نہیں خریدے بلکہ گھنشام داس نامی شخص سے خریدے تھے۔''

کہاں..... کیا یہیں کوٹھی پر رائے صاحب کی موجودگی میں۔''

جی..... جی خریدے کوٹھی پر مگر رائے صاحب جب تشریف نہ رکھتے تھے۔

اچھا..... آپ گھنشام سے کب سے واقف ہیں۔

میں اسے پہلے سے نہیں جانتا تھا مال لے کر آیا اور سودا ہوگیا۔

اور آپ نے یہ پوچھنے کی کوشش بھی نہیں کی کہ تو کہاں سے لایا دکان ہے یا چوری ڈکیتی کر کے لایا ہے۔ شاید ایسا مال خریدنے کے عادی ہیں۔

جی نہیں اس دفعہ کے علاوہ ہم نے نہ کبھی مال خریدا نہ چیک۔

''دیا اس کے متعلق بینک بتائے گا کہ چیک دیے ہیں یا نہیں۔ یہ آپ بتائیں کہ چوری کا مال خریدنا جرم ہے یا نہیں۔''

''جرم تو جب ہو..... جب ہم جانتے ہوئے چوری کا مال خریدیں۔''

''جواب تسلی بخش نہیں ہوا کیلاش بابو..... پچیس ہزار تک خریدا جاتا ہے اور اس سے نہیں پوچھتے کہ یہ مال کہاں سے لایا جاتا ہے اور تو کون ہے یہیں کا رہنے والا ہے یا لندن سے آیا ہے۔ مسٹر کیلاش ہوش سنبھالو پولیس میں پہنچ کر بہکی بہکی باتیں نہ کرسکو گے سردست مال مسروقہ خریدنے کے لیے پولیس میں ضرور چلنا ہوگا اور تھانے پہنچ کر سب کچھ اگل دو گے۔

یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ہم مال ہمیشہ دلال کے ذریعہ خریدتے ہیں ہمیں کیا معلوم کہ بیچنے والا چور ہے۔

''کسی ایسے دلال کا نام بتاؤ جس کے ذریعہ ایسا مال خریدا ہو۔''

اس نے یہ بتایا کہ میں لکھنو کا دلال ہوں اور کسی نواب کا مال بیچنے آیا ہوں۔

اچھا..... جب ہی..... وہ چیک کا روپیہ لینے گیا تو اس کو گولی سے اُڑا دیا تاکہ مال ہضم اور پیسہ بھی محفوظ کیوں کہ گھنشام داس کا کوئی وارث ہے نہیں۔ اچھا دھندہ ہے۔ نفع ہی نفع ہے بڑے وفادار ہو رائے صاحب کے حالاں کہ ان کو بچانے کی لاکھ کوشش کی مگر گھنشام داس کے قتل سے نہ بچے نہ بچا سکے۔ کیوں کہ اس رقم کا فائدہ جب ہی رائے صاحب کو پہنچ سکتا ہے۔ جب گھنشام داس قتل ہو جائے اور قتل کرنے والے سوائے کیلاش بابو کے کوئی اور نہیں۔ حالاں کہ رائے صاحب کا کہنا ہے کہ مجھے کوئی علم نہیں کہ پچیس ہزار کے جواہرات خریدے گئے اور چیک گھنشام داس کو دیا گیا۔ تم ہی بتاؤ کس کو جھوٹا اور کس کو سچا سمجھوں سردست تو کیلاش بابو تمہیں چلنا ہوگا۔ کان کھول کر سن لو مسٹر..... خود پھانسی کے تختے سے بچالو صاحب نہ اُتار سکیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تھانے جانے سے پہلے صاف صاف بتادو ممکن ہے کچھ رعایت برت جاؤں۔

”میں بالکل بے گناہ ہوں۔ بس اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”جب تو مجھے پولیس بلانا پڑے گا۔“ رعنا رائے صاحب کی طرف منہ کر کے بولی...... ”میں آپ کا فون استعمال کر سکتی ہوں۔“

”ضرور...... ضرور...... آیئے۔“

”ساہو صاحب رعنا کو دوسرے کمرے میں لے جانے کے لیے اشارہ کرتے ہیں۔

رعنا پریشان ہوتی ہے کہ کیا کرے مجبوراً وہ کیلاش سے کہتی ہے۔

”مسٹر کیلاش اپنے کو مصیبت میں گرفتار کرنے کی کوشش نہ کرنا سمجھ گئے۔“

اتنا کہہ کر رعنا نے اپنا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈال کر ریوالور کو قبضہ میں کیا۔ کیوں کہ وہ رائے صاحب کی طرف سے بھی مشکوک ہو چکی تھی اور اسے اندیشہ بھی تھا۔ اس لیے انتہائی ہوشیاری سے وہ رائے صاحب کے ہمراہ فون تک پہنچی۔“

رائے صاحب ریسیور بڑھاتے ہوئے بولے۔ ”انسپکٹر صاحب...... کم از کم اتنا تو آپ سمجھ چکی ہیں۔“

”کہ جو کچھ ہوا ہے اس سے میں قطعی ناآشنا ہوں۔ میری عزت و آبرو آپ کے ہاتھ ہے...... اور...... اور اس کمبخت کے بھی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ آپ چاہیں تو اس کی جان بچ سکتی ہے۔ میں جہاں تک سمجھا ہوں کہ اُسے دھوکا دیا گیا ہے۔ میں ہر خدمت کو تیار ہوں۔“

رائے صاحب...... مجرم کون...... کون ہے...... کچھ نہیں کہا جاسکتا...... اتنا ضرور سمجھتی ہوں کہ کیس اس شخص کے ہاتھوں میں ہے۔ جس نے اُلجھے ہوئے کیسوں کو دو منٹ میں صاف کر لیا ہے۔ اب رہا خدمت کا سوال تو جو شخص اپنی وضاحت نہیں کر سکتا۔ وہ دوسروں کے کام کیا آئے گا۔ اگر یہ جذبہ ہے تو عیاشی چھوڑ کر ملک کے غریبوں سے ہمدردی کیجئے۔ ایک دن یہاں سے جانا ہے۔ دولت اور عزت ساتھ نہ جائے گی اور جو آپ کر رہے ہیں۔ وہ ضرور ساتھ جائے گا۔ مگر بہت مشکل ہے۔“

رعنا نے ریسیور اٹھاتے ہوئے نمبر رنگ کی اور یوپی پولیس اسٹیشن...... ہاں...... جی...... کون آپ...... کیا...... کیا......

”یہ آپ کیا فرما رہے ہیں ابھی لیجئے۔“

”رعنا نے جہاں کیلاش کو چھوڑا تھا۔ فائر کی آواز پر بڑھتے قدم سست پڑ گئے پھر کچھ سوچ کر بھاگی......

”کیلاش زمین پر پڑا تھا اور خون کا فوارہ سینے سے بہہ رہا تھا۔ ریوالور کیلاش کے داہنے ہاتھ کے برابر پڑا تھا۔ رعنا اور رائے صاحب کیلاش کی لاش کے پاس پہنچے۔ رعنا کو گھورتے ہوئے رائے صاحب بولے۔ ”آخر مجبور کر دیا۔ ایک بے گناہ کو خودکشی کرنے پر...... زندگی بھر اس کے بچے بددعا کریں گے۔“

”رعنا تصویر حیرت بنی کھڑی تھی۔ سخت شرمندہ تھی کہ وہ اُسے تنہا چھوڑ کر کیوں گئی۔

”رائے صاحب نے پولیس کو فون پر اطلاع دی چند منٹ بعد ہی پولیس رائے صاحب کی کوٹھی پر پہنچی۔“

”سب انسپکٹر نے حیرت زدہ ہو کر رعنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔“

”آپ...... آپ یہاں کیسے۔“

”یہی تو اس غریب کی جان لینے کا باعث بنی ہیں۔“ رائے صاحب اکڑ کر بولے۔

آپ...... نہیں...... نہیں ایسا نہیں ہو سکتا کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی سب انسپکٹر بولا۔

”بکومت رائے صاحب...... زیادہ زبان چلانے کی کوشش نہ کرو اس طرح جان بچا نہ سکو گے۔ جس پولیس کو دیکھ کر شیر ہو رہے ہو میرے ایک ذرا سے اشارہ پر یہی پولیس ہتھکڑیاں پہنا سکتی ہے۔ پھر تمام دولت بھی صرف کر دو گے تو ہاتھ نہ چھڑا سکو گے۔“

”رعنا بگڑتے ہوئے بولی داروغہ جی...... لاش تھانہ لے جایئے۔ جینک کے کیس میں یہ مجرم تھا۔ غلطی اتنی



ہوگئی کہ میں فون کرنے چلی گئی اور اس نے خودکشی کر لی۔

”فکر نہیں...... مرنے دو...... سپاہیو...... لاش اُٹھا کر گاڑی میں ڈال دو۔ سب انسپکٹر رعب دار لہجہ میں بولا۔“

”سپاہی جاتے ہیں کہ لاش اٹھائیں کے زیدی کمرے کے اندر آتے ہوئے بولے۔“

”خبردار لاش کو نہ چھونا۔“

”سپاہی سہم کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ زیدی نے لاش کو بغور دیکھا۔ حالاں کہ لاش چت پڑی تھی۔ مگر خون لاش کے دونوں طرف نظر آ رہا تھا اور کچھ بوندیں جہاں لاش پڑی تھی۔ اس سے گز ڈیڑھ گز کے فاصلے پر بیرونی کھڑکی کی طرف بھی نظر آ رہی تھی۔ لاش کے برابر کی دری بھی سمٹی ہوئی تھی۔ جیسے گولی کھا کر گرنے والے کا رُخ بدلا گیا ہو اور جلدی جلدی کھینچا تانی میں دری سکڑ گئی ہو کھڑکی حالاں کہ بند تھی۔ مگر زیدی نے کھڑکی کھولی اور باہر کی طرف جھانکا اور مسکرا کے اور چند منٹ بعد وہ کوٹھی کے باہر نیچے کی طرف زمین پر بیٹھے ہوئے بغور کچھ دیکھ رہے تھے۔

”رائے صاحب اور سب انسپکٹر خود رعنا بھی بے حد پریشان تھی کہ زیدی کیا کر رہے ہیں۔ یکایک زیدی کی آواز پر رعنا چونکی اور بھاگتی ہوئی زیدی کے پاس پہنچی۔ زیدی بدستور اسی طرح بیٹھے تھے۔ رعنا کے پہنچنے پر بولے۔

”رعنا۔“ تمہاری ذرا سی نادانی نے کیس کو گتھی بنا دیا۔ ”کیلاش کو مار کر دشمن نے اپنی پوری پوری حفاظت کر لی۔“

میں سمجھی نہیں...... حضور......“ رعنا چونکتے ہوئے بولی۔

”خودکشی نہیں رعنا...... یہ نشان دیکھتی ہو......“ زیدی ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

”جی...... یہ تو کتے کے پنجے معلوم ہوتے ہیں۔“

”نہیں رعنا...... یہ کتے کے پنجے نہیں ہیں۔ کودنے والے کی انگلیاں ہیں۔ جنہیں بھاگتے بھاگتے مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔

”کیا جناب کا نظریہ یہ ہے کہ کیلاش کو قتل کیا گیا ہے۔“

”کھلی ہوئی بات ہے رعنا۔ کھڑکی کی طرف خون کی بوندیں ثبوت ہیں۔ اس بات کا کہ گولی کھڑکی کی طرف چلی...... گولی لگتے ہی خون باہر آتا ہے۔ گولی کھا کر کیلاش جھکا ہے۔ جس کی وجہ سے خون دری پر بوندیں بن گیا۔ کیوں کے گولی دل پر لگی۔ اس لیے گرتے گرتے اس کا رخ بدل دیا گیا۔ یعنی کھڑکی کی طرف پشت جب پشت ادھر تھی خون کا ادھر ہونا کیا مقصد۔ ماننا پڑتا ہے اور تم خود آنکھوں سے بھی دیکھ لیتی اگر فائر ہوتے ہی ٹھٹک نہیں جاتیں۔“

”یہ آپ کو کیسے معلوم ٹھٹکی یا نہیں۔“

”علم غیب نہیں فطری چیز ہے۔ ایک دم انسان اس قسم کی حرکت پر چند منٹ مبہوت ہو جاتا ہے۔“ اچھا...... چھوڑو کیمرہ ہے تمہارے پاس اس کا فوٹو لے لو۔

رعنا اس کا فوٹو لیتی ہے۔ زیدی کمرے میں پہنچے۔ ریوالور کی نالی پکڑی اور دستہ کو بغور دیکھا...... سب انسپکٹر کو حکم دیا...... داروغہ جی لاش فوراً پوسٹ مارٹم کو بھیج دو...... ہاں سنو۔“

”سب انسپکٹر زیدی کے پیچھے ہو لیا...... باہر نکل کر زیدی بولے۔“ خاص طور پر ڈاکٹر سے یہ معلوم کرنا ہے گولی کتنی دور سے چلی ہے۔

”بہتر حضور......“ داروغہ جی نے جواب دیا اور پوچھا۔

”کیا رائے صاحب کو۔“

”نہیں۔ ابھی نہیں...... اس کے خلاف ثبوت نہیں مل سکا تاہم فکر نہ کیجیے۔

”زیدی ریوالور نالی کی طرف ہی پکڑے رعنا کو ساتھ لیے واپس لوٹ گئے۔

رعنا گاڑی ڈرائیو کر رہی ہے۔ زیدی کسی گہری فکر میں لگے ہوئے رعنا کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ رعنا نے بغور زیدی کو دیکھا۔“

وہ تڑپ کر رہ گئی...... زیدی کا پوز اس درجہ حسین تھا۔

”نظریں ترچھی...... چہرہ مثل گلاب سرخ زلف سیاہ کی لٹ ماتھے پر بل کھائی ہوئی کہنی کھڑکی پر ٹیکے مگر تھوڑی

ہاتھ پر لگی ہوئی۔ یکا یک ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔ جسے زیدی نے دیکھ لیا تھا۔ وہ حیرت زدہ رعنا کو دیکھتے ہیں کہ یہ حضرت آج بہک کیوں رہی ہیں۔"

ابھی کچلی تھی کوئی زندگی...... جیسے ہی رعنا کی طرف منہ پھرایا اور نظریں بچاتے ہوئے بولے۔ "رعنا کیا ارادہ ہے۔ کس کو کچلنے کا۔"

"آج خود ہی کچل گئی۔ مسٹر زیدی......" رعنا آہ سرد کے ساتھ بولی۔ "ہاتھ قابو میں نہیں جو کچھ نہ ہو تھوڑا ہے۔"

کیا دیکھ لیا رعنا......

"جمال یار...... جو کوہ طور پر چمکا...... کبھی وادیِ یمن میں تو کبھی نجد کے بن میں...... کبھی مکہ کی گلیوں میں کبھی مدینہ کی راہوں میں......

"سنبھلو رعنا سنبھلو...... کہیں طور کا وہ ہی حشر نہ ہو۔ جمال یار سے نظر لڑانا...... مجھے گھر پہنچا کر کہیں اپنا بھی وہ ہی حال نہ ہو جو طور پر جانے والوں کا ہوا تھا۔"

"کہاں لطف حضور جب وہ نظروں کے سامنے نہ ہوں۔ زندگی بے کیف آہ بے اثر دل کی دنیا اور اس کا مزہ جب ہے کہ وہ ساحل پر ہوں اور کشتی ڈوبتی اپنی......

"ارے ارے رعنا...... بہکا جا رہا ہوں۔ کہیں زور سے آہ نہ کر بیٹھنا...... آج آپ عشق کی آخری منزلوں میں ہیں۔ جس منزل میں آہ بے اثر نہیں ہوتی۔ کہیں طور کی طرح مجھے جلا ڈالو۔ وہ کیا جلائے زمین جو خود جل رہے ہیں۔"

"شمع پہلے خود جلتی ہے رعنا بعد میں پروانہ...... کیا غلط ہے۔"

"کس نے کہا تھا دیوانہ سے جو خود جل رہی ہے۔ اس پر زندگی جیسی شے قربان کردے۔ سنا نہیں آپ نے جو خود ڈوب رہا ہو۔ وہ دوسروں کو بھی لے ڈوبتا ہے۔"

"جب ہی ایکسیڈنٹ پر تلی ہوئی ہیں۔

"حبیب۔ محبوب کے غم میں جب بے قرار ہو جاتا ہے تو چاہتا ہے موت آجائے مگر کب جب وہ سامنے آجائیں تاکہ آخری وقت اگر آنکھیں بند ہوں تو ان کا بیان لے کر پتھر بن جائیں تاکہ وفا حشر کے میدان تک جمے رہیں اور ان ہی کی بناء پر وہ محبوب کو اس وقت بھی پہچان لے۔"

"کیا قدر کی ہے۔"

"ایک دم رعنا نے بریک مارتے ہوئے گاڑی روک دی زیدی مسکرا کر بولے۔"

"کیوں کیا تیل ختم ہو گیا۔ یہ گاڑی کیوں رک گئی۔"

"داستان حسن و عشق سننا ہے۔ وہ دیکھیے پرویز صاحب کی کار کھڑی ہے۔" رعنا انگلی اُٹھاتے ہوئے بولی۔"

"پرویز...... اور اس کی کار...... کیا یہی جگہ ہے جہاں شیلا رہتی ہے۔"

"جی یہ بینک ہے وہ سامنے شیلا کا کمرہ......"

"ارے پرویز...... یہ حضرت کھڑکی کھولے کیا دیکھ رہے ہیں۔

"شاید ہمیں دیکھ لیا...... کھڑکی بند ہو گئی...... کہیں ظالم نے اپنا سکہ بٹھانے کو اپنا نام وغیرہ نہ بتایا ہو...... جو سارا معاملہ ہی چوپٹ ہو جائے۔"

"رعنا اور زیدی کار سے اُترے اور آہستہ آہستہ بلڈنگ کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے شیلا کے کمرے کے پاس پہنچے اور چھپ کر اندر کی گفتگو سننے لگے کہ شیلا کی مترنم آواز آئی۔

"فرمایئے کیا خیال ہے مکان پسند آیا۔"

"جی بہت زیادہ...... کیا کوئی کمرہ مجھے بھی مل سکتا ہے۔" "کچھ نہ پوچھیے دن تو کٹ ہی جاتا ہے کار میں مگر رات بھی اس میں ہی گزارنی پڑتی ہے۔"

"کیا شادی وادی نہیں ہوئی۔"

"فی زمانہ شادی ہوتی ہے مکان کے ساتھ جن کے پاس اپنے سر چھپانے کو جگہ نہ ہو۔ وہ دوسرے کو کہاں بٹھائیں اور شادی کیسے ہو عذر بھی معقول ہے۔ کیا بالکل تنہا ہیں۔

"جی بالکل...... کیوں کہ کوئی اپنا ہے نہیں......"

"کیوں کیا مقصد ہے۔"

"کچھ نہیں...... آپ نوکر کہاں ہیں۔"

"راحم آنو موبائل کمپنی میں ٹائپسٹ ہوں۔ کیا اجازت ہے کبھی کبھی حاضر ہو جایا کروں۔"

"لائف انشور تو کرانا نہیں۔ اس کے علاوہ اگر ضرورت سمجھیں تو حاضر ہوں۔

آج نہیں تو کل...... زندگی انشور ضرور ہوگی۔ تنہائی چین سے بیٹھنے نہیں دے گی۔"

"قبل اس کے پرویز کی گفتگو ختم ہو۔ زیدی چپکے سے کھسک گئے۔" اب جو رعنا نے منہ پھرا کر دیکھا تو زیدی غائب تھے۔ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے نیچے اُتری اور سب سے پہلے کار میں نظر ڈالی اور اِدھر اُدھر دیکھا مگر زیدی کا پتہ نہ چلا کہ یکا یک ایک شخص انتہائی تیزی سے رعنا کے پاس گزرا۔ رعنا نے اس کی تیز رفتاری پر پلٹ کر دیکھا۔ مگر چہرہ نظر نہ آیا۔ کیوں کہ وہ بلڈنگ کی سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا۔ رعنا اس وقت تک دیکھتی رہی۔ جب تک وہ نظروں کے سامنے رہا۔ اس کے بعد وہ کار کی طرف بڑھ گئی۔

"جانے والا چڑھتے ہوئے شیلا کے دروازہ پر رُکا اس نے پرویز کو بغور دیکھا۔ ایک دم شیلا گھبرا کر بولی......

"آیئے...... آیئے...... مسٹر" کہ آنے والے نے کوئی اشارہ کیا شیلا بات گھما کر بولی۔" آپ سے ملئے آپ مسٹر سنتوش انشور ایجنٹ آپ مصر ہیں۔ میں لائف انشور کرالوں۔"

"آنے والا بولا۔" کیا حرج ہے کر ڈالو کر ڈالو نیک کام ہے۔"

"پرویز سمجھ گیا کہ یہ ضرور کوئی فتنہ ہے اور شیلا اسے دیکھ کر جو گھبرائی ہے۔ کوئی خاص مقصد ہے لہٰذا اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں اتنا سوچتے ہی پرویز ہاتھ جوڑ کر سلام کرتے ہوئے بولا۔ اچھا دیوی جی اجازت دیجیے پھر حاضر ہوں گا۔ اب آپ...... تشریف لے آئے ہیں۔

میرا باتوں میں مخل ہونا مناسب نہیں۔"

"اتنا کہہ کر پرویز آگے بڑھا اور آنے والے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔" اچھا دوست ہم چلے مگر آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"میں منیجر ہوں اس سینما کا جب بھی ضرورت ہو وہاں آ کر مل سکتے ہو سمجھ گئے۔"

"پاس یا فری ٹکٹ کی ضرورت نہیں پیسہ ہر وقت آپ کی دعا سے جیب میں رہتے ہیں۔"

اتنا کہہ کر پرویز کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد منیجر نے شیلا سے پوچھا۔ یہ کون ہے اور کیوں آیا تھا۔

"کہا نہیں انشور ایجنٹ ہے۔ پھر ان لوگوں کا کام ہے گھر گھر جھانکنا۔"

"یہ ایجنٹ نہیں...... اسپکٹر سی آئی ڈی ہے سمجھیں۔"

"سمجھی ہوا کرے مجھے اس سے کیا...... مگر نہیں...... پھر وہ ایجنٹ کیوں بنا۔"

"ان پولیس والوں سے خدا بچائے۔ یہ سب کچھ بن جاتے ہیں اور میں مناسب نہیں سمجھتا کہ یہ پھر آئے۔

"ارے یہ کیوں...... وہ کوئی بُرا آدمی تو نہیں۔"

"تم کیا جانو شیلا یہ مرد اور خصوصاً پولیس والے بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ جن سے ملنا کم از کم مجھے گوارہ نہیں۔"

"صرف اس لیے کے وہ جوان ہے۔"

"یہی سمجھ لو...... میں کیسے گوارہ کر سکتا ہوں کہ وہ یہاں آئے۔"

"سوشیں بابو ابھی ہماری باقاعدہ شادی نہیں ہوئی اور شادی سے پیشتر آپ کو یہ حق نہیں کے میری آزادی سلب کریں۔

شیلا...... آج نہیں تو کل تم میری بیوی ہوگی۔ یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ تم ایسے ویسے ہر آدمی سے آزادی کے ساتھ تنہائی میں ملو۔

"معاف کیجیے۔ میں منع بھی نہیں کر سکتی...... کسی شریف انسان کو کہ وہ میرے یہاں آئے اور میں اس کی

Pakistanipoint Waqar Azeem

تو ...ن کروں۔"

"...بل رہی ہو شریف آدمی...... شریف ہوتا تو تم کو فریب نہیں دیتے وہ سنتوش نہ بنتا پرویز ہوتے ہوئے۔

کیا کہا پرویز...... کیا وہ مسلمان ہے۔

"جی مسلمان ...... مسٹر زیدی سراغ رساں کا نائب۔

"پھر وہ یہاں کس کے لیے آیا تھا۔"

"پولیس کا یہ خیال ہے کہ گھنشام داس کا جو قتل ہوا ہے۔ وہ گولی تمہارے کمرے کی کھڑکی سے چلی ہے۔"

"اوہ رام...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا وہ مجھے مجرم سمجھ رہے ہیں۔"

"مجھے پوچھ رہی ہو اُس سے نہ پوچھو۔"

"ضرور پوچھوں گی...... آج نہیں تو کل کہیں تو ملے گا مجھے۔

"سنو شیلا...... پولیس سے الجھنا ٹھیک نہیں بس اتنا کافی ہے کے اس کو موقعہ نہ دو کہ وہ یہاں پھر آسکے۔"

"آخر آپ ڈرتے کیوں ہے۔ ایک دو نہیں ہزار مرتبہ پر ہمارا کیا بگڑے گا۔"

"کس طرح سمجھاؤں تم کو شیلا تم تو بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ ابھی چند منٹ پہلے یہاں کون کون موجود تھا تمہیں کیا معلوم کون کون تھا۔

زیدی اور رعنا اس کی پرائیوٹ سکرٹری وہ لڑکی نہیں جادوگرنی ہے۔

اور زیدی قیامت ہے قیامت جوان لڑکیوں کو پھانسنا اپنے بائیں ہاتھ کا کام سمجھتا ہے۔ ایشور بچائے ان کے قدم یہاں خالی از علت نہیں جانے کیا بلا آنے والی ہے۔

"شیلا نے سنا وہ چند منٹ کو سخت حیران بن کر رہ گئی۔ واقعی یہ لوگ یہاں کیوں آرہے ہیں۔ پھر زیدی آیا اور اندر کیوں نہیں آیا۔ ...ہ میں کون سا کمال ہے اور یہ شیل اس کے آنے پر اتنا خوف زدہ کیوں ہے کیا وہ بہت خوب صورت ہے۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ میں اس پر لٹو ہو جاؤں گی۔ جب تو میں اسے ضرور دیکھوں گی۔ اگر وہ مسلمان ہے تو ہوا کرے۔ کسی ایسے اداکار کو دیکھنا گناہ تو نہیں...... ممکن ہے۔ اس کے دل سے کچھ بھید بھی نکلے۔

شیلا اودھر اپنے خیالات میں غرق تھی۔ اُودھر سوشیل سوچ رہا تھا۔ کہ اس کا آزاد چھوڑنا خطرے سے خالی نہیں۔ دونوں اپنے اپنے خیالات میں گم تھے۔

"گھنٹہ گھر نے چھ بجائے۔" چونکا اور بولا۔

شیلا رات ہوشیاری سے گزارنا...... فکر نہ کرو میں تمہارا انتظام کروں گا۔

"شیلا کچھ دیر تو بیٹھی یکایک اس کے دل میں وہ ہی خیال پیدا ہوا کہ آخر یہ پولیس میرے مکان کو کیوں مشکوک سمجھ رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے ہی کسی پھندے میں جکڑ لیں وہ اُٹھی...... وہ کمرہ بند کیا اور نیچے اُتری تانگے والے کو اشارہ سے بلایا اور بولی۔"

"مسٹر زیدی سراغ رساں کا دفتر جانتے ہو۔"

جانتا تو نہیں آپ بیٹھئے میں کسی نہ کسی سے پوچھ لوں گا تانگے والا بولا۔

"شیلا فوراً تانگے میں بیٹھ گئی تانگے والا چلا اور چوراہے پر کھڑے سپاہی سے بولا۔"

"زیدی صاحب۔ مسٹر زیدی کا دفتر کدھر ہے۔"

"سٹیشن روڈ پر کوٹھی نمبر سات...... یہی ہے دفتر...... مگر شاید ہی ہوں۔ وہ آفس میں کم رہتے ہیں۔" پولیس والا بولا۔"

"تانگہ والے نے تانگہ بڑھایا تھوڑی ہی دیر میں زیدی کے آفس کے سامنے تانگہ کھڑا تھا۔ شیلا تانگہ سے اُتری اور دفتر کے کواڑ کھول کر اندر جھانکا۔ کمرہ سنسان تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا کوئی ملازم نظر نہ آیا۔ وہ بے حد پریشان تھی کہ برابر کے کمرہ سے پیروں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے آہستہ سے کواڑوں پر ہاتھ مارا ایک دم اندر سے زنانی آواز آئی۔

"مس شیلا اندر آجایئے۔"

شیلا حیران تھی کے میرا جاننے والا کون یہاں موجود ہے۔ اس نے آہستہ سے کواڑ کھولے کہ پھر آواز آئی......



اِدھر آیئے دفتر میں۔

"شیلا نے دوسرے کمرے کے کواڑ کھولے دیکھا کہ ایک لڑکی کرسی پر بیٹھی ہے۔ وہ اس طلسم کو نہ سمجھ سکی۔ اندر پہنچی اور گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ رعنا نے مسکرا کر پوچھا۔"

کیا دیکھ رہی ہو شیلا۔

"شیلا ایک دم چونکتے ہوئے بولی۔" جی...... میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ آپ کا آفس ہے یا طلسم کدہ ابھی ابھی کواڑ کھولے تو کوئی نہ تھا اور آپ یہاں موجود ہیں...... کیا یہاں کی دیواریں پھٹتی ہیں ورنہ ایسا کیوں۔

رعنا مسکراتی ہوئی بولی۔ "تشریف رکھیے۔ یہ آفس ہے طلسم نہیں...... فرمایئے کیسے آنا ہوا۔"

"میں مسٹر زیدی سے ملنا چاہتی ہوں۔" شیلا بولی۔

"فرمایئے...... میں جو حاضر ہوں جو آپ چاہیں کہہ سکتی ہیں۔"

"مگر میں اُن سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"افسوس...... کہ آپ کچھ چھپا رہی ہیں...... آپ کو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... پہلے آپ کو خطرناک سمجھا گیا تھا۔ شاید پرویز اب بھی یہی سمجھ رہا ہو مگر مجھے یقین آچکا ہے کہ آپ کا دامن داغدار نہیں...... آپ کو پولیس یا پرویز آئندہ وق نہ کر سکے گا۔"

"یہ آپ نے کیسے جانا کہ میں شکایت لے کر آئی ہوں۔"

"ہمیں تنخواہ گورنمنٹ اس بات کی دیتی ہے۔ ورنہ ہم میں اور عام انسانوں میں کوئی فرق نہیں...... مگر آپ اپنی حفاظت کریں ضرور پولیس آپ کا کچھ نہ بگاڑے گی۔"

"عجیب بات فرمائی آپ نے......" شیلا گھبرا کر بولی...... "حفاظت بھی کروں مگر پولیس کچھ بگاڑے گی بھی نہیں۔"

"آپ بچی نہیں...... ہمارا فرض تھا وہ پورا کر دیا۔ خود سوچیئے کہ نقصان کدھر سے پہنچ سکتا ہے۔"

"فرمایئے کیا زیدی صاحب سے ملنے کی اب بھی تمنا باقی ہے۔"

"آپ نے تو مجھے عجیب اُلجھن میں پھانس دیا۔"

"پھر کچھ بتانا بھی نہیں چاہتیں۔"

"ممکن ہے اس راز کو زیدی صاحب ہی سمجھا دیں۔"

"گویا اشتیاق ہے اُن سے ملنے کا۔"

شاید...... آپ چاہتی نہیں ...... کیوں...... یہ آپ جانیں...... اچھا میں چلی۔

تشریف لے جا رہی ہیں...... جایئے مگر آج کی رات ہوگی سخت۔" شیلا کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا۔ وہ گھبرا کر بولی...... "میری مدد کیجیے۔ آپ سچ فرما رہی ہیں۔" شیلا کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔

"ارے کیا ہوا...... کچھ بتایئے نہ......

"اس کھڑکی سے اس طرف کون ہے دو شعلے...... دو انگارے...... ضرور کوئی تھا جو شاید رات بھی پوری نہ گزرنے دے گا۔"

"وہم ہے تمہارا یہاں جو آئے گا۔ پھر واپس نہیں جا سکتا۔"

"آپ اطمینان سے جائیں۔"

شیلا کی دل کی دھڑکنیں بڑھ رہی تھیں۔ وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی باہر نکلی۔ شب کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ تانگے والا بھی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ شیلا تانگے میں بیٹھی تھی کہ رعنا قریب آکر بولی۔ "مس شیلا ڈرنا نہیں رات کا ذمہ میں لیتی ہوں گھر کی حفاظت تم خود کرنا۔"

"تانگہ چلا شیلا اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی سہمی بیٹھی تھی۔ مگر وہ محسوس کر رہی تھی کہ ایک انسانی سایہ اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ مگر اس طرح کہ کبھی تانگے سے آگے کبھی پیچھے یہاں تک کہ تانگہ اس کے مکان کے پاس پہنچا۔ شیلا جلدی جلدی اُتری تانگے والے کو پیسے ادا کیے اور جلدی جلدی سیڑھیاں طے کرتی کمرے کی طرف بڑھی یکایک اس کی پشت پر آواز نمودار ہوئی...... شیلا...... رعنا نے جو تم سے

وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔ اب تم جانو اور تمہارا امکان......

"شیلا نے گھوم کر دیکھا وہی انسانی سایہ سیڑھیاں طے کر رہا تھا۔ شیلا کے دل کی دھڑکنیں بڑھ رہی تھیں۔ ڈرتے ڈرتے اس نے کمرے کے تالے پر ہاتھ ڈالا۔ ایک دم ایک ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکلی دروازے کا تالا کھلا ہوا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ واپس لوٹ جائے اور شب کہیں اور گزار جائے ایک دم کمرے کے کواڑ کھلے اور سامنے سوشیل مسکرا رہا تھا۔

"شیلا دوڑ کر سوشیل کو لپٹتے ہوئے بولی۔

"سوشیل سوشیل مجھے بچاؤ۔"

کہاں گئی تھیں شیلا...... سوشیل بھاری آواز میں بولا...... یہ راتوں کو چھپ چھپ کر کہاں جایا جاتا ہے۔ یہ مجھے آج ہی معلوم ہوا...... خود کو تباہ کرنے والی دوسروں کو دھوکا نہیں دے سکتی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔" شیلا خوفزدہ ہو کر بولی۔

"کیا...... تم...... ہاں...... میں...... کچھ اور کہنا ہے۔"

"شیلا ایک دم الگ ہوتے ہوئے بولی۔"

"تم نے میری عدم موجودگی میں تالا کیسے کھولا۔"

"جیسے ہمیشہ کھولتا ہوں...... فکر نہ کرو چابی دوسری میرے پاس ہے۔ جس کی ضرورت کل سے نہ پڑے گی۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"کہاں میں نہیں جاؤں گی سوشیل۔"

"بکومت تمہیں جانا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارا یار زیدی یہاں آ کر پریشان ہو۔ اس لیے چپ چاپ چلی چلو ورنہ مجھے اپنی قوت صرف کرنا ہوگی۔

"سوشیل...... ایشور کے لیے مجھ پر رحم کرو۔"

"تم نے مجھ پر کون سا رحم کیا منع کرنے کے باوجود اپنے یار زیدی کے پاس پہنچ گئیں۔ جو تجھے بچانے نہیں آ سکتا۔ کیوں کہ وہ پہنچا کے جا چکا۔"

"کیا...... کیا وہ زیدی تھے۔"

"ہاں وہ تھی کر رہا ہے اس کا انتظام اب وہ یہاں تک نہ پہنچ سکے گا۔"

"نہیں...... میں نہیں جاؤں گی۔ سوشیل آگے نہ بڑھنا ورنہ میں شور کر کے سب کو جگاؤں گی۔"

"تم کچھ نہ کر سکو گی شیلا۔"

"آخر میری خطا تو بتاؤ۔"

"خطا صرف اتنی...... مجھے اپنی زندگانی بچانی ہے اور اپنی جان سے زیادہ تم سمجھ گئیں۔"

"سمجھ گئی...... تو ہی ہے گھنشام داس کا قاتل۔"

"سوشیل قہقہہ مار کر کہتا ہے ایک گھنشام داس کیا نہ معلوم کتنے گھنشام اس مٹا ڈالے حتیٰ کہ نیا گھنشام داس زیدی بھی۔"

شیلا چاہتی تھی کہ شور کرے۔ سوشیل اس کا ارادہ بھانپ گیا اور ہاتھ بڑھا کر شیلا کا گلا گھونٹ لیا۔ شیلا نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔ مگر نہ چھڑا سکی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ٹرک مکان کے نیچے آ کر ٹھہرا چند منٹ کھڑا ہوا اور چل دیا۔ شیلا کے کمرے میں تالا پڑا تھا اور مایوسی بڑھ رہی تھی۔

پرویز کئی دنوں سے جنون شاعری سوار تھا۔ بظاہر دنیا کو دکھانا تھا۔ باطن میں وہ کسی گہری چال میں محو تھا...... یہی وجہ تھی کہ لوگ اپنی اپنی کہہ رہے تھے۔ مگر پرویز کی انگلیوں میں پنسل ناچ رہی تھی نگاہیں کاغذ کے پرزے پر لگی ہوئی تھیں۔ جو میز پر سامنے رکھا تھا۔ ڈی آئی جی کی نظر اس پر پڑی اور وہ بولے۔"

"مسٹر پرویز معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوئی دلچسپی نہیں لے رہے۔ حالاں کہ یہ میٹنگ بہت اہم اور ضروری ہے۔"

"ہوگی جناب...... یہاں تو ابھی تک ایک ہی مصرعہ بنا ہے۔"

"حالاں کہ کہہ گیا مگر بعد کو افسوس بھی ہوا کہ کس سے ہم کلام تھا۔ مگر کہہ چکا تھا۔ اس لیے اپنی بات پر اڑ گیا۔ سپرنٹنڈنٹ جو پرویز کی طرف سے اپنے دل میں خار لیے تھا۔ اس دن کی بدتہذیب گفتگو پر فوراً طنزیہ بول اُٹھا۔"

"حضور انور مسٹر پرویز کی دنیا بہت بلند ہو چکی ہے۔ اس لیے ہم کلام کے رتبہ کی پروا نہ کرتے ہوئے جو جی میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہیں۔"

کیوں کہ شاعری کیا جانے میدان سیاست اور نظام انتظامی۔" پرویز اسی طرح بیٹھا رہا۔ جیسے کچھ سنا ہی نہیں ڈی آئی جی اس کی بے پروائی دیکھتے ہوئے ذرا سخت انداز میں بولے۔"

"مسٹر پرویز ہماری دنیا شعر و شاعری نہیں۔ ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔ مگر آج کل آپ کا رجحان اور طرف ہے۔ پھر کیوں نہ اپنے محکمے سے رخصت عارضی یا دائمی حاصل کر لیں۔"

"ارادہ تو اپنا بھی یہی ہے۔ آپ کی رائے بھی ہے۔ فضول وقت برباد کرنے سے کہیں بہتر ہے شعر و شاعری۔"

"گویا ہم یہاں آ کر وقت برباد کر رہے ہیں۔" "ڈی آئی جی غصے میں بولے۔"

"مجبوراً پرویز کھڑا ہو کر سوال کرتا ہے۔"

"کیا میں حضور انور سے پوچھ سکتا ہوں...... اس میٹنگ کا مقصد کیا ہے۔"

"کھلا اور واضح واقعات پر غور کرتے ہوئے کوئی اہم قدم اُٹھایا جائے۔"

"نہیں حضور...... نہیں...... صرف جناب کو خوش کرنا مقصود ہے تاکہ آپ سمجھتے رہیں کہ پولیس خاموش نہیں بیٹھی......" مسکہ لگانا مجھے آتا نہیں...... کیوں کہ زیدی صاحب نے سکھایا ہی نہیں۔"

"کیا مقصد ہے آپ کا ڈی آئی جی گرم ہو کر بولے۔"

"واضح ہے جناب مجھے مجبوراً کہنا پڑا کہ پولیس اس کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ افسران کو مسکا لگائے۔ پبلک کی کھال ادھیڑے...... دماغ سوزی کرنا کام ہے سی آئی ڈی کا...... گویا پولیس کو مہینے پر تنخواہ نہیں زمینداری کا روپیہ ملتا ہے۔ مگر اپنا نظریہ صرف اتنا ہے کہ یہ وقت بلاوجہ برباد ہوا۔ لہٰذا وقت برباد نہ جائے۔ کوئی اچھا سا شعر ہی کہہ ڈالو جو بعد مرے بھی کاغذ کی دنیا پر رہ کر ایس پی صاحب کی طبیعت کا نوحہ پڑھتے ہیں۔ جو یہ نہیں جانتے کہ ہم خون پر کیا کہہ رہے ہیں۔ کوئی دوسرا بھی سن سکتا ہے پھر ہم اتنے بے وقوف نہیں کہ ان کی نادانی پر اپنی زندگی بھینٹ چڑھا دیں۔ اگر اس لیے سیدھے جواب اس بنا پر ان کو دے دیئے گئے تھے۔ تو شکایت کا دفتر کھول بیٹھے۔ میرا دعویٰ ہے مسٹر زیدی سے یہ کیس لے لیا جائے ایک ایس پی نہیں اگر تم ہندوستان کے ایس پی سر ٹیک کر مر جائیں تو ملزم گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"دیکھیے مسٹر پرویز اب آپ ہی بولیے کیا تبادلہ خیالات گناہ ہے۔"

"گناہ ثواب کیا پولیس سمجھ سکتی ہے۔ میں تو اتنا سمجھ رہا ہوں کے ان میٹنگوں کا مقصد ہماری الجھنیں بڑھانا ہیں۔ صرف دوسری طاقت کو آگاہ کرنا ہے۔ کوئی انسان قانون سے ٹکر جب ہی لیتا ہے۔ جب اپنا وزن اور پولیس کا وزن تول لیتا ہے۔ پھر کسی کھلی جگہ بیٹھ کر اپنے خیالات کا اظہار دشمن کو مدد دینا نہیں تو کیا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کوئی طاقت ہماری نگرانی کر رہی ہو۔

"کیا جناب کا نظریہ یہی ہے۔ کہ کوئی منظم گینگ یہ کام کر رہا ہے۔" ڈی آئی جی نے دریافت کیا۔

"یہ سوال آپ کو مسٹر زیدی سے کرنا چاہیے۔"

"یکایک چپراسی بھاگا ہوا آیا اور پرویز سے مخاطب ہو کر بولا۔"

"آپ کو فون پر مسٹر زیدی طلب کر رہے ہیں۔"

"پرویز اتنا سنتے ہی بھاگا فون پر پہنچا۔ ریسیور اٹھاتے ہوئے بولا۔" یس...... سر...... میں پرویز...... جی...... اچھا...... اچھا ابھی لیجیے۔"

"پرویز نے ریسیور رکھا دوڑتا ہوا وہیں پہنچا۔ وہاں تمام افسران جمع تھے۔ اپنی ٹوپی اٹھائی اور کار میں بیٹھتے ہوئے اسٹارٹ کی اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ وہ شہر میں جب

تک رہا۔ کار کی رفتار کم رہی۔ شہر سے نکلتے ہی رفتار بڑھنا شروع ہوئی۔ یہاں تک کے سترای پر وہ اڑا جارہا تھا۔ کیوں کے شب کا وقت تھا۔ سڑک سنسان تھی۔ اس لیے حادثہ کا خوف نہ تھا۔ ایک گھنٹہ بعد وہ شہر سے قریب قریب ساٹھ میل نکل چکا تھا۔ مگر آگے میدان صاف نظر آرہا تھا۔ اب پرویز کو شک ہوا کہ کہیں رعنا نے زیدی کے لہجے میں اسے بے وقوف تو نہیں بنایا۔ یہ خیال آتے ہی کار کی رفتار ایک دم کم ہوگئی۔ رفتہ رفتہ وہ ایک جگہ پہنچ کر چاہتا تھا کہ گاڑی بیک کرے اس کی کار چوراہے پر تھی کہ اس نے اپنے بائیں ہاتھ پر آنے والی سڑک پر روشنی محسوس کی بغور دیکھا اپنی کار کی بتیاں گل کیں اور آنے والی گاڑی کا منتظر رہا۔ چار پانچ منٹ بعد گاڑی اس کے برابر سے گزری......"

"پرویز۔ ہاتھ اٹھا کر ڈرائیور کو روکنا چاہا۔ مگر ڈرائیور رکنے والا نہیں تھا۔ اگر پرویز ایک سیکنڈ اچھل کر سڑک سے نہ ہٹتا تو ڈرائیور کچل ہی ڈالتا۔

"پرویز نے ریوالور نکال کر پے در پے کئی فائر گاڑی کے پچھلے ٹائر پر کردیے۔ گاڑی ایک دم رکی۔

"پرویز دوڑ کر گاڑی کے پاس پہنچا۔

"ڈرائیور گالیاں بک رہا تھا"

"پرویز قریب پہنچ کر بولا" مہاشے نیچے اُتر آؤ۔"

"کون ہو تم...... ڈرائیور گرجتے ہوئے بولا" "میرا ٹائر کس بنا پر تم نے پنچر کیا ہے۔"

"یہ آپ کو خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ سردست نیچے تشریف لے آؤ۔"

"ڈرائیور گاڑی سے اُترتے ہوئے بولا"

"فرمایئے۔"

"غصہ نہ کرو سردار جی...... میں تمہاری گاڑی کی تلاشی لوں گا سمجھ گئے۔"

"پر تم ہو کون تلاشی لینے والے"

"مسٹر پرویز...... سی آئی ڈی انسپکٹر بتاؤ تمہاری گاڑی میں کیا ہے۔"

"کچھ نہیں...... مگر یہ حق کس نے تم کو دے دیا کہ کسی کی جاتی ہوئی گاڑی بنا سبب پنچر کردو۔"

"بکواس بند کرو سردار جی جو ہاتھ ٹائر پنچر کرسکتے ہیں وہ تمہارا سینہ بھی پنچر بناتے نہیں لرزیں گے......اسے دیکھا ہے اسی نے گاڑی پنچر کی ہے۔ ڈرائیور خاموش ہوگیا پرویز گاڑی کے پیچھے آکر ڈالا کھول کر دیکھتا ہے۔ کوئی چیز ٹاٹ میں چھپی ہوئی اُسے نظر پڑی وہ ایک دم اُچھل کر گاڑی پر چڑھ گیا۔ اسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ ڈرائیور اس کے پیچھے کھڑا ہے۔

"پرویز نے جلدی جلدی ٹوٹ کھولا۔ شیلا نے ہوش میں آئی تھی۔ ڈرائیور نے اس کی ذرا سی غفلت سے فائدہ اٹھایا پرویز کے کوٹ کا کالر پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور پوری قوت سے ایسا گھونسا مارا کہ پرویز دو قدم پیچھے ہٹ کر گرا ابھی سنبھلنے نہ پایا کہ ڈرائیور نے وہ لوہا اُس کے سر میں مارا۔ جو اُس کے ہاتھ میں تھا۔

"پرویز لوہا سر پر کھاتے ہی بے ہوش ہوگیا۔ ڈرائیور نے چاہا کہ دوسرا وار کرے کہ پرویز کی کار کی پست سے زیدی کود پڑے اور بھاگ کر ڈرائیور کا وہ ہاتھ پکڑ کر لوہا چھین لیا۔

"ڈرائیور نے گھبرا کر زیدی کو دیکھا۔ زیدی نے اسی طرح کا گھونسا ڈرائیور کو مارا۔ جس طرح اس نے پرویز کو مارا تھا۔ ابھی ڈرائیور زمین سے اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ زیدی اس کے سینے پر سوار ہوگئے اور اپنی گرفت میں لے لیا اور اچھی طرح کس کر کھڑے ہوگئے اور پرویز کو اٹھا کر کار میں ڈالا۔ اُس کے بعد شیلا کو گاڑی سے کھینچ کر کار میں پچھلی سیٹ پر ڈال دیا اور ڈرائیور کو کھینچتے ہوئے۔ اپنے برابر بٹھایا کار اسٹارٹ کی لاری وہیں چھوڑی ". چل دیئے۔

بارہ بجے شب وہ پہلے ہسپتال پہنچے۔ شیلا اور پرویز کو ڈاکٹر کے حوالے کرکے ڈرائیور کو لے کر اپنی کوٹھی پر پہنچے۔



"رعنا انتظار دیکھتے دیکھتے سو گئی تھی۔ اس لیے سردار جی کو زیدی نے رسی سے جکڑ کر کمرے میں باندھ کر ڈال دیا اور خود جا کر سو رہے۔ رعنا کی آنکھ جو کھلی تو زیدی کا کمرہ کھلا پایا۔

"وہ گھبرا کر کمرے کی طرف دوڑی زیدی بیٹھے ہوئے۔ شیو بنا رہے تھے۔

رعنا قریب جا کر بولی۔ "کہیے حضور پرویز کو کہاں چھوڑا۔

وہ ہسپتال میں ہے۔ رعنا ہر جگہ نادانی کے سوا کچھ کام ہی نہیں کرتا اگر میں حضرت کے ساتھ کار میں نہ جاتا تو آج خاتمہ بالخیر کی خبر آتی۔ رعنا اب ایک کام کرنا ہے۔ تم ہسپتال جاؤ۔

"پرویز کو ابھی تک ہوش نہیں آیا۔ وہ ہوش میں آئے تو تم بھی ڈاکٹر کے ہم خیال کے اُسے پاگل بناؤ گی۔

پاگل...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ رعنا پریشان ہو کر بولی۔ ہاں رعنا اسے پاگل خانہ دیکھنے کی بڑی تمنا ہے بے وقوف رعنا کے مقابلے میں خم ٹھونکا ہے۔ بات تو جب ہے کہ فی الواقعی اسے پاگل بنا کر چھوڑ دو۔"

"جو حکم...... مگر کچھ بتایئے تو سہی۔"

"بس رعنا...... اب تم جا سکتی ہو...... ہاں پولیس کو فون بھی کردینا کہ وہ سردار جی کو لے جائیں۔"

"سردار جی...... یہ آج آپ معمہ کیوں بن رہے ہیں۔"

"معمہ میں بن رہا ہوں یا آج تم شراب جوانی پی کر بہک رہی ہو۔ سامنے والا کمرہ کھولا ہے۔" تمہیں اپنی کوٹھی کا حال نہیں معلوم تعجب ہے۔

"رعنا شرمندہ شرمندہ آگے بڑھی کیواڑ کھولے فی الوقعی ایک سردار جی بندھے ہوئے پڑے تھے۔ اس نے دیکھا پولیس کو فون کیا اور خود ہسپتال کے لیے روانہ ہوگئی۔

"پرویز نے جیسے ہی آنکھیں کھولیں گھبرا کر پوچھا میں کہ' سوں اور...... وہ...... وہ بدمعاش ڈرو نہیں پرویز...... رعنا مسکرا کر بولی...... رعنا مسکرا کر بولی...... تم ہسپتال میں ہو ڈرائیور گرفتار ہوگیا۔

"مگر میری کار...... مجھے...... یہاں کون لایا اور تم...... "

زیادہ بولنے کی کوشش نہ کرو پرویز ڈاکٹروں کا کہنا ہے دماغ پر بہت چوٹ آئی ہے۔ اگر زیادہ بات کروگے تو تمہاری حسرت پوری ہوجائے گی۔"

"حسرت...... یہ کیا مطلب ہے تمہارا......"

گدو بندر جانے کی...... کیوں کہ اگر تم جانا نہیں چاہتے...... ارے ارے یہ کیا ہوا...... تمہیں...... تمہاری آنکھیں تو پاگلوں جیسی ہوگئیں۔ ڈاکٹر سچ کہتے تھے۔ اب کیا ہوگا پرویز......

"پرویز ایک دم چیخا...... رعنا۔"

رعنا ایک دم بیٹھے سے کھڑے ہو کر چیختی ہے۔ ڈاکٹر...... ڈاکٹر جلدی آؤ۔ "پرویز دیوانہ ہوگیا۔"

"کیا بک رہی ہو رعنا...... مجھے پاگل بنا رہی ہو۔" تم خود پاگل ہو......

رعنا قریب جاتے ہوئے کہتی ہے۔

"آئے حسن کمانے تجھے چونسدے پہ جانا ہے۔ کتنا حسین ہے یہ مصرعہ رعنا کی بچی...... میرا مذاق اڑاتے شرم نہیں آتی۔ آخر تم نے سمجھا کیا ہے۔"

"مسٹر پرویز۔" پی سی ایس ایم ایس سی مگر بدھو......

"رعنا آنکھیں بچا کر بولی...... مسٹر دیوانہ۔"

پرویز پلنگ سے اُٹھ کر رعنا کے پیچھے بھاگتا ہے۔ آگے آگے رعنا شور مچاتی بھاگ رہی ہے۔ ڈاکٹر ڈاکٹر دوڑو دوڑو پرویز پاگل ہوگیا...... پاگل ہوگیا...... پیچھے پیچھے پرویز بھاگتا ہے۔ یکایک ڈاکٹروں نے شور سنا اور گھبرا کر باہر نکلے اور یہ منظر دیکھا چاروں طرف سے گھیر کر پرویز کو پکڑا پرویز چیخا۔"

"چھوڑ دو مجھے آج میں اسے چھٹی کا دودھ اگلوا کر رہوں گا۔ بہت ناز ہے اپنے حسن پر ان کو۔"

"مگر ڈاکٹر کشاں کشاں کھینچے ہوئے اسے اس کے

کمرے میں لاتے ہیں۔

''پرویز پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہتا ہے..... کیا تم لوگ پاگل ہو گئے ہو جو مجھے کھینچتے پھرتے ہو جاؤ کام کرو اپنا۔''

''رعنا کھڑکی سے جھانک کر بھاگتے ہوئے کہتا ہے..... ٹھہر رعنا کی بچی..... مجھے پاگل بنانے والی آج تجھے ہی پاگل بنا کر چھوڑوں گا۔ ڈاکٹر پھر پرویز کو پکڑ لیتے ہیں۔ یہ امر پرویز کو ناگوار گزرتا ہے کہ دو لیڈی ڈاکٹر اور میرا مذاق اڑا ئیں۔ وہ اُچھل کر ایک ڈاکٹر کے طمانچہ مارتا ہے۔ فوراً ہی تمام ڈاکٹر اور نرسیں پرویز کو لپٹ پڑتے ہیں اور فوراً باندھ لیتے ہیں۔ رعنا برابر اِدھر اُدھر سے پرویز کو آ کر دق و پریشان کر رہی تھی۔ مگر قریب نہیں جاتی تھی۔ کبھی وہ اس کا منہ چڑاتی کبھی انگوٹھے دکھاتی۔ پرویز یہ دیکھ دیکھ کر شور مچاتا۔ بعض ڈاکٹروں کو یقین کامل ہو گیا کہ پرویز کا فی الواقعی دماغ خراب ہو گیا۔ فوری سرجن کے حکم پر پرویز کو پاگل خانے بھجوا دیا گیا۔ افسران نے جس وقت یہ سنا کہ پرویز پاگل ہو گیا ہے انہیں اس جواں بخت ہونہار نوجوان کے اس حال پر سخت صدمہ ہوا۔ ہر جگہ ور ہر گھڑی اس ہی کے چرچے ہو رہے تھے۔ مگر زیدی کو قطعی احساس نہ تھا۔ افسران یہ دیکھتے ہوئے سخت متحیر تھے کہ زیدی کو احساس بھی نہیں۔ وہ اس ہی طرح خوش ہیں۔ جیسے ان کا پرویز آج بھی ان کے پاس ہے۔ اتنا ضرور تھا کہ وہ دن دن بھر غائب رہتے تھے۔ جس کا راز رعنا بھی نہ سمجھ سکی۔'' ایک دن صبح جیسے ہی رعنا نے زیدی کو اپنا منتظر پایا۔ زیدی کسی گہری فکر میں بیٹھے تھے۔

''رعنا مسکرا کر بولی۔''

''خیریت ہے حضور۔''''کس کا تصور پا رہی ہوں۔''

شیلا کا..... رعنا..... واقعی وہ بے حد حسین ہے۔ مگر ظالموں نے اسے اس درجہ مجبور کر دیا ہے۔ نہ بولتی ہے نہ چالتی ہے۔

''تو کیا ہوا..... زندگی عیش سے گزرے گی۔''

لپ اسٹک پاؤڈر کی فرمائش کرے گی نہ ساری کی فرمائش کب ہو رہا نکاح..... جب تم کہو رعنا۔

''سر دست تمہیں بھی پاگل خانہ جانا ہے۔''

''کیا مقصد کیا مجھے بھی پاگل بنانا مقصود ہے۔''

''یہ کام تو حسینوں کا ہے۔ جنہوں نے پرویز کے ہوش و حواس چھین لیے ہیں تو پاگل خانے میں پرویز کی بہن بنا کر بھیجوں گا۔ فکر نہ کرو اور وہاں اس طرح نہ جاؤ گی۔ برقعہ میں نہاں ایک پردہ دار خاتون کی طرح..... تاکہ ڈاکٹر کو یہ شک نہ ہو کہ تم کیا ہو۔''

''کیا پاگل خانہ کا ڈاکٹر۔'' رعنا بولی۔

''ہوں..... اسے بے وقوف بنا کر مقصد نکالنا ہوگا۔ مگر انتہائی ہوشیاری سے وہ انتہائی عیاش ہے۔''

پھر تو وہ آدمی بے حد پر لطف ہوگا۔ رعنا مسکرا کر بولی۔

''جب تو خوب کٹے گی۔''

''بہت خوش ہوئی رعنا۔''

''کیوں نہ ہو سرکار..... نئی صحبت میں جانا ہو رہا ہے۔ جہاں زندگی کا سکون ہوگا۔ بے حد زندگی ہوگی۔''

''سچ کہہ رہی ہو رعنا..... بے حس ہی نہیں ایک ایسا پتھر جو کیچڑ میں رہ کر اپنی زندگی پر فخر کر رہا تھا۔ یہ سمجھ کر کہ مخلوق خدا اس پر پیر رکھ کر اپنا راستہ تو طے کر لیتے ہیں۔ تاکہ کیچڑ میں ان کے جوتے خراب نہ ہوں۔ بعض بعض دل جلے تو ٹھوکر مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتے افسوس کہ اس کی وہ تمنا بھی مٹ جاتی ہے۔ ادھر کیچڑ خشک ہوئی ادھر ایک کری ٹھوکر مار کر ایک طرف پھینک دیا جاتا ہے۔'''' آخر ایسا کیوں..... کیا دل نہیں یا اس میں حرارت احساس نہیں۔'''' چھوڑو رعنا جاؤ اور اپنا پارٹ ادا کرو۔''

''رعنا جلدی جلدی تیار ہوئی اور روانہ ہو گئی۔ رعنا کو گئے ہوئے دوسرا دن ہو چکا تھا۔ زیدی کو تنہائی بے حد ستا رہی تھی۔

رعنا کے چلے جانے کے بعد ان کا دفتر [illegible] منٹ کو دل نہ لگتا تھا۔ مگر بلاوجہ جھکے کھانا زیدی کا شیوہ [illegible] نہ کرتا تھا۔ آج آفس میں زیدی تنہا بیٹھے کچھ وعدوں میں کھوئے ہوئے تھا کہ فون کی گھنٹی بولی۔



''زیدی نے ریسیور اُٹھا کر بے پروائی سے پوچھا۔''

''کون..... میں زیدی..... کیا..... سوشیل قتل ہو گیا۔ کہاں..... کیا میجسٹک سینما کے دفتر میں..... انوکھے انداز میں..... فکر نہ کرو میں پہنچ رہا ہوں..... میں سمجھ چکا تھا کہ وہ جلدی ختم کر دیا جائے گا۔ دشمن بہت ہوشیار ہے۔ وہ ایک کانٹا بھی نہیں چھوڑے گا۔ اپنی راہ میں جو اس کے دامن کو کس وقت بھی پکڑ واسکے۔''

''انجام..... انجام کی فکر نہ کرو۔''

''زیدی نے ریسیور رکھا آفس سے نکل کر کار میں میجسٹک سینما پہنچا پولیس نیچے پریشان کھڑی تھی۔ سب انسپکٹر نے بڑھ کر زیدی سیلوٹ کرتے ہوئے کہا۔''

''حضور غضب ہو گیا۔''

''ہمارا ایک سپاہی بھی کام آ گیا۔''

''کیا ہوا.....'' زیدی نے گھبرا کر سوال کیا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آیا جس کمرے میں مقتول کی لاش پڑی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس میں داخل ہوں۔ مجھ سے پہلے سپاہی آگے بڑھ گیا۔ جیسے ہی کمرے کے دروازے میں قدم رکھا۔ چیخ نکلی۔''

''اور تڑپ تڑپ کر وہیں ہلاک ہو گیا۔''

''اس کے بعد کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آگے بڑھے۔''

''زیدی نے طنزیہ کہا۔''

''جی..... بالکل سپاہی تو سپاہی..... میری ہمت نہیں ہوئی کے اُوپر جاؤں۔''

''وہ کمرہ کون سا ہے جس میں منیجر کی لاش ہے۔''

''وہ سامنے والا دروازہ جو نظر آ رہا ہے۔ بس وہ ہی کمرہ ہے اور اُسی کمرہ کے دروازہ پر پولیس والے کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ ضرور کوئی آسیب ہے۔ یا مہلک قسم کا گیس جو انسانی زندگی کو دو منٹ کے اندر ختم کر دیتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ ملازم جن کے کمرے اوپر ہیں۔ خوف کی وجہ سے اُوپر نہیں جا رہے جو ہیں وہ اپنے کمرے بند کیے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔

اور آپ یہاں کھڑے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔''

''زیدی نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔''

''حضور جان سب کو پیاری ہوتی ہے۔''

بکومت داروغہ جی..... مرنا ایک دفعہ ضرور پڑے گا۔''

''تم یہاں انتظار کرو میں اوپر جاتا ہوں۔''

''اوپر نہ جائیے حضور۔'''' سب انسپکٹر زیدی کا راستہ روکتے ہوئے بولا۔''

''داروغہ جی..... راستہ چھوڑو.....'''' بزدلی تم کو ہی زیب دیتی ہے۔''

''زیدی اتنا کہہ کر بہت تیزی سے اوپری منزل چڑھنے لگے یہاں تک کے وہاں پہنچے۔ جہاں پولیس والے کی لاش پڑی تھی۔ زیدی نے لاش کو بغور دیکھا۔ فوراً الٹے پاؤں بھاگتے ہوئے لوٹے داروغہ جی دل میں بہت خوش ہو گئے کہ بڑے سورما بن رہے تھے۔ اب بھاگے آ رہے ہیں۔''

زیدی نیچے اُترے اور سینما کے دوسری طرف والی دیوار کے نیچے پہنچے۔ بغور دیکھا اور جلدی جلدی جوتے اُتار کر اوپر چڑھ گئے۔ مگر کھڑکی تک پہنچنا دشوار تھا۔ کیوں کہ وہ دیوار سے بہت اونچی تھی۔

اوپر صرف دو کمرے اس سائیڈ پر تھے۔ پہلا کمرہ منیجر کا تھا اس نے پولیس سے کہا۔

سیڑھی کا انتظام کرو۔'' تھوڑی ہی دیر میں سیڑھی آ گئی۔ زیدی نے آپریٹر کے کمرے کی کھڑکی پر سیڑھی لگائی اور اوپر چڑھ کر کھڑکی میں پہنچے اور ہاتھ بڑھا کر پہلے کوئی چیز کھینچ لی۔ اس کے بعد وہ کھڑکی میں سے چھلانگ لگا کر اندر پہنچے۔''

دیکھا کہ آپریٹر بھی۔ مردہ پڑا ہے اور اُس کے سینے پر خنجر پیوست ہے اور اندر سے کمرے کے کیواڑ بند ہیں۔ زیدی نے پہلے آپریٹر کے کمرے کی کھڑکی بند کی اور باہر نکل کر کیواڑ اسی طرح بھیڑ دیئے اور فوراً منیجر کے کمرے

میں پہنچے۔ منیجر کا مردہ جسم کرسی پر اسی طرح پڑا تھا کہ اس کے ایک ہاتھ میں قلم تھا اور دوسرے ہاتھ کے نیچے کاغذ تھا جس پر تھوڑی سی عبارت تھی۔

"زیدی نے بغور پرچہ کو دیکھا اور مردہ ہاتھ سے پرچہ لے کر جیب میں ڈال لیا۔ اس کے بعد منیجر کا سوٹ کیس کھول کر اس کی تلاشی لی۔"

"ادھر اُدھر کی الماریاں کھولیں۔ ان کو اچھی طرح دیکھا بھالا اور غرض کے کافی دیر کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلے۔

"اور پولیس کو آواز دے کر اُوپر بلوایا۔ جن کے ساتھ ملازم سینما آئے۔

جو لوگ اپنے اپنے کمرے بند کیے تھے۔ وہ بھی باہر نکلے۔ مالک سینما کو اتنی دیر میں خبر پہنچی۔

"کیوں کے پولیس انہیں فون کر چکی تھی۔"

"مگر زیدی نے کسی کو کمروں کی طرف جانے نہ دیا۔

انہوں نے ملازمین پر سرسری نظر ڈالی۔

اور آپریٹر کے کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔" وہ کمرہ کس کا ہے۔"

ملازمین میں سے ایک آدمی نے بڑھ کر کہا۔ مقصود آپریٹر کا۔

"آپریٹر کہاں ہے زیدی نے سوال کیا۔"

"معلوم نہیں حضور۔" وہ ہی آدمی بولا۔

"یکا یک دوسرا آدمی بولا۔

"حضور وہ تو اپنے کمرے میں ہی ہوگا۔"

"زیدی مسکرا کر بولے۔" "تم کون ہو۔"

"میں بھی ملازم ہوں حضور۔"

"کیا کام کرتے ہو۔"

فوراً پہلے والا آدمی بولا۔

"حضور دادا ہے۔"

"دادا...... کیا مطلب۔"

"حضور یہ سینما کے ملازموں کی حفاظت کرتا ہے۔ تا کہ کوئی ان لوگوں کو دق اور پریشان نہ کرے۔"

"اچھا...... سمجھا......"

"کیوں دادا صاحب آپ چوبیس گھنٹہ یہاں رہتے ہیں۔"

"جی...... نہیں...... حضور......"

"رات کو ضرور یہاں رہتا ہوں۔ مگر صبح ہی شہر میں اپنی ملازمت پر چلا جاتا ہوں۔"

"اچھا آج نہیں گئے کیا چھٹی پر ہو۔"

"جی حضور...... اتوار ہے۔"

"ہوں...... کلرک ہو کسی دفتر میں کیا ہو۔"

نہیں حضور جاہل آدمیوں کو کلرکی کون دے جب کے بی اے دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ بس دربان قسم کی ملازمت سمجھ لیجیے۔

"وہ کون سی کمپنی ہے...... جہاں ملازم ہو۔"

کمپنی نہیں ہے صاحب پرائیوٹ ملازم ہوں۔ سیٹھ دوارکا پرشاد کے یہاں۔

"تم نے آپریٹر کو اپنے کمرے میں جاتے کس وقت دیکھا تھا۔"

قتل کی خبر مشتہر ہونے سے ایک گھنٹہ قبل۔

کوئی نیا آدمی اس دوران میں یہاں آیا یا تم نے کوئی شوروغل سنا۔

"نہیں حضور۔"

"اگر میں یہ کہوں کے آپریٹر کو کس نے قتل کیا۔ جب یہاں ملازمین کے سوا کوئی آیا ہی نہیں تو تم کیا جواب دو گے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں آپریٹر قتل۔"

"زیدی نے اُس کے چہرے کے تاثرات کا بغور معائنہ کیا ابھی ان کی نظر دادا کے چہرے سے ہٹی نہ تھی۔ کہ مالک سینما گھبرا کر بولے۔

"مسٹر زیدی کیا آپریٹر بھی قتل ہو گیا۔"

"آپ کون ہیں۔" زیدی نے مالک سینما کے چہرے



پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔"

"میں اس سینما کا مالک بکرم سنگھ ہوں۔

مالک سینما بولا۔

"زیدی ایک دم مسکرا کر بولے۔" "اوہ آپ ہیں بکرم سنگھ......" "میں تو جناب کو یاد ہی کر رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ تشریف لے آئے۔" داروغہ جی خبردار کوئی ان دونوں کمروں کی طرف نہ جانے پائے۔ ہاں سیٹھ بکرم سنگھ صاحب آپ میرے ساتھ تشریف لائیے۔

"بکرم سنگھ زیدی کے ساتھ ہو لیا۔" زیدی نیچے اُترے اور سینما کی اُس جگہ پہنچے جہاں سیڑھی لگائی تھی۔ انگلی اٹھا کر بکرم سنگھ سے بولے...... میں اُس طرف سے اُوپر گیا تھا اور یہ دوسری کھڑکی آپریٹر کے کمرے کی ہے نہ۔

"جی...... جی...... ہاں۔"

"یہ منیجر آپ کا کب سے تھا۔"

جب سے یہ سینما خریدا تھا وہ ہی منیجر تھا تقریباً چھ سال سے۔

"آپ اس سے بہت محبت کرتے تھے۔" میں نے سنا ہے کہ بچپن سے آپ نے اس کو پالا تھا بہت وفادار تھا یہ۔

"جی صحیح سنا ہے آپ نے

"اگر آپ کو یہ معلوم ہو کہ منیجر کی موت بجلی کے ذریعہ نہیں اس شیشے کے ٹکڑے کے ذریعہ ہوئی ہے۔ تو آپ پریشان تو نہ ہوں گے۔ ارے دیکھیے نہ شاید اس پر خون کی بوند جمی ہوئی ہے۔" دیکھیے نہ کتنی سخت دھار ہے اس کے اوپر۔"

"بکرم سنگھ کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ زیدی کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتے ہوئے شیشے کے ٹکڑے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ زیدی شیشے کہ ٹکڑے کو اس طرح کھینچتے ہیں کہ بکرم سنگھ کا انگوٹھا اور ایک انگلی چر جاتی ہے۔ زیدی جلدی سے اپنا سفید رومال بکرم سنگھ کی کٹی ہوئی انگلیوں پر لگاتے ہوئے کہتے ہیں۔

ارے...... آپ نے تو اپنی انگلیاں بھی کاٹ لیں۔

آخر ایسی بھی کیا گھبراہٹ۔

"بکرم سنگھ خاموش تھا کہ زیدی مسکرا کر بولے۔" گھبرایئے نہیں۔" میں آپ کو بہت سی ایسی باتیں بتاؤں گا۔ آپ تو اتنی جلد گھبرا گئے۔ ارے...... ہاں یہ اندرا نامی لڑکی سے آپ واقف ہیں۔

جی میں نہیں جانتا۔ اگر میری لڑکی کے سوا کوئی اندرا ہو۔

"بکرم سنگھ بولا۔"

"کیا کیا کاروبار اس سینما کے علاوہ آپ کا ہوتا ہے۔"

"ٹرک بھی چلتی ہیں...... بس سروس بھی ہے اور بینک۔" "جی بینک میں روپیہ کافی ہے۔"

"اب آپ جا سکتے ہیں اُمید ہے کہ جلدی ہی ملاقات ہو گی۔"

☆

"ساہو صاحب جا رہے تھے اور زیدی مسکراتے ہوئے اُس کے پیچھے تھے۔ مگر بکرم سنگھ کی یہ حالت تھی کہ وہ منہ پھرا پھرا کر زیدی کو دیکھ رہا تھا۔

"بکرم سنگھ اپنی کار میں بیٹھا اور زیدی پھر اوپر پہنچے۔ سینما کے تمام ملازم اور پولیس کھڑی ہوئی تھی۔ سب انسپکٹر نے زیدی کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی وہ سمجھ گیا کہ زیدی ضرور اس قتل کی گہرائیوں میں اُتر چکے ہیں۔ فوراً ہی سوال کر بیٹھا......"

"مسٹر زیدی کیا ملازم اپنے اپنے کاموں کے لیے جا سکتے ہیں۔"

"نہیں...... ان کی موجودگی میں دونوں لاشیں باہر نکلوا لو اور کمرے سیل کر دو۔"

"اتنا تو بتایئے یہ اموات کس چیز سے واقع ہوئیں۔

"منیجر اور پولیس والے کی موت بجلی کے تاروں کے ذریعہ ہوئی ہے کیوں کہ تمام کمرے میں عریاں تاروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جس کا کنکشن آپریٹر کے کمرے میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بروقت آپریٹر کی موت کھینچ لائی۔ اس نے یہ انداز قاتلانہ دیکھ لیا۔ جس کی بناء پر اسے خنجر

سے ہلاک کیا گیا ہے۔ اگر ایسے نہ مرتا تو پھانسی پاتا۔

کیوں کے ہمارا شک اسی پر ہوتا۔

"جب تو قاتل سینما کا کوئی فرد ہو سکتا ہے۔"

"جائیے اپنا کام کیجیے میں جا رہا ہوں۔"

"زیدی اپنی جگہ سے ہٹے ہی تھے کہ پے در پے کئی فائر ہوئے" اور گولیاں اس دیوار میں جا گھسیں۔ جس کے قریب زیدی کھڑے تھے۔ زیدی مسکرا رہے تھے۔ کیوں کہ اب وہ زد میں نہ تھے۔ پولیس والے حیران تھے کہ گولیاں کدھر آئیں یکا یک زیدی ایک دم نیچے کو بھاگا۔ تھانیدار اپنی جگہ سہما ہوا کھڑا تھا کہ زیدی کی آواز نیچے سے آئی۔ "داروغہ جی جلدی نیچے آیئے۔"

"اب داروغہ جی ڈرتے ہوئے سیڑھیوں کے ذریعہ نیچے اُترے۔ دیکھا کہ بکرم سنگھ کی لاش کار میں پڑی ہوئی ہے۔ مگر زخم کوئی نظر نہیں آتا۔ مگر ان کی دونوں آنکھیں اس طرح باہر نکل آئی ہیں۔ جیسے پھانسی پانے والے کی آنکھیں باہر نکل آتی ہیں۔ مگر زیدی کا کوئی پتہ نہیں۔ ان کی کار میں کھڑی تھی۔ ابھی داروغہ جی سخت پریشانی میں مبتلا تھے۔ کہ اب کیا کروں۔ کہیں زیدی بھی بدمعاشوں کے ہاتھوں میں تو نہیں پھنس گئے زیادہ دیر وہاں ٹھہرنا۔ اب خطرہ سے خالی نہیں۔

"اتنا سوچ کر انہوں نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ تینوں لاشیں بھی نیچے لے آؤ اور کمرے سیل کر دو۔ تھوڑی دیر بعد تینوں لاشیں نیچے آ گئیں۔ کمرے سیل ہو گئے۔ سب انسپکٹر نے تینوں لاشیں گاڑی میں رکھیں اور بکرم سنگھ کی لاش بھی کار سے نکلوا کر گاڑی میں رکھ کر چاہتے تھے۔ کہ چلیں فوراً آواز آئی۔

ٹھیرو......

داروغہ جی نے منہ پھیرا کر دیکھا زیدی کے آگے داد ہاتھ اٹھائے چلے آ رہا تھا اور پیچھے پیچھے زیدی ریوالور اس کی پشت سے لگائے۔ اُن ہی سیڑھیوں سے اُتر کر نیچے آ رہے تھے۔ جس سے پولیس لاشیں لے کر آئی تھی۔

داروغہ سخت حیران تھے کہ زیدی تو نیچے بھاگے تھے یہ اوپر کیسے پہنچ گئے۔

اور یہ دادا کو کس لیے گرفتار کر لائے۔ ابھی وہ یہی سوچ ہی رہے تھے کہ زیدی نے مسکرا کر کہا۔

داروغہ جیسے انہیں آپ نے چھوڑ ہی دیا تھا۔

"کون دادا......"

"داروغہ جی گھبرا کر کہا......مگر یہ......یہ تو۔"

آپ یہی کہنا چاہتے ہیں کہ یہ وہیں موجود تھا جہاں آپ کھڑے تھے......نہیں داروغہ جی آپ نے اسے آزاد چھوڑ کر اس کے ہاتھوں ایک قتل اور کرا دیا۔

"کیا بکرم سنگھ کو اس نے ہی قتل کیا ہے۔"

"ایک بکرم سنگھ نہ معلوم کتنے بکرم سنگھ اس نے مارے ہیں۔"

"مگر حضور یہ نیچے کدھر سے آیا۔"

"دیکھنا چاہتے ہو...... یہ سینما نہیں داروغہ جی بدمعاشوں کا اڈا ہے جو پھٹ کر راستہ دے دیتا ہے۔"

"تو کیا منیجر اور آپریٹر کا قاتل بھی یہی ہے۔"

"نہیں منیجر آپریٹر کا قاتل خود بکرم سنگھ تھا۔"

"بکرم سنگھ......یہ کیا راز ہے میں سمجھا نہیں۔"

نہ سمجھنے کا ہی وقت ہے۔ سب کچھ سمجھا دیا جائے گا۔ مگر وقت پر اسے باندھ لو میں جا رہا ہوں۔

زیدی اتنا کہتے ہوئے اپنی کار میں بیٹھے اور کالج پہنچے پرنسپل کو اطلاع کرائی اُس نے طلب کیا۔ کھڑے ہو کر ہاتھ ملایا اور بٹھاتے ہوئے بولا۔

"کیسے تکلیف فرمائی۔ میں تو جناب کے دیدار کا بے حد متمنی تھا۔"

"زیدی مسکرا کر بولے۔" اسی لیے حاضر ہو گیا۔

"اندر بکرم سنگھ کی لڑکی سے ملنا مقصود ہے۔"

"کیوں کوئی ضروری کام ہے۔"

جی بہت ضروری بکرم سنگھ قتل ہو گئے ہیں۔ اُسی کے متعلق کچھ معلومات کرنا ہیں۔



"کیا بکرم سنگھ قتل ہو گئے۔"

"مگر کس نے کیا انہیں قتل وہ تو انتہائی شریف انسان تھے۔"

جی...... بہت......شہر میں جتنے قتل ہوئے ہیں۔ قریب قریب سب میں ان ہی شریف صاحب کا ہاتھ تھا اور آج ہی شرافت کی بناء پر خود بھی قتل ہو گئے۔

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔" پرنسپل گھبرا کر بولا۔

"محترمی...... یہ کوئی نئی بات نہیں سفید کپڑوں میں زیادہ تر شرافت کے رہزن اور لیٹرے ملتے ہیں۔ مگر بدنام وہ ہیں جنہیں روٹی پیٹ بھر کر نہیں ملتی۔ اگر وہ جرم کرتے ہیں تو صرف پیٹ بھرنے کو اور یہ پیٹ بھرے......خمار گندم نکالنے کے لیے۔"

"صحیح فرمایا زیدی افسوس ہوتا ہے۔ اپنے ملک کی نادانی پر جو پڑھ لکھ کر سب کچھ گنوا بیٹھتے ہیں۔"

"نہیں جناب گنواتے نہیں بلکہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ بنتے ہیں جس کے ذریعہ وہ قانون ہی کو جیب میں ڈال لیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بھیانک واقعات کا ظہور ہوتا ہے اور پولیس انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔ ان کے ہر فعل میں علم الو کھے انداز پیدا کر دیتا ہے۔ اس ہی کیس کو دیکھ لیجیے۔"

مجھے ذرا بھی کسی پر شک ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کے اُس کے ذریعہ کچھ نکال لوں گا۔ حالاں کہ اس کو حراست میں نہیں لیتا نہ کوئی اظہار ایسا کرتا ہوں کہ کوئی سمجھے کہ میں مشکوک ہوں۔ مگر دوسری طاقت سمجھ لیتی ہے کہ یہ پھنس چکا ہے۔ گویا میرے دل کا حال انہیں معلوم ہو جاتا ہے اور وہ فوراً ہی گولی کا نشانہ اُسے بنا ڈالتے ہیں۔ کتنا خطرناک اور منظم کام ہے۔ کیا اس میں جہالت کا دخل ہو سکتا ہے۔"

کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے تعلیم حاصل نہیں کی مگر اس لیے کہ اس سے غلط فائدہ حاصل کریں گے یا پڑھ لکھ کر جانور بن گئے۔"

"پرنسپل نے اندرا کو چپراسی کے ذریعہ بلایا۔ چند منٹ بعد ایک پیکر حسن زیدی کے سامنے کھڑا تھا۔ جس کے بھولے پن پر خود معصومیت قربان تھی۔ گردن جھکائے پرنسپل کے سامنے آ کر بولی۔"

"کس لیے طلب فرمایا گیا ہے۔"

پرنسپل کو زیدی نے اشارہ دیتے ہوئے کہا کہ کچھ باتیں کرنا ہیں پرنسپل نے اندرا کو بغور دیکھا اور بولے۔

"اندرا پہلے میں تمہارا تعارف۔ مسٹر زیدی ہندوستان کے مشہور سراغ رساں سے کراتا ہوں۔"

"آپ مسٹر زیدی۔"

"جی بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" اندرا گردن جھکائے جھکائے بولی۔

"زیدی نے پرنسپل سے درخواست کی کہ میں اندرا سے کچھ باتیں تنہائی میں کرنا چاہتا ہوں۔" پرنسپل نے فوراً اجازت دے دی۔

زیدی اندرا کو لیے ہوئے کالج کے باہر صحن میں نکل آئے اندرا سخت پریشان تھی کہ یہ کیا چاہتے ہیں اور کیوں مجھ سے باتیں کرنے آئے ہیں۔ زیدی نے اندرا کی پریشانی بھانپی اور مسکرا کر بولے۔

"مس اندرا آپ پریشان نہ ہوں۔" کیوں کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ پرنسپل کے سامنے کوئی ایسی بات معلوم کروں۔ جو آپ کے کیریٹر پر بدنامی کا داغ بنے اس لیے میں آپ کو یہاں لے آیا ہوں۔ میں دو چار سوالات آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ وعدہ کرتی ہیں کے سچ بولے گی۔ کیوں کے آپ ایک کالج گرلز ہیں۔

"وعدہ کرتی ہوں نہ میری عادت ہے۔ دروغ گوئی کی۔"

اندرا بولی۔

"آپ سوشیل کو کس حد تک جانتی ہیں۔"

"وہ ایک اچھا آدمی ہے اور ہمارا ملازم ہے۔"

"اگر میں یہ کہوں کے وہ ایک بُرا آدمی ہے تو آپ

میری بات پر یقین کریں گی یا نہیں۔"

"اگر ثبوت ہوا تو کوئی وجہ نہیں یقین نہ کرنے کی۔"

"میں جو کچھ کہوں گا وہ ثبوت کے ساتھ کہوں گا وہ آپ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور آپ کے پتا جی نے اس کو قول بھی دیا تھا۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"کیا آپ بھی اس سے مانوس تھیں۔ میرا مطلب ہے۔ آپ چاہتی تھیں کہ اس سے شادی ہو جائے۔

"شادی کا مسئلہ ہندوستانیوں میں اکثر والدین کے سپرد ہوتا ہے۔ لاکھ بچے تعلیم حاصل کر کے مغربی بن جائیں۔"

"میرے سوال کا جواب نہیں دیا اندرا بہت دیر ہو جائے گی سوالوں میں الجھ کر۔"

"میں بھی نہیں آپ چاہتے کیا ہیں۔ صرف لفظ محبت کی وضاحت۔"

"یہ غلط ہے۔"

"مگر میں آپ کی وہ تحریر پیش کردوں۔ حالاں کہ آپ نے قول دیا ہے جھوٹ نہ بولنے کا...... اس تحریر سے تو آپ بھی انکار نہیں کرسکیں گی۔"

"اندرا نے جو تحریر دیکھی ہوش اُڑ گئے۔ گھبرا کر بولی۔"

"کیا یہ تحریر سوشیل نے آپ کو دی ہے۔"

"گویا اقبال ہے...... آپ یہ بتا دیجیے کہ آپ کے پتا کیوں اس کے خلاف تھے۔ حالاں کہ بچپن سے پالا تھا اور اس کو قول بھی دے چکے تھے۔"

"اس کے متعلق مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"میں بتاتا ہوں آپ کے پتا اسے سبز باغ شادی کا دکھا کر کوئی اتنا سخت کام لے رہے تھے۔ جو ان کی طاقت سے باہر تھا اور جب وہ کام طے پا گیا تو یہ جانتے تھے کہ وہ شادی کے لیے مجبور کریگا۔ لہٰذا اسے قتل کر دیا۔"

"کیا...... سوشیل کو......" اندرا کے منہ سے آگے نہ نکل سکا۔

"زیدی کڑی نظر ڈالتے ہوئے بولے۔" ہاں اندرا......" وہ کام کیا تھا شاید تم نہیں جانتیں۔" "یا جانتی ہو تو بتانا نہیں چاہتی...... میں بتا دیتا ہوں تمہارے پتا ایک ایسی ٹولی سے تعلق رکھتے ہیں جن کا کام ہے۔ ہر قیمت پر دولت اکٹھا کرنا اور عیاشی کرنا۔"

"یہ جھوٹ ہے مسٹر زیدی میرے پتا پر الزام لگانے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔"

"زیدی مسکرا کر بولے۔" "اندرا زیدی کبھی کسی شریف کا دامن نہیں پکڑتا۔ مگر مجرم کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔"

"کیا تمہارے پتا بے گناہ ہیں اور میں الزام لگا رہا ہوں۔ کیا یہ بھی غلط ہے کہ کوئی لڑکی رادھا تمہاری پناہ میں نہیں آئی اور تمہارے پتا نے اس کی عزت نہیں لوٹی اور یہاں بھی بس نہ کیا۔ جب ان کے پاپ کا گھڑا پھوٹنے لگا تو اس لڑکی کو ظالم منیجر سوشیل کے ہاتھوں قتل نہیں کر دیا گیا۔ چنلی طوائف کا خون تمہاری کوٹھی میں نہیں بہا گیا۔ گنگو مالی کے لڑکے کی بہو کا دامن عصمت تمہارے پتا نے تار تار نہیں کیا۔"

"زیدی کہے جا رہے تھے اور اندرا دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے رو رہی تھی۔ اسے زیدی کے سنائے ہوئے واقعات کی ایک ایک کڑی صداقت سے بھری معلوم ہو رہی تھی۔"

"وہ ایک دفعہ روتے ہوئے چیخی۔" "زیدی...... بس کرو......" یہاں کیوں آئے ہو کیا پتا کہ جرم میں تم یہ چاہتے ہو کہ میری عزت خاک میں مل جائے اور میں کالج کی دنیا میں منہ دکھانے کے لائق بھی نہ رہوں۔

"نہیں اندرا اگر ایسا ہوتا تو میں پرنسپل کے کمرے سے یہاں تم کو نہ لاتا۔"

"پھر آپ کا مقصد کیا ہے۔ یہاں آنے سے جب سب کچھ تم کو معلوم ہو چکا ہے تو جاؤ ہتھکڑیاں لگا دو وہ گھر میں ہیں۔"

"میں تمہیں ستانے نہیں آیا اندرا۔ لینے آیا ہوں کیوں کے پڑھنے کا ٹائم نہیں۔"

"کیا مقصد میں بھی نہیں۔"

یکایک کالج کا چپراسی بھاگا ہوا آیا اور اندرا زیدی کے قریب رکتے ہوئے بولا۔

"اندرا صاحبہ آپ کے گھر سے فون آیا ہے۔"

"آپ کے پتا جی......"

"کیا ہوا پتا جی کو اندرا چیختے ہوئے بولی۔

"قتل ہو گئے......" چپراسی نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"اندرا غم و غصے میں دیوانی ہو کر زیدی کا گریبان پکڑ کر بولی۔"

"کیوں مسٹر زیدی یہی کہنا چاہتے تھے۔" پڑھنے کا ٹائم نہیں...... بتاؤ کس نے قتل کیا میرے پتا کو تم نے...... بولو جواب دو...... جب ہی یہاں آ کر مجھ سے فریب دے کر جان بچانے کے لیے سب کچھ پوچھنا چاہتے تھے۔

"مگر یاد رکھو اندرا...... اپنے پتا کے خون کا بدلہ تم سے لے گی۔"

زیدی خاموش کھڑے تھے۔

"اندرا دیوانہ وار کہے جا رہی تھی کافی دیر بعد زیدی بولے۔"

"اندرا زیدی مجرم نہیں۔" "پکڑنا جانتا ہے۔ اس کا دامن کبھی رنگین نہیں ہوا۔ مگر یہ ضرور جانتا تھا کہ تمہارے پتا قتل ہو گئے۔" جب ہی کہا تھا کہ پڑھنے کا ٹائم نہیں قتل کس نے کیا ہے۔ یہ بھی ضرور جانتا ہوں شاید تم زیدی سے بدلہ لے سکتی ہو مگر اس سے نہیں۔"

"بھول میں مت رہو زیدی...... میں آکاش سے اپنے پتا کے قاتل کو کھینچ لاؤں گی۔ پہاڑ سے ٹکرا جاؤں گی۔"

"وہ پہاڑ نہیں...... آکاش پر گیا نہیں...... مگر جلد چلا جائے گا اگر تم مجھے اس کے متعلق مفصل بتا دو۔"

"اگر تم نہیں بھی بتاؤ گی تو ایک نہ ایک دن میں اس کا گریبان ضرور پکڑ لوں گا۔ مگر اس مدت میں تمہارا جذبہ انتقام سرد پڑ جائے گا۔"

کون رام کشش ہے وہ......" بتاؤ زیدی......"

"اندرا اتنی جلدی نہ کرو...... کھلی فضا...... پیر کے نیچے کی چیونٹی بھی دشمن سمجھو۔" "مجھے تمہاری زندگی کی فکر ہے۔"

"میری زندگی کی...... کیوں...... کس لیے۔"

"تمہارا حسن اور سوشیل کی موت تمہارے پتا کی وجہ موت بنی ہے۔ اس لیے انتقام ضروری سمجھو۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں...... یہ تمام باتیں آپ کو کس طرح معلوم ہوئیں۔"

"آؤ اندرا گھر چلیں...... شاید تمہاری کار بھی نہ آئے...... کیوں کے غم میں کسی کو دھیان نہیں ہوگا۔ کار سمجھیگا میں تمہیں چھوڑتا نکل جاؤں گا۔"

"چلیے میں تیار ہوں۔"

"کیا پرنسپل سے اجازت نہیں لو گی۔"

"ضرورت نہیں...... اچھا...... آپ کار تک چلیں میں ابھی آتی ہوں۔"

"زیدی کار کی طرف بڑھ گئے اندرا کلاس میں گئی اپنی کتابیں اٹھائیں پروفیسر کو بتایا کہ وہ جا رہی ہے کلاس سے نکلی اور زیدی کی کار کی طرف بڑھی۔"

"زیدی کار نے اگلا دروازہ کھولا اندرا بیٹھ گئی۔ زیدی گھوم کر دوسری طرف کار میں آ بیٹھے کار اسٹارٹ کی اور چل دیے۔

گیٹ سے نکلے کنکھیوں سے اندرا کی حالت دیکھی جس کی آنکھوں سے اشکوں کا طوفان بہہ رہا تھا۔ کیوں نہ بہے...... اندرا بیٹی تھی...... حالاں کہ باپ کے کردار سے واقف تھی۔"

"مگر پھر بھی یہ گوارہ تھا کہ اس کے باپ کے دامن سے کوئی گندگی وابستہ ہو۔ بیٹی وہ دولت ہے۔"

"جسے نہ پاکر انسانی زندگی گھر کی زینت جنازے کی رونق سے محروم رہتا ہے۔ اس کی حسین مسکراہٹ بے رونق دنیا میں وہ سماں پیش کر دیتی ہیں کہ غمزدہ سے غمزدہ دل بہل جاتا ہے۔

"حالاں کہ دنیا والے بیٹی کو ایک ایسی مصیبت سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اس کے آتے ہی گردن خم ہو جاتی ہے۔"

"کاش مصیبت سمجھنے والے بیٹی کو بیٹی کی نظروں سے دیکھتے ہو لے اسے کچھ اور بنا کی کوشش نہ کریں۔"

دنیا والے لڑکیوں کو دوش دیتے ہیں مگر میرا نظریہ اس کے برعکس ہے۔ یہ کمزوری ہے والدین کی جس پر کچھ تو پچھتاتے ہیں کچھ فخر کر کے دولت کا ذریعہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔"

"وہ گھر کی رونق تھی کاش گھر میں رونقیں برسانے دیتے اسے اسٹیج یا پارٹیوں میں پکنک میں سب کچھ مٹانے کی تعلیم نہ دیتے۔ بیٹی کی ذات وہ ذات ہے جو آج نسل آدم سے چلی آ رہی ہے۔ انسانیت کو زندہ رہنے کی تلقین کر رہی ہے۔

"بچوں کی تربیت پر محمود غزنوی طارق کا درس عمل دے رہی ہے اس کی ذرا سی لغزش بربادئی عالم ہے۔" "جس کی تمام تر ذمہ داری والدین پر ہے۔ جو آنکھیں رکھتے ہیں۔ مگر اندھے ہیں عقل رکھتے ہیں مگر بے حواس ہے۔"

غرض کہ اندر کی بے چینی زیدی سے دیکھی نہ گئی اور غم غلط کرنے کے لیے ہمدردانہ انداز میں بولے۔ اندرا......

"آپ ڈاکٹر جوشی سے واقف ہیں۔"

"اندرا جیسے سوتے سے جاگتی ہے اچھلتے ہوئے بولی۔"

"ڈاکٹر جوشی کون ڈاکٹر...... جوشی...... پاگل خانہ کا انچارج

"تم نے تو اسے دیکھا ہوگا۔" "میرا مطلب ہے کس قسم کا انسان ہے وہ......"

"میں نہیں جانتی...... اندرا اتنا کہہ کر کر خاموش ہو گئی۔"

"اندرا...... چھپاؤ نہیں...... میں وعدہ کرتا ہوں تم پر کوئی آنچ نہ آنے دوں گا ساتھ ہی ساتھ۔"

"یہ درخواست بھی کروں گا۔ کہ اپنے پتا کے قاتل کو معاف کرنے کی کوشش نہ کرو...... وہ اتنا اچھا آدمی نہیں جتنا تم سمجھے ہوئے ہو۔"

"مسٹر زیدی آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" "کیا مل جائے گا آپ کو مجھے دیوانہ بنا کر......" "میں نہیں مان سکتی کے وہ میرے پتا کو قتل کرے۔"

"یہ سچ ہے اندرا کہ تمہارے پتا پر حملہ آور وہ نہیں دادا ہے مگر دادا نے ایسا کیوں کیا صرف جوشی کے حکم کے مطابق وہ بظاہر دور ہے۔

"گورنمنٹ کی خبریں اس تک پہنچ رہی ہیں اور آ رہی ہیں جن کا ثبوت بھی پیش کر سکتا ہوں۔"

"شیلا نامی لڑکی سے تم واقف ہو۔"

"ہاں...... نام سنا ہے شکل نہیں دیکھی ہے۔"

"شکل اس کی میں تمہیں دکھا دوں گا۔ وہ میرے قبضے میں ہے۔ اس نے بہت کچھ واقعات بتا دیے ہیں باقی حالات مجھے منیجر سوشیل کے کمرے نے بتائے۔ عنقریب جوشی قانون کے سپرد ہوگا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ شیلا کو بحکم تمہارے پتا کے جوشی کی خدمت میں بھیجا جا رہا تھا۔ مگر سردار جی کی نیت بدل گئی اور وہ اسے لے کر فرار ہونے لگا۔ میں نے عین موقع پر اس کو گرفتار کیا۔ وہ تحریر تھی منیجر سوشیل کے ہاتھ کی لکھی ہوئی۔ میرے ہاتھ لگ گئی جو...... ڈاکٹر جوشی کو تمہارے پتا کی طرف سے لکھی گئی تھی...... شیلا کو کیوں بھیجا جا رہا تھا یہ عجیب راز ہے۔

"شیلا منیجر کو چاہتی تھی۔ منیجر اسے بے وقوف بنا کر اپنا کام نکال رہا تھا۔"

"اُدھر ڈاکٹر جوشی شیلا کو اپنی خدمت کے لیے طلب کر رہا تھا۔ مگر منیجر نہ معلوم کس بنا پر اسے روکے ہوئے تھا۔ مگر میرے نائب پرویز کی ملاقات نے شیلا کو مصیبت میں ڈال دیا۔"

دوسری طرف تمہارے پتا اپنا الو سیدھا کرنے کی فکر میں تھے۔ ڈاکٹر جوشی چاہتا تھا کہ تم سے شادی کرے۔

"منیجر کی دلی تمنا بھی یہی تھی۔ تمہارے پتا دونوں کو بے وقوف بنا رہے تھے۔ پہلے منیجر سوشیل کو ڈاکٹر جوشی کے حکم سے قتل کر دیا۔"

"یہ کہہ کر کہ وہ اندرا کو آپ تک نہ پہنچنے دے گا۔" بغاوت پر اُتر آئے گا۔ اس کی بغاوت سب کے لیے خطرہ ہے۔"

"ادھر شیلا کو ڈاکٹر جوشی کے پاس بھیجنے کے دو مقصد تھے پہلا یہ کہ سوشیل ڈاکٹر جوشی کے خلاف ہو جائے۔ دوسرے شیلا ایک حسین لڑکی ہے۔ اسے جوشی پا کر تمہیں بھول جائے اور وہ بھی کہہ سکیں کے اب اندرا تم کو کیسے دوں۔"

"غرض کے ہر شخص اپنا اپنا جال بچھائے تھا۔ محض تمہاری وجہ سے...... مگر ڈاکٹر جوشی نے سب کو راہ سے ہٹا دیا۔ اب وہ تمہیں با آسانی حاصل کر سکتا ہے۔ ادھر رائے بہادر کی وہ دولت جو کیلاش کے ذریعہ تمہارے پتا اینڈ کمپنی کو پہنچ رہی تھی۔ اس پر تنہا قابض ہو جائے گا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بینک کے کیسوں سے پتا اور جوشی کا کیا تعلق یہ میں ماننے کو تیار نہیں۔"

"مگر میں منوا کر رہوں گا۔"

"سنئے بینک میں جو رقم تقریباً ایک لاکھ روپیہ داخل ہے۔" "وہ مختلف چار ناموں سے ہے جس میں تمہارے پتا...... منیجر سوشیل اور جوشی تین تو یہ ہیں باقی چوتھا کون ہے۔" "وہ صیغہ راز میں ہے۔ رائے بہادر کو حالاں کہ ہر ہر قدم پر ان لوگوں نے پھانسنے کی چال کھیلی ہے کہ جب بھی ذرا سا کیس اُبھرے اور رائے بہادر کی گردن پولیس پکڑے۔"

"رائے بہادر قطعی بے گناہ ہے۔"

"صرف گناہ کیا ہے کہ اس لیے کیلاش کو اپنی عیاشی کی عدیم الفرصتی کی وجہ سے سب کچھ سمجھ لیا۔ کیلاش جو بھی مال چوری سے خریدتا۔ ڈکیتوں اور بدمعاشوں سے وہ زیادہ تر اپنی فرم یعنی تمہارے پتا وغیرہ کے نام پر اور کبھی کبھی رائے بہادر کے نام سے تاکہ پولیس کو شک نہ ہو حالاں کہ وہ مال بھی رائے بہادر کو نہ ملتا۔ جب مال لینے والا روپیہ لے ہی نہیں پاتا تو روپیہ کہاں جائے۔ لہٰذا وہ مال بھی یہیں آ جاتا۔ سوشیل نے شیلا کو بے وقوف اس لیے بنایا تاکہ اس کی پس غیبت میں مکان کا تالا دوسری چابی سے کھولے اور روپیہ لینے والے کو گولی سے اڑا دے اور تالہ بند کر دے تاکہ اگر پھنسے تو تو شیلا محلے والے اس لیے کوئی شک نہ کرتے کہ اس نے اڑایا تھا کہ وہ شیلا کا منگیتر ہے اور جلدی شادی ہونے والی ہے۔"

"اندر بغور زیدی کی گفتگو سنتے سنتے بولی۔"

"جب آپ کو سب کچھ معلوم ہے تو پھر میرے پاس پہنچنے کا مقصد نہ کھلا۔"

"اوّل چیز تو یہ کہ آپ کو زیادہ غم نہ ہو کہ آپ کے پتا مجرم نہ تھے۔ آپ کے لیے زیادہ غم مناسب نہیں۔ کیوں کہ ابھی آپ کو بہت خطرہ سے گزرنا ہے۔ اگر غم لیے بیٹھی رہیں تو آپ اپنے آپ کو کھو دیں گی۔" تیسرا مقصد یہ ہے کہ میں اپنے کسی مفاد کے لیے جوشی سے آپ کا دل برا کر رہا ہوں۔ بلکہ ایک معصوم لڑکی کو ایسے بھیڑیے سے بچانا مقصود ہے جو آج تک تقریباً پانچ ہزار شادیاں کر چکا ہے اور ان کا شمار نہیں۔ جو پاگل عورتوں یا اُن کے وارثوں میں آتی ہیں۔

"یہ سب حال آخر آپ کو معلوم کس طرح ہوا اور جب ہو گیا تو آج تک وہ آزاد کیوں ہے۔"

"اس لیے وہ اتنا چالاک ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ہر طرح محفوظ کر لیا ہے۔"

"یکایک اندرا نے زیدی کو گھبرا کر دیکھا۔"

زیدی نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کی کوٹھی...... کار برساتی میں جا کر ٹھہری کوٹھی میں شور ماتم برپا تھا۔ اندرا نے زیدی سے سوال کیا۔"

"کیا اُمید کی جائے کہ خطروں میں تنہا نہیں ہوں۔"

بالکل...... اب آپ جائیں میں صبح حاضر ہوں گا۔"

"زیدی نے اندرا کو اُتارا اور کار لے کر چلے راستہ بھر وہ اندرا کے متعلق سوچتے رہے۔ یہاں تک کہ آفس پہنچے۔ آفس کا دروازہ کھلا پایا۔"

"وہ سمجھے شاید رعنا لوٹ آئی۔ وہ ایک دم آفس میں گھس گئے۔ فوراً ہی کسی نے کیواڑ کی آڑ سے ریوالور زیدی کی کمر سے لگاتے ہوئے کہا۔"

"بہت دیر کردی مسٹر زیدی میں تو کب کا منتظر تھا۔"

"زیدی نے چاہا کہ مڑ کر دیکھیں کون ہے۔ فوراً ہی وہ کڑک کر بولا۔ خبردار زیدی ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ کمر گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔"

کیا چاہتے ہو۔ زیدی نے سخت انداز میں کہا۔

"کیا چاہتا ہوں...... کیا یہ بھی بتانا پڑے گا۔ تمہارے دماغ کی داد نہیں دی جا سکتی۔ مگر میرے ریوالور کی مثال نہیں۔ آج تک اس نے کوئی کارتوس بے کار نہیں چھوڑا"۔

کیا...... یہ اس کا ریکارڈ ہے۔ مگر اس کا مقصد...... چلا کر دیکھو اسے شاید آج اس میں یہ اثر نہ ہو۔"

"باتوں میں وقت ضائع کرنے میں نہیں آیا۔ صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ جو قدم تم اور تمہارگر کے اٹھا رہے ہیں۔ وہ بہت سخت ہے مگر اس قدر انجام...... بھیانک۔ یہاں تمہاری دماغی صلاحتیں بے کار ہو جائے گی۔ مجھے مجبور کر دیا ہے۔ تم نے...... جب قدم اٹھانا پڑا ہے۔"

میں تو منتظر تھا جناب کا...... شاید یہ پہلی ملاقات ہے۔ میں حیران تھا کہ وہ جو تھی ذات ہے کون۔"

"اب تو سمجھ گئے...... مان گئے ہوگے۔"

"میں تمہارے گھر پر ہوں میرا امکان نہیں......"

"جب ہی تو خاموش ہوں...... کچھ اور کہنا ہے یا بس۔"

اب میں تو کہہ چکا...... ریوالور کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔ اس کو بھی اجازت ہے۔ حرکت دوتا کہ اس کے دل میں بھی کوئی حسرت نہ رہ جائے۔

"ایک دم آنے والے نے ریوالور کی لبلبی دبائی ایک فائر ہوا مگر گولی دیوار میں گھس گئی۔ زیدی بجلی کی طرح زمین پر لیٹ چکے تھے۔ حملہ آور سمجھ چکا تھا کہ گولی کمر توڑ کر سینے سے نکل گئی ہوگی۔ مگر اسے کیا معلوم تھا کہ زیدی کے سامنے ریوالور چال بھول جاتے ہیں۔"

"یہ وہ سیماب ہے جسے قرار نہیں۔"

"وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ کہ زیدی لیٹے ہی لیٹے اس طرح پیچھے ہٹے کہ اس سے احساس بھی نہ ہو سکا۔ قبل اس کے کہ وہ دوسرا فائر کرے۔ زیدی نے اپنی دونوں ٹانگوں میں اس کی وہ کلائی باندھ لی۔ جس ہاتھ میں اُس کا ریوالور تھا۔ حملہ آور کی کلائی ٹوٹی جا رہی تھی۔ اس لیے چاہا کہ دوسرے ہاتھ میں ریوالور لے زیدی نے اُچھل کر اس کی کلائی دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر ایک تڑنگ لی۔ کہ معہ دیوار کے وہ دور کھڑے تھے۔ حملہ آور بوکھلا گیا کہ اس کا ہتھیار اس کی موت کی بناء بنا جا رہا ہے۔"

زیدی مسکراتے ہوئے جیتے ہوئے بولے۔ "کہو دوست آج تمہارا ریوالور چال بھول گیا یا نہیں۔"

"مانتا ہوں زیدی...... مگر ہراساں نہیں۔"

تم بھی گولی چلا کر اپنی حسرت نکال سکتے ہو۔"

"میں مجبور ہوں......" کیوں کے تم پہلے کہہ چکے ہو کہ میرے مکان پر ہو۔ "اب یہ بتاؤ کہ مقصد کیا لے کر آئے تھے۔"

"زیدی نے مسکرا کر پوچھا۔"

"صرف اتنا کہ تمہیں مٹا کر اپنے ساتھیوں کا انتقام لے سکوں۔"

"جنہیں میں نے مٹایا نہیں۔" بزدل ہاتھی ہمیشہ اپنی فوج کو مارتا ہے کیوں ہے نا یہی بات اب تم جا سکتے ہو۔"

"اوہ...... کیا ریوالور چاہیے۔ لو یہ بھی لوتا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ ریوالور بھی چھڑا آئے۔"

"اتنا کہہ کر زیدی ریوالور اُس کی طرف پھینک دیتے ہیں۔ وہ جلدی سے ریوالور اٹھاتے ہوئے کہتا ہے۔" بے



وقوف انسان خود مت کو گلے لگا لیا۔ اب مرنے کو تیار ہو جاؤ۔"

زیدی نے قطعی جنبش نہ کی اور جس طرح بیٹھے مسکرا رہے تھے۔ مسکراتے رہے۔ اس لیے وہ ہی ریوالور زیدی کے سینہ پر نشانہ بناتے ہوئے استعمال کرنا چاہا۔ جو زیدی نے واپس کیا تھا۔

لبلبی دبائی۔ مگر گھوڑا گرتے ہی پیٹ سی آواز نکلی اور کچھ نہ ہوا۔

"زیدی نے بڑی زور سے قہقہہ مارتے ہوئے کہا۔"

کیا چاہتے ہو۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم یہاں مارے جاؤ اگر ایک سیکنڈ ضائع کیا تو میری میز گولیوں کو بوچھار کر دے گی۔"

"حملہ آور نے مرعوب ہو چکا تھا۔ اس لیے فوراً اٹھا کمرے سے باہر نکلا۔ اس کے نکلتے ہی قہقہہ کی آواز فضا میں گونجی۔"

حملہ آور نے حالاں کہ سیاہ نقاب سے منہ چھپا لیا تھا۔ مگر زیدی کی نگاہوں سے نہ چھپ سکا۔ ادھر حملہ آور بھاگا۔ زیدی نے کار اسٹارٹ کی اور آناً فاناً اندرا کی کوٹھی پر پہنچے۔

"کوٹھی میں شب کی باتحت بجلی قدم قدم پر جل رہی تھی۔"

"زیدی نے کار باہر چھوڑ دی اور دبے پاؤں کوٹھی میں گھسے۔ درختوں کی آڑ لیتے ہوئے۔ وہ جلدی سے جلدی کوٹھی کے اندر پہنچنا چاہتا تھے۔ مگر بعض اوقات نوکروں کی آمد و رفت انہیں کسی درخت کی آڑ لینے پر مجبور کر دیتی تھی۔

بمشکل کئی منٹ کی جدوجہد کے بعد وہ کوٹھی کے بائیں طرف پہنچے۔

"ادھر اُدھر دیکھا اور نل کے ذریعے وہ اُوپر چڑھنے لگا۔"

"چار پانچ گز زیدی چلے ہوں گے۔ کہ برابر کھڑکی میں سے انہیں کسی کی گفتگو کی آواز آئی۔"

زیدی نے رُک کر گفتگو سننا چاہی مگر آواز بہت آہستہ آہستہ معلوم ہو رہی تھی۔

"اس لیے زیدی اچھی طرح سن نہ سکے وہ جلدی جلدی نیچے اُترے اور موقع پاتے ہی اندر کوٹھی میں گھس گئے۔"

"اتفاق سے ایک کمرہ میں روشنی نہ تھی۔ اس لیے زیدی کو موقعہ مل گیا۔ وہ اس ہی کے کمرے کے ذریعہ اس کمرے تک پہنچے۔"

جس میں سے گفتگو کی آواز برآمد ہو رہی تھی۔

"زیدی نے آہستہ سے پردہ اُٹھا کر اندر جھانکا۔ ایک عورت لیٹے لیٹے منہ ہی منہ میں کچھ کہہ رہی تھی۔"

مگر پیٹھ زیدی کے طرف تھی۔ وہ نہ سمجھ سکی کون ہے۔ مگر آواز صاف سمجھ میں آ رہی تھی۔ عورت کہہ رہی تھی۔ یہ نہ سمجھو میں عورت ہوں۔ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ تم سب کو اچھی طرح سمجھ لوں۔" بکواس نہ کرو سودا مہنگا پڑے گا۔"

"اندرا کو میری زندگی میں تم پا سکو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

آنے دو دیکھ لوں گی اسے بھی...... کیا...... نہیں...... مسلمان ہے تو ہوا کرے۔ "تم عہد فراموشوں سے کہیں بہتر ہے۔ کیوں...... کیا وعدہ تھا تمہارا۔"

"زیدی جانے اور وہ جانے مجھے اس سے کیا غرض...... کیا بکواس ہے میں نے آج تک اس کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"کیا...... پرویز...... اور رعنا......"

"اچھا...... پھر...... تم سے کچھ نہ ہو سکے گا۔"

"بزدل ہاتھی اپنی فوج کو مارتا ہے۔ یہی خیال زیدی کا بھی ہے۔ بزدل نہیں تو کیا۔"

"خبردار اب میں تیرے مکروفریب میں نہیں آ سکتی۔"

"اندرا کی جوانی مٹا دوں گی۔ بے وفا انسان تو نے میرا سب کچھ لوٹ لیا۔ تیرے کہنے پر تیری عارضی اور پُرفریب

محبت کی خاطر میں نے کیا کیا نہ کیا اور آج تجھے اندرا کی تمنا ہے۔ جو میری زندگی میں نہ پا سکے گا۔"

"تو بھی آ کر دل کی حسرت نکال لے۔ کیا ارجن کوئی بھی سہی...... مجھے پروا نہیں...... آ جا...... مجھے لاش ملے گی ہاں لاش...... پھر اگر یہ لفظ تیرے منہ پر آیا تو اچھا نہ ہوگا۔"

"عورت ایک طرف کروٹ لے کر سیدھی ہوئی اس کی عمر اور اندرا کی عمر میں زیادہ فرق نہ تھا۔"

"مگر چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کی بہاریں لٹ چکی ہیں۔ ہاتھ پیر اور سفید ساری بتا رہی تھی کہ بیوہ ہے۔"

"ایک دفعہ تڑپ کر اٹھی میز کی دراز سے خنجر نکالا دیکھا اور ساری میں چھپا کر کمرے سے نکلی۔"

"اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی وہ ایک کمرہ کے پاس ٹھہری جھانکا اور پیچھے ہٹ گئی۔"

اور دبے قدم پھر اپنے کمرے میں لوٹ آئی اور برابر ٹہلتی رہی دس پانچ منٹ بعد پھر اس کمرے کی طرف بڑھی اور پھر جھانکا اور پھر لوٹ آئی اسے بے حد بے چینی تھی۔

"اندرا برابر جاگ رہی تھی۔ برابر کئی مرتبہ آنے جانے کے بعد ایک دفعہ اس نے آہستہ سے کیواڑ کھولے اور آہستہ سے بند کیے۔"

"دبے قدم وہ اندرا کی مسہری کی طرف بڑھی جو چادر اوڑھے لیٹی تھی۔"

یکا یک ساری کی اوٹ سے خنجر نکالا ہاتھ اُٹھا اور وار کیا۔"

مگر جلدی سے چادر اُلٹ کر پھینک دی بستر خالی تھا۔ صرف تکیہ رکھا ہوا تھا۔ جس کا غلاف خنجر لگنے سے چھپا ہوا تھا۔

عورت بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی اور اپنے کمرے میں پہنچی اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور وہ بار بار چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

چند منٹ اسے اس ہی عالم میں گزرے کر برابر کے کمرے سے پیر کی آہٹ محسوس ہوئی۔ عورت نے چاہا کہ دوڑ کر اپنے کمرے کے کیواڑ بند کرے۔

فوراً کیواڑ کھلے اور ایک انسان سیاہ چادر سے جسم چھپائے سامنے آ گیا۔ عورت نے ڈر کر سہمے ہوئے کہا۔ کون...... تم......"

"ہاں میں...... نقاب پوش بولا۔" اندرا کہاں ہے۔

"مجھے نہیں معلوم۔ وہ شاید بھاگ گئی۔ بھاگ گئی اور یہ خنجر۔"

نقاب پوش نے خنجر عورت کو دکھاتے ہوئے کہا۔ پہچانتی ہو کس کا ہے۔

میرا...... میرا نہیں...... ڈین ہے۔ میں کہتی ہوں...... چلے جاؤ یہاں سے ورنہ شور مچا کر سب کو جمع کر لوں گی۔

"کیوں کیا دُنیا کو یہ بتانے کے لیے کہ تم نے کیا کیا کارنامے کیے ہیں۔"

"نہیں یہ بتانے کہ میرے پتی کا قاتل تو ہے۔" میں نے حکم کی تعمیل کی ہے۔ جیسا تو نے کہا ویسا کر دیا تھا تا کہ تیری کارروائیوں میں وہ بے وقوف دخل اندازی نہ کرے۔

"یہ الزام ہے۔ بکواس ہے۔"

"بک بک نہ کر اندرا کا پتہ دے ورنہ مرنے کو تیار ہو جا۔"

لاعلم انسان کیا میری محبت کا یہی انجام...... کیا تو نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ مجھے زندگی بھر خوش رکھے گا۔"

"بے حیا عورت کیا تیرا پتی تجھے خوش نہیں رکھتا تھا۔ جو عورت اپنے پتی کی نہیں ہوئی وہ میری کب ہوگی۔"

"پتی...... پتی جو دوسری عورتوں کے لیے زندگی وقف کیے ہوئے تھا۔ کبھی اس نے پوچھا کہ تو کیا چاہتی ہے۔"

"تو کیا مجھ سے یہ اُمید لگائی تھی کہ اس صورت میں تیرا ہو جاؤں گا۔"

تو کیا تو مجھ سے فریب کر رہا تھا۔



ناگن کو دودھ نہیں پلایا جاتا...... حسین دھوکے کہ ساتھ سر کچلا جاتا ہے۔

مگر دنیا میں تو بھی نہ رہ سکے گا۔ تیرا سر کچلنے والا بھی پیدا ہو چکا ہے۔

"دیکھ لوں گا اُس کو بھی آج تو تجھے دیکھنا ہے؟"

یہ کہہ کر اُس نے ریوالور نکالا اور عورت کی طرف کرتے ہوئے کہا تیار ہو جا ناگن تیرا پتی تیرے لیے بے چین ہے۔"

☆

"ایک دم کوتوالی کے فون کی گھنٹی بولی اور پولیس کی بتایا گیا کہ بکرم سنگھ کی دھرم پتنی نے کو کسی نے گولی سے ہلاک کر دیا۔ پولیس کی گاڑی پہنچی۔ تفتیش شروع ہونے سے قبل مسٹر زیدی کو فون کیا گیا مگر کوئی جواب نہ ملا مجبوراً کوتوالی شہر نے پولیس والے کو بھگایا کہ زیدی صاحب کی کوٹھی پر جا کر معلوم کرو کہ وہ کہاں ہیں۔"

"پولیس والا گیا اور آ کر بتایا کہ وہ کوٹھی پر نہیں ہیں۔ مجبوراً پولیس نے صبح تک اس کو حراست میں رکھا۔ جس میں قتل ہوا تھا اور لاش کو بھی اس ہی عالم میں رکھا۔ مگر زیدی کا کوئی پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں ہیں۔ مجبوراً پولیس نے الٹی سیدھی تفتیش کی اور لاش کو لے کر کوتوالی لوٹ آئے۔ مختلف مقاموں پر زیدی کے لیے فون کیے گئے۔"

"مگر جواب نفی میں ملا۔ اب افسران کو دوسری فکر دامن گیر ہوئی۔ وہ حیران تھے کہ مقصد کیا ہے۔ پہلے پرویز دیوانہ بن کر پاگل خانے چلا گیا۔ اس کے بعد رعنا سوتے ہیں غائب اور دونوں کے معاملہ میں فریدی قطعی خاموش اور آج وہ خود بھی غائب آخر اس کی وجہ کیا ہے۔"

"مگر ہر پہلو پر غور کرنے کے نتیجے میں کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ صرف طرح طرح کے شکوک خیالات کار فرما رہے۔"

جس وقت یہاں زیدی کی تلاش ہو رہی تھی اُسی وقت زیدی تنہا کھڑے ایک سنسان مقام پر کچھ سوچ رہے تھے۔ چاروں طرف جنگل بیچ میں کچھ سبزہ درخت کی جڑ سے کمر لگائے زیدی کھڑے ہیں۔ یکا یک اندرا پیچھے سے نکل کر آئی اور مسکراتے ہوئے بولی۔

"کہیے حضور کب تشریف آئی اطلاع بھی نہ کی۔" ارے ہاں دونوں کا پتہ چلا۔

"تینوں غائب ہیں اندرا...... ڈاکٹر جوشی بھی فرار ہو چکا ہے۔" زیدی غمزدہ انداز میں بولے۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ان دونوں کے ساتھ کوئی سخت برتاؤ کر رہا ہو۔"

پاگل خانہ کے افسران خود اس کی گمشدگی سے حیران ہیں۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ راز کیا ہے۔"

پرویز کے متعلق سوالات کیے تو صرف اتنا کہہ کر خاموش ہیں پرسوں رات سے خود بخود وہ پاگل غائب ہو گیا۔

"خیر آپ کو ان کی فکر کیوں جتنی اپنی نہیں۔"

"تم نہیں سمجھتیں اندرا وہ دونوں میری زندگی سے زیادہ قیمتی ہیں۔"

"ہاں صاحب کیوں نہ ہوں حسن چیز ہی ایسی ہے وہ حسن پر پروانہ گرتے ہی رہتے ہیں۔"

"پرویز بھی ہے حسینوں کی محفل میں۔"

"نہ سہی...... رعنا کا تنہا نام کیسے لیا جائے۔ سمجھنے والے کچھ ایسی ویسی بات نہ سمجھ بیٹھیں۔"

لفظ پرائیوٹ سکریٹری ہزار الفاظ کا مجموعہ بن سکتا ہے مگر ہے کچھ نہیں۔ اپنا اپنا فرض اپنی اپنی ذمہ داری اس لیے ذمہ داریاں مجھ پر بھی عاید ہوتی ہیں۔

کیا خیال ہے پھر......

یہ بتاؤ اندرا کیا وہ ڈائن تمہاری سگی ماں ہے جو تمہاری زندگی مٹانے پر تل گئی۔

سگی ماں...... نہیں مسٹر زیدی سگی ماں کو تو میں نے آنکھ کھول کر دیکھا بھی نہیں۔ ہر سال ایک نئی ماں دیکھتی رہی اور جوان ہو گئی۔

"اچھا...... گویا ہر سال ایک نئی شادی اور پہلی بیوی قتل کیوں ہے نہ یہی مقصد۔"

"قتل پتا جی خود نہ کرتے تھے یہ میں یقین کے ساتھ کہتی ہوں۔"

یہ میں ماننے کو تیار نہیں جو شخص اب دنیا میں نہیں اس کے دامن کو بچانے سے فائدہ کیا اندرا۔

مسٹر زیدی اندرا پہلے کہہ چکی کہ وہ جھوٹ بولنے کی عادی نہیں اور پھر اس لیے اب کچھ کیوں چھپاؤں جس نے میری جان بچائی ہے۔ مگر میں مجبور ہوں یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ یعنی میری زندگی کی تباہی اور آبادی کا مسئلہ ہے۔" اگر کچھ کہتی ہوں تو اپنی زندگی کانٹوں میں اُلجھائے لیتی ہوں اور نہیں کہتی تو پرویز اور رعنا کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔"

"اندرا میں تمہارا ممنون ہوں۔ ہاں وہ ڈائن تمہاری ماتا رات قتل ہوگئی۔"

قتل ہوگئی' کس نے کیا...... کیسے ہوئی۔"

"ممکن ہے جس سے وہ رات وائرلیس پر گفتگو کر رہی تھی۔ وہ ہی قاتل ہو جس کو اندرا کی طلب تھی۔ اچھا جب تک میں واپس نہ لوٹوں۔ آپ اس ہی جنگل میں رہیں گی۔

کیا مقصد کہاں جا رہے ہیں آپ بلاوجہ سر پھوڑنے سے کچھ نہیں بنے گا۔

"اندرا۔" خاموش بھی تو نہیں بیٹھ سکتا۔ سر پھوڑ کر ہی شاید کچھ سکون پاسکوں۔

نہیں زیدی یہ سر اس لائق نہیں...... تاج پہننے لائق یہ سر ہے سنئے اندرا محسن کی پریشانیوں نہیں دیکھ سکتی۔ سنو مسٹر زیدی...... بکرم سنگھ دراصل نہیں تھے۔ وہ ایک ریاست کے باغی تھے۔ جن کا اصلی نام رنجیت سنگھ تھا۔ راجہ پرتاب سنگھ جو انتہائی عیاش ہونے کے ساتھ ساتھ ظالم تھا۔ اس کی سواری جس طرف سے گزرتی اور بدقسمتی سے کوئی جوان لڑکی جو جوانی کے ساتھ کچھ حسین بھی ہو اس پر پرتاب سنگھ کی نظر پڑ جاتی۔ بس سمجھ لو کہ اس کی وہ رات محل میں ضرور گزرے گی اور صبح مرجھائے ہوئے پھول کی طرح وہ محل سے دور پھینک دی جاتی۔ رنجیت سنگھ کی ماں بھی ان ہی پھولوں میں کی پژمردہ ایک پھول تھی۔ جس نے زندگی گزارنے کی ہزار کوششیں کی مگر نہ گزرا سکی اور نو ماہ بعد رنجیت سنگھ پیدا ہوئے۔ ماں نے جنگل میں رہتے ہوئے بڑے ارمان سے اپنے بچے کو پرورش کیا۔ وہ جوان ہوا کیوں کہ راجہ پرتاب سنگھ نطفہ تھا۔ اس لیے طاقت ور خوب صورت بھی تھا۔ ماں نے روتے ہوئے اپنے جوان بیٹے کو ساری داستان غم سنائی...... بیٹے نے سنا تلوار نکالی عہد کیا۔ رفتہ رفتہ تنہائی مٹتی چلی گئی اور گروہ بنتا رہا۔ مگر کس نطفے سے پیدا تھے وہ ہی بنے...... جو لڑکی جہاں نظر آتی اُس کی عزت خاک میں ملا دی جاتی۔ راجہ سے انتقام کا طالب لڑکیوں سے انتقام پر آمادہ...... گروہ باقاعدہ منظم ہو چکا تھا۔ لہٰذا ڈکیتی اور قتل کا بازار گرم ہوا۔ دوسری طرف راجہ اس کو مٹانے کی فکر میں تھا کیوں کہ ملک میں ابتری پھیل رہی تھی۔ مگر رنجیت سنگھ کی طاقت وہ نہ تھی۔ جسے پولیس قبضے میں کر سکے۔ بوڑھا راجہ خود محل سے نکلا اور باپ بیٹوں کا ایک دن مقابلہ ہو ہی گیا۔

"پرتاب سنگھ کی لاش قلعہ میں پہنچی فوجوں میں حرکت ہوئی چپہ چپہ پر فوج لگی تھی۔ رنجیت سنگھ کے سر کے لیے وہ جان چکے تھے کہ اب بچنا دشوار ہے۔ لہٰذا ریاست کا جنگل چھوڑا بھاگتے بھاگتے یہاں پہنچے۔ مگر وہ عادت نہ گئی۔ حالاں کہ نام بدل کر شریف زندگی گزار رہے تھے۔ کسی چکلے کی عورت کی تعریفیں سنیں قدم بڑھائے واقعی میں اپنے زمانے کی واحد مثال تھی۔ دلی تمنا پیش کی اور خفیہ طور پر شادی ہوگئی۔"

"اور اندرا پیدا ہوگئی...... اتفاق کی بات ایک دن کسی ایسے ڈاکو سے ملاقات ہوگئی۔ جو وہاں گروہ میں رہ چکا تھا اور اب اس گروہ کا سردار تھا۔ رنجیت سنگھ کا دم نکل گیا اور اسے اپنی موت نظر آنے لگی۔ فیصلہ ہوا کہ اپنی حسین بیوی دو اور اتنا روپیہ...... بیوی جنس ارزاں تھی۔"

"فوراً پیش کر دی۔ مگر روپیہ کہاں سے دیتے مجبوراً پھر



اسی زندگی میں قدم رکھا اب جو حسین عورت نظر آتی وہ محل کی زینت بنتی مگر چند ماہ بعد یا سال بھر کے بعد وہ بھی نذر کر دی جاتی۔ گینگ منظم ہوا...... اور طرح طرح سے روپیہ حاصل کرنے کی اسکیمیں بنتی رہیں اور روپیہ وہاں جاتا رہا یہ ہے وہ میری زندگی......

"اندرا اتنا کہہ کر شرم سے گردن جھکا لیتی ہے۔ زیدی مسکرا کر بولے۔" اندرا اس میں تو کوئی ایسی چیز نہیں جس سے تمہاری شان پر دھبہ آئے ہاں اس بے حس انسان کو مرجانا ہی چاہیے تھا۔ جو جان سے زیادہ عزت کو سمجھ کر عزت سے کھیلتا رہا مگر جوشی کے متعلق پھر بھی تم خاموش ہی رہیں۔"

"ہاں زیدی میں بھول گئی...... جوشی خود پڑھا لکھا ڈاکو ہے اور تعلیم کی وجہ سے وہ اس گروہ کا سردار بن گیا۔"

"کیوں کے قریب قریب تمام ساتھی مارے گئے اور وہ اکیلا رہ گیا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ بھاگ نکلے اگر وہ گیا تو پھر اس ہی کمینے کے پاس اور کہیں نہیں جا سکتا۔"

مگر پرویز اور رعنا اس کے بس کے نہیں ضرور کوئی اور بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔"

"وہ......ایک ڈاکٹر تھا...... کیا یہ ممکن نہیں کہ بے ہوش کر کے لے گیا ہو۔"

"کم از کم رعنا کے متعلق یہ بھی نہیں خیال میں آ سکتا۔ وہ بہت چالاک ہے۔ جس نے اس بدھو ڈاکٹر کے دل سے سب کچھ نکال لیا۔ وہ اس سے بے ہوش بھی نہیں ہو سکتی۔"

"اندرا گھبرا کر بولی۔" کیا تمام واقعات رعنا کے ذریعہ آپ تک پہنچے۔"

بہت کم...... بہت کچھ میں نے یہاں حاصل کر لیے۔

کیا خیال ہے پھر آپ کا۔

"میرا خیال یہ ہے کہ جوشی ابھی نہیں گیا ہے وہ یہیں کہیں روپوش اور موقعہ کا منتظر ہے۔"

"وہ کیوں...... یہ دلیل آپ کی سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ تنہا یہاں کیوں رہے گا۔"

"اندرا تم پھول کی طرح سبک اور انتہائی معصوم ہو۔ جوشی نہیں جائے گا۔ اس وقت تک جب تک وہ تم کو نہ حاصل کرے۔"

اندرا اتنا سن کر خاموش ہوگئی۔ زیدی کچھ سوچتے رہے اور اس کے بعد اُٹھ کر ایک طرف کو چل دیے۔

"اندرا کو جنگل میں رہتے ہوئے کئی دن گزر گئے۔ زیدی آتے اور اُس کے پاس بیٹھتے اُٹھتے چلے جاتے اب وہ پہلی والی اندرا نہ تھی۔ اب اس کی گفتگو اور انداز جدا تھا۔ زیدی حسین مسکراہٹوں کے ساتھ اُٹھے۔ زیدی کے جانے کے بعد اندرا بہت دور تک زیدی کو جاتا دیکھا کی۔ اس کے بعد وہ اپنی پناہ گاہ کی طرف بڑھی وہ زیدی کے حسین تصورات میں چلی جا رہی ہے۔ کہ اس عمر میں کتنے بلند حوصلے اور شیر جیسا دل ہے۔ ضرور آگے چل کر یہ کوئی بڑی ذات ہوگی...... مگر تجھ کو کیا......

"اس ظالم سے کسی قسم کی اُمید وابستہ کرنا موت ہے۔ اُمید کی۔" ابھی اس کے تصورات کی دنیا ختم نہیں ہوئی تھی کہ قہقہہ کی آواز پر منہ اُٹھا کر دیکھا۔

"وہ لرز کر رہ گئی اس کی نگاہوں کے سامنے ڈاکٹر جوشی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اندرا چاہتی تھی کہ ایک دم نکل کے بھاگے۔ ڈاکٹر جوشی نے قہقہہ مارا فوراً ایک آدمی ریوالور لیے اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا اندرا منہ گھما کر دوسری طرف بھاگی۔ اس طرف سے بھی آدمی آ کر راستہ روکتا ہے۔ اب اندرا سمجھ گئی۔ کہ وہ گھر چکی ہے۔"

ایک دفعہ ہمت کر کے بولی۔

ڈاکٹر کیا چاہتا ہے......

ارے یہ بھی بتانا پڑے گا۔" ڈاکٹر مسکرا کر بولا سنو اندرا اس دن زیدی کے ساتھ بھاگ کر یہ سمجھ بیٹھیں کہ ڈاکٹر جوشی سے بچ جاؤ گی مگر کہاں چھپ سکتی ہو۔"

تو بھی یہ نہ سمجھ کہ تو ہمیشہ دنیا میں رہے گا۔ جس طرح تیرے ساتھی نہ رہے تو بھی نہ رہے گا۔

"انہیں میں نے خود مٹایا ہے اور میرا مٹانے والا ابھی

کوئی پیدا نہیں ہوا ہے۔"

جب ہی پاگل خانہ چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

"بھاگا نہیں ہوں... تمہیں لینے آیا ہوں۔" چلو دیر نہ کرو۔

میں نہیں جاؤں گی..... جب تک......

وہ..... ڈاکٹر قہقہہ مار کر کہتا ہے۔ وہ کبھی نہ آئے گا اس کی زندگی ختم ہو چکی ہے۔

"کیا بکتا ہے... کیا تو نے زیدی کو مار ڈالا۔"

"ہاں اندرا میں مجبور ہو چکا تھا۔ وہ سمجھ بیٹھا تھا کہ دنیا میں اس کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ چار کیس پکڑ کر مغرور بن گیا تھا۔ آج میرے آدمی کی ایک ہی گولی نے غرور خاک میں ملا دیا۔"

"مگر تو نے موت کو خود ہی گلے لگا لیا۔ زیدی کا انتقام بھیانک ہوگا۔ حکومت سے ٹکر نہ لے سکے گا۔ تیرے لیے رعنا اور پرویز بہت کافی ہیں۔"

"ڈاکٹر اتنا سنتے ہی قہقہہ مارتا ہے۔ بمشکل ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہتا ہے۔ ان دونوں کی فکر تم نہ کرو اندرا انہیں پہلے ٹھکانہ لگا دیا گیا ہے۔

اتنا کہہ کر ڈاکٹر نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ چاروں طرف سے انہوں نے گھیر کر اندرا کو قبضے میں کر لیا۔ کچھ دور تو کھینچتے ہوئے لے گئے۔ اس کے بعد ایک کار میں ڈاکٹر نظروں سے غائب ہو گئے۔ زیدی سڑک کے کنارے زخمی پڑے تھے۔ گولی نے ان کی ران میں گھر بنا لیا تھا اور خون کا فوراہ بہہ رہا تھا۔ اوّل تو زیدی نے بہت کوشش کی کہ گولی چلانے والے کا تعاقب کریں۔ مگر نہ کر سکے دو چار قدم چل کر وہ لڑکھڑا کر گرے۔ اتفاق سے اُدھر سے کوئی گاڑی والا نکلا۔ اس نے دیکھا کہ ایک انسان زخمی لب سڑک پڑا ہے۔ اس نے گاڑی روکی اور زیدی کو اٹھا کر گاڑی میں لٹا لیا اور بیلوں کو جلدی جلدی چلاتا ہوا وہ شہر کی طرف بڑھا۔ خون برابر بہہ رہا تھا۔ جس کی وجہ سے زیدی بے ہوش ہو چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ سرکاری ہسپتال میں پہنچا۔"

ڈاکٹر کو سارا واقعہ سنایا۔ ڈاکٹر نے ملازمین کو حکم دیا کہ زخمی کو اُتار لاؤ دو چار آدمی اسٹریچر لے کر گئے اور زیدی کو اس پر اُٹھا کر آپریشن روم میں لے گئے۔

تھوڑی دیر بعد سرجن پہنچا جیسے ہی زخمی پر اس کی نظر پڑی بے ساختہ منہ سے نکلا...... آپ کوتوالی فوراً پاس کھڑی ہوئی نرس سے بولا۔

رجنی...... کوتوالی فون کرو۔ "مسٹر زیدی زخمی ہسپتال پہنچے ہیں۔"

رجنی نے زیدی کا نام سنا بھاگتی ہوئی فون پر پہنچی اور جلدی جلدی کوتوالی فون کیا کوتوالی نے ایس پی وغیرہ کو فون کھڑکھڑائے تھوڑی دیر بعد افسران کی کاریں ہسپتال پہنچنے لگیں۔ سرجن نے آپریشن کر کے گولی ران سے نکالی تھی اور زیدی کو مخصوص کمرے میں پہنچا کر خود بخود نرسوں کے سرہانے کھڑا تھا کہ ایس پی نے پہنچتے ہی سوال کیا۔"

"سرجن زخم کہاں آیا ہے خطرناک تو نہیں۔"

"نہیں حضور...... گولی ران میں لگی ہے۔ کیوں کہ خون بہت نکل گیا ہے اس وجہ سے بے ہوشی لازمی ہے۔"

"شکر ہے...... ہوش کتنی دیر میں آئے گا۔"

"جلدی فکر نہ کیجیے...... قابل صد آفرین ہے وہ دیہاتی جو انہیں اٹھا لایا ورنہ بچنا دشوار تھا۔

"کیا...... کون ہے وہ...... ہمارے سامنے حاضر کرو۔"

"فوراً نرس گئی اور دیہاتی کی بلا لائی ایس پی مسکرا کر بولے۔"

"بہادر انسان تم نے مسٹر زیدی کی جان بچا کر حکومت پر احسان کیا ہے۔ جس کا معاوضہ تم کو اتنا ملے گا کہ تمہاری بیل گاڑی کی جگہ موٹر ہوگی۔"

"گاؤں والا خوش ہو کر بولا۔"

"حضور یہ تو میرا فرض تھا مگر معمولی [illegible] سمجھ کر اٹھا لایا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ فخر ہندوستان [illegible] خون میں غلطاں پڑا ہے ورنہ کندھے پر سوار کر کے لاتا ان کے احسانات حکومت پر ہی نہیں ملک پر بھی ہیں۔"

"یہ کس جگہ تم کو ملے۔"

"شہر سے چار میل دور...... کشن نگر جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر...... سپرنٹنڈنٹ سخت پریشان تھا کہ یہ وہاں کیسے پہنچے۔ مگر خاموش تھا تھوڑی دیر بعد زیدی کو ہوش آ گیا۔ مگر ایس پی وغیرہ خاموش رہے۔ جب کافی عرصہ گزر گیا تو ایس پی نے سوال کیا۔"

"مسٹر زیدی کیا کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں اپنے زخمی ہونے پر۔"

"مگر زیدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ ڈاکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔"

"ڈاکٹر میری ران کی ہڈی محفوظ ہے۔"

"ڈاکٹر نے فوراً جواب دیا اطمینان رکھیے گولی نے ہڈی پر کوئی ضرب نہیں لگائی صرف گوشت میں ہی رہ گئی ہے۔

"میں چلنے پھرنے لائق کب تک ہو سکتا ہوں۔"

"کم از کم پندرہ دن آپ کو آرام کرنا ہوگا۔"

"پندرہ دن...... میں پندرہ منٹ ضائع نہیں کر سکتا میری کوٹھی سے میری کار منگوا دیجیے۔"

وہ کس لیے ایس پی گھبرا کر بولا۔

"میں...... اوہ...... کچھ نہیں......

"زیدی ایس پی سے اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے اور خود جانتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ جس سے سب یہ سمجھیں کہ زیدی سونا چاہتے ہیں اور ہوا بھی یہی افسران فوراً اٹھ گئے۔"

تاکہ گفتگو ان کی نیند میں مخل نہ ہو...... صرف ڈاکٹر اور نرس رہ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر اُٹھ گیا اور نرس کو تنبیہ کر دی کہ وہ کہیں ایک منٹ کو بھی نہ جائے...... ڈاکٹر کے جانے کے تھوڑی دیر بعد زیدی نے آنکھیں کھولیں نرس کو بغور دیکھا اور بولے۔

"تمہارا کیا نام ہے نرس۔"

"رجنی...... مسٹر زیدی...... یہ آپ زخمی ہونے کے باوجود کہاں جانا چاہتے تھے۔ کیا آپ کو اپنی زندگی کی بھی پروا نہیں......

ہاں نرس... جب کسی طاقت سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو ذرا سی غفلت ناکامی کی وجہ بن جاتی ہے۔ تم میرا ساتھ دے سکتی ہو۔"

"کیا چاہتے ہیں آپ۔"

"میری کار منگوا لو اس میں مجھے ڈال دو تاکہ میری تمام محنتیں برباد نہ ہوں۔"

مگر ڈاکٹر...... وہ تو کھا جائے گا مجھے۔

تم اس کی فکر نہ کرو۔

"ابھی زیدی کا مقررہ وقت ختم نہ ہوا تھا کہ رعنا گھبرائی ہوئی۔ کمرے میں داخل ہوئی اور زیدی کو دیکھتے ہوئے بولی۔"

آپ زخمی...... کیسے...... بتائیے نہ...... گھبراؤ نہیں رعنا یہ تو بتاؤ پرویز کہاں ہے اور تم......

میں کیسے آئی...... آپ جلدی اچھے ہو جائیں...... سب کچھ بتا دوں گی پرویز مجھ سے چھوٹ چکا ہے پتہ نہیں کدھر نکل گیا۔

"رعنا خدا کے لیے مجھے بتاؤ...... کہیں ایسا نہ ہو وہ...... وہ......

"میں کہتی ہوں آپ زخمی ہیں اور زخمی کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"میں اس وقت صرف دیکھنے کی غرض سے چلی آئی...... اب میں جا رہی ہوں۔"

"کس چیز میں آئی ہو۔"

"اپنی کار میں۔"

"جاؤ خدا حافظ۔"

"رعنا حیران تھی کہ یہ سوال انہوں نے کیوں کیا اور پھر جانے کو منع بھی نہیں کیا۔ مگر وہ جلدی میں تھی۔ اس لیے جلدی چاہتی ہے کہ کار میں بیٹھے کہ رجنی نے آواز دے کر کہا۔

’’مس رعنا صاحبہ میری ایک بات سن لیجیے۔‘‘

’’رعنا واپس لوٹی اور رجنی کے قریب پہنچ کر بولی۔‘‘

’’فرمایئے کیا حکم؟‘‘

’’آپ مسٹر زیدی کو سمجھا کر جایئے۔ بڑی مشکل سے روکا ہے اب تک...... رجنی بولی۔’’آپ جس طرح بھی ہو آج شام تک ان کو نہ نکلنے دیں۔ اس کے بعد میں خود دیکھ لوں گی۔

’’رعنا نے اتنا کہا اور پھر دوڑتی ہوئی کار کے قریب پہنچی...... منٹوں میں کار نظروں سے غائب تھی...... کار کی تیزی بڑھ رہی تھی اور رعنا چاہتی تھی کہ ہوا کے ساتھ بمعہ کار کے اڑ جائے یہاں تک کے وہ ایک مکان کے پاس جا کر روکتی ہے اور خود اُتر کر ایک طرف بھاگتی ہے۔ تھوڑے فاصلے پر رعنا ایک پُرانے وضع کے مکان کے پاس جا کر ٹھہری...... اِدھر اُدھر منہ اٹھا کر دیکھا وہ ایک جگہ پر رکی اور ٹہلنا شروع کر دیا۔ چند منٹ بعد ایک دیوانہ جس کا تمام لباس جا بجا سے پھٹا ہوا تھا۔ چہرے اور سر پر جا بجا مکھیاں لپٹ رہی تھیں اور چھوٹے چھوٹے بچے پیچھے تالیاں بجا رہے تھے۔ رعنا کے قریب سے گزرتے ہوئے بڑبڑایا۔ ایک گیا دو آئے تین اور چار کا پتہ نہیں۔

’’رعنا نے بے پروائی سے منہ پھر لیا۔ دیوانہ قریب سے گزرا رعنا واپس لوٹی اور اپنی کار کے پاس پہنچی۔ کار اسٹارٹ کی اور ایک طرف چلدی...... کچھ دور جا کر اس نے کار ایک جگہ کھڑی کی اور ٹہلتی ہوئی ایک دکان میں گھس گئی۔ دکان دار سے رعنا مسکرا کر بولی۔’’سیٹھ صاحب...... کیا آپ کا فون استعمال کر سکتی ہوں۔ جی...... کیوں نہیں...... ضرور ضرور رعنا نے نمبر رنگ کیا۔ ریسیور اُٹھایا اور بولی...... آر...... اے...... آئی...... ہاں...... گوردھن داس...... بلڈنگ 72 مچھی مارکیٹ...... اوپن...... جی جی...... منتظر...... ابھی...... ہاں...... ابھی...... اوکے...... رعنا نے ریسیور رکھا دکان دار رعنا کا حیرت سے منہ تک رہا ہے کہ یہ لڑکی پاگل ہے کیا اندھا سیدھا بک رہی ہے۔‘‘

’’رعنا نے ہندوانی طریقہ پر ہاتھ جوڑ کر سلام کیا اور باہر نکل آئی ابھی اسے نکلے پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ دو لاریاں پولیس کی مسلح بھری ہوئی۔ دکان کے سامنے آ کر ٹھہریں۔ دکاندار نے جو پولیس دیکھی دم نکل گیا۔ جوان جلدی جلدی اُتر رہے تھے جب سب جوان اُتر چکے تو چار ٹولیاں بن گئیں اور چار سمت چل دیں۔ پولیس نظروں سے اُجھل ہو چکی تھی۔ مگر لاری ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ پولیس کو گئے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا۔ کہ ایک دم ایک کار انتہائی تیزی سے آئی اور وہ بھی وہیں کھڑی ہو گئی اور اس میں سے ایک آدمی لنگڑاتا ہوا۔ اترا لاری ڈرائیور کو کوئی معنی خیز اشارہ کیا۔ ڈرائیوروں نے اسی طرح اشارہ کیا جواب اشاروں میں دیا۔ لنگڑا انسان بمشکل لنگڑاتا ہوا۔ اُسی طرف چلا گیا۔ جدھر پولیس گئی تھی۔ یہاں تک کے وہ اسی مکان کے قریب پہنچا جہاں رعنا آ کر ٹھہری تھی اور ایک دم اس نے جلدی جلدی زمین کھودی تقریباً ایک بالش زمین کھودنے پر اب وہ آگے بھاگے اور پھر زمین کھودتے ہوئے زمین سے کچھ کھینچ کر نکالا جلدی سے چاقو سے کاٹ ڈالا اور خود بھاگتا ہوا واپس لوٹا اور وہیں واپس آیا۔ جہاں کار کھڑی کر گیا تھا۔ کار سے برین گن نکالی اور بھاگتا ہوا گوردھن داس بلڈنگ میں گھس گیا۔‘‘

’’یہ بلڈنگ پرانے زمانے کی عمارت تھی۔ اس کا صدر دروازہ لوہے کی شکل کا پھاٹک تھا اور نیچے اُوپر دائیں بائیں چودہ منزلہ عمارت تھی اور ہر دو طرف دو زینے تھے۔ ایک پورب کو اُترتا ہوا اور دوسرا اُتر کو لنگڑا آدمی اتر زینے پر چڑھتا ہوا۔ بالائی منزل میں پہنچا...... اور ایک کمرے کو کھٹکھٹایا۔ چند منٹ بعد اندر پھاٹک میں سمٹ کر کھڑا ہو گیا کہ اوپر سے ایک جنٹلمین سیٹی بجاتا اُترا اور صدر دروازہ برین گن کی نال سینے سے لگاتے ہوئے کہا خبردار نہ ہلنے پائے چلو آگے بڑھو۔



’’آنے والا نوجوان اُس کے آگے آگے ہو لیا۔ لنگڑا انسان اس نوجوان کو لے کر اپنی کار میں آ بیٹھا اور کار اسٹارٹ کر دی۔ دس منٹ بعد کار ایک بنگلہ میں جا کر رک گئی۔ لنگڑے نے جھکا کہا نیچے اُتر آؤ...... فوراً وہ جنٹلمین کار سے نیچے اُترا لنگڑا اسے لیے ہوئے بنگلے میں گھس گیا اور پندرہ منٹ بعد واپس لوٹا اور اپنی کار میں بیٹھ کر واپس لوٹا...... تھوڑی دیر بعد پولیس کی گاڑی آ کر ٹھہری اور جوانوں کو اُتار کر واپس لوٹی پولیس کے جوان اُترتے ہی اِدھر اُدھر چمن میں چھپ گئے۔ تب لنگڑا ایک طرف سے لنگڑاتا ہوا نمودار ہوا اور وہ بنگلے میں گھس گیا۔ کافی دیر بنگلے میں سکوت رہا۔ پندرہ منٹ بعد ایک کار آ کر بنگلے میں ٹھہری جس میں سے دو مرد ایک عورت بنگلے میں گھس گئے۔ اندرونی کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے یہ تینوں دوسرے کمرے میں پہنچے اور ان میں سے ایک نے گھبراتے ہوئے مسہری پر لیٹے ہوئے انسان سے سوال کیا۔’’راجو...... تم...... بتاؤ نہ کیا ہوا...... بم کا تار کس نے کاٹ دیا اور وہ سب بچ گئے...... اور تم یہاں بھاگ آئے......

کیا کرتا...... وہ باپو جو پہنچ گیا تھا...... کون باپو...... کیا کہہ رہے ہو...... وہی...... باپو...... جن کو تم بم سے اُڑا رہے تھے۔ ان کا سردار......

کون زیدی...... مگر وہ تو ہسپتال میں پڑا ہے...... کچھ پتہ نہیں...... ختم بھی ہو گیا ہو۔ ضرور تم کو دھوکا ہوا ہے۔ وہ خود اس کے دام میں آ چکا ہے اور اس نے ہی تو اُسے بتا دیا کہ تم سب اس وقت کہاں جمع ہو اور تمہاری اسکیم کیا ہے۔

بکومت...... تمہارے ہوش و حواس پرگندا ہیں آواز لرز رہی ہے تم جیسے بزدل کو زندہ رہنا ٹھیک نہیں۔

’’مگر سنو تو سہی...... بہادر صاحب اپنے بچنے کی فکر کرو۔ باپ آنے والا ہی ہے۔ اس کی روح بھی نہیں آ سکتی۔

’’وہ آ گیا...... دیکھو...... سب گھبرا کر منہ پھر راجو کو دیکھتے ہوئے کچھ کہنا چاہتے ہیں کہ منہ کے الفاظ منہ میں اٹک کے رہ گئے۔ اگر نکلا تو بس اتنا...... کون زیدی...... تم...... اور راجو...... زیدی کے ہاتھ میں برین گن تھی جس کی نال ان کی طرف تھی۔

مسکرا کر بولے۔ ڈاکٹر جوشی اب پاپ کا گھڑا بھر چکا۔ بہت جی لیے اس دنیا میں اب تیار ہو جاؤ۔

’’مسٹر زیدی ہماری گرفتاری اتنی آسان نہیں...... تم گولی چلا کر دیکھو ہم تنہا نہیں مریں گے۔ ہمارے ساتھ یہ بنگلہ اور تم خود بھی اڑ جاؤ گے۔ مجھے انسان نہیں...... بم سمجھو بم...... ہمیں جب موت کا یقین ہو چکا تھا تو ہم نے عہد کیا تھا کہ تنہا نہیں مریں گے۔ تم کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ بولو کیا ارادہ ہے۔

’’ارے ڈاکٹر جوشی ایسا ستم نہ کرنا...... مجھے تو ابھی مرنے کی تمنا نہیں......

مذاق میں نہ اڑاؤ زیدی......

بکواس بند کرو جوشی...... میں آج تمہارے بموں کی طاقت بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ بتاؤ...... پرویز اور رعنا کہاں ہیں...... مجھے نہیں معلوم......

نہیں معلوم...... تو سن...... پرویز وہی ہے...... جو تیرے گھر میں رہ کر تیرے نامہ اعمال کو پرکھتا رہ یعنی میرا ملازم خاص راجو......

جس کی شکل دیکھ کر تو ہوش و حواس گنوا بیٹھے گا۔ جو پاگل خانہ گیا پاگل بن کر اور دوسرے دن دوسرا پرویز پاگل خانے میں تھا اور میرا پرویز تیرے یہاں ملازم سمجھایا نہیں...... پرویز...... راجو بن کر حاضر ہو۔

یکایک کمرے کا دروازہ کھلا اور پرویز مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر جوشی نے دیکھا تو واقعی راجو کھڑا مسکرا رہا تھا۔ زیدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ راجو اصلی شکل ڈاکٹر صاحب کو دکھاؤ۔

’’راجو نے منہ پھرایا اور کوئی چیز اپنے منہ پر ملی اور ایک دم منہ پھرایا۔ ڈاکٹر جوشی ہکا بکا کھڑا تھا۔ اب زیدی مسکرا

کر بولے کیوں ڈاکٹر دیکھئے تو زیدی کے ہاتھ کی صفائی اب دوسری صفائی دیکھ...... یہ لڑکی کون ہے تیرے ساتھ۔
اندرا ڈاکٹر گھبرا کر بولا۔
"اندرا...... نہیں ڈاکٹر...... اندرا کو میں قول دے چکا تھا...... اندرا تیری قید میں چند گھنٹے رہی ہے...... مور کھ انسان اتنا بھی نہ سمجھا کہ جو اندرا تیری شکل سے نفرت کرے وہ اتنی جلدی کیسے گھل مل گئی اور شادی کا وعدہ بھی کرلیا...... حالاں کہ اس نے شرط لگائی تھی زیدی کے سر کی...... نہ تو زیدی مر سکے گا۔ نہ شادی ہوگی...... اندرا کو دیکھنا چاہتا ہے اندرا...... اندرا یکا یک پھر کیواڑ کھلے اور اندرا مسکراتی ہوئی زیدی کے پاس پہنچی جو رعنا کی شکل وحلیے میں تھی۔
"ڈاکٹر نے جو رعنا کو دیکھا گھبرا کر بولا۔" یہ ہے اندرا زیدی۔
"جی حضور...... اندرا اب تم اصلی روپ میں آجاؤ۔"
"وہ ہی عمل اندرا نے کیا جو پرویز نے کیا تھا اور منہ پھرایا تو اندرا اصلی روپ میں موجود تھی اور رعنا کی تمام رعنائیاں ختم ہو چکی تھیں۔
"ڈاکٹر نے گھبرا کر اپنے ساتھ والی اندر کو دیکھا۔"
"زیدی مسکرا کر بولے۔"
"ڈاکٹر جوشی کیا دیکھ رہا ہے۔ تو نے زمانے کو بے وقوف بنایا اور تجھے ایک لڑکی نے جن بموں پر تجھے ناز ہے۔ وہ صرف دیکھنے کے بم ہیں۔ باقی کچھ نہیں...... تو نے پولیس اور زیدی کو جو بم کے ذریعے اڑانے کی اسکیم بنائی تھی۔ وہ بھی اسی ہی اندرا نے الٹ کر دی میں وقت پر پہنچ گیا اور تار کاٹ کر پولیس کی جان بچالی۔ تو نے جال تو اچھا بچھایا تھا۔ مگر ہو گئے سب ناکارہ تیرا ارا جو آج پرویز کی جگہ دیوانہ ہے۔ اب تجھ میں طاقت نہیں اسے بچالے......
مانتا ہوں زیدی...... مگر پرویز تم تک پہنچا کیسے۔
"زیدی قہقہہ مار کر بولے۔"
"کیا بھول گیا تو نے ہی تو بھیجا تھا کہ دیکھ کے آؤ اب تک بم پہنا کیوں نہیں...... میں زبردستی اسے یہاں لے آیا تا کہ اس پر کسی کو شک نہ ہو...... ہوں تو یہ لڑکی سوائے رعنا کہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"
پہچان لیا ڈاکٹر مگر بہت دیر کے بعد...... اب ہاتھ بڑھاؤ تا کہ تمہاری اندرا تم کو ہتھکڑی لگا دے۔
"ڈاکٹر مجبور تھا مگر خاموش تھا۔ جو شکل اندرا کھڑی تھی۔ ڈاکٹر کو بڑھ کر ہتھکڑی لگاتی ہے اور اس کے بعد اس کے دوسرے ساتھی کو بھی تب زیدی بڑھ کر ڈاکٹر کے جسم سے وہ بم کھول لیتا ہے۔ جو اس نے اپنے جسم پر مختلف جگہ باندھ رکھے تھے۔"
"اس کے بعد زیدی بولے۔"
"ڈاکٹر تو بہت چالاک بنتا ہے کہاں گئی وہ تیری چالاکی۔"
جو بم جسم پر باندھے تھے۔ وہ نہ تیرا کچھ بگاڑ سکے نہ میرا اگر کہے تو ان ہی بموں سے تیری زندگی مٹادوں۔ جن کو میرے ذرا سے چکمے میں تو نے ناکارہ سمجھ لیا۔ حالاں کہ وہ اصلی بم ہیں۔
"ڈاکٹر خاموش تھا۔ پولیس پہنچ چکی تھی اور لاریوں میں تمام مجرمان کو بٹھاتے ہوئے زیدی کو سلام کر کے رخصت ہو گئے۔
"صرف رعنا، پرویز، زیدی اور اندرا کھڑے تھے...... زیدی نے اندرا کے سراپا پر نظر ڈالی اور بولے......" بولے اندرا حرام کی کمائی ہوئی دولت نہ ڈاکٹر کے کام آئی نہ تمہارے پتا کہ وہ سب تمہاری ملکیت ہوگی۔
"نہیں...... مسٹر زیدی مجھے وہ دولت نہیں چاہیے۔ صرف وہ گھڑیاں جواب لوٹ نہ سکیں گی ان کی یاد سے لپٹے ہوئے زندگی بتادوں گی۔ جو تمہاری محبت میں گزری ہیں۔ کار فراٹے بھرتی ہوئی اندرا کے مکان پر پہنچی۔ اندرا کو اتارا...... اور پھر چلی اندرا کا ہاتھ ہل رہا تھا اور زیدی کارومال۔

☆☆☆

# وہ کون تھا؟

تم واقعی نادان، نا سمجھ اور بے وقوف تھے، جنت تو ماں کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے تم نے نہ صرف اپنی بلکہ نجانے کتنی ماؤں کی بد دعائیں لیں۔ بے گناہوں کو مار کر کوئی کیسے جنت میں جا سکتا ہے

عائشہ انور

## وہ جو موجود تھا پر نظر نہیں آتا تھا

پاپا نے بھی تصدیق کر دی تھی کہ اس گھر میں کوئی ہے۔ پاپا ایسی باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے اس لئے انہوں گھر کے ایک ایک فرد کی بات رد کر دی تھی۔ "تم لوگوں کو خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے کہ اس گھر میں کوئی ہے۔" انہوں نے ہماری باتوں پر ہمیشہ یہی کہا۔ "اس گھر میں جو ہیں، وہ دوسروں کو نظر آتے ہیں۔ ہم تم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ جو نظر نہ آئے اس کی موجودگی کا واویلا کرنا حماقت ہے، بے وقوفی ہے۔"

ہم ان کی ایسی باتیں سن کر ان سے بھلا کیا بحث کرتے خاموش ہو جاتے تھے۔ البتہ ممی بڑبڑا کر رہ جاتیں۔ مگر جب وہ نہیں ہوتے تو دل کا غبار جی بھر کر نکالتیں۔ "جب کچھ ہو جائے گا...... خدانخواستہ کسی کو نقصان پہنچ جائے گا۔ تب شاید انہیں یقینا آئے گا۔"

ہمارے گھر کا بھی کچھ عجیب سسٹم ہے۔ ممی پاپا کی باتوں پر تنقید کرتی ہیں جبکہ پاپا کو ممی کی سچی بات بھی جھوٹی معلوم ہوتی ہے۔ یہ کچھ نظر آنے والی بات بھی سب سے پہلے ممی نے ہی بتائی تھی...... "اس گھر میں کوئی ہے۔" ہم سب تو ان کا مطلب سمجھ کر ڈر گئے تھے، خوفزدہ ہو گئے تھے مگر جب پاپا نے ممی کی بات سنی تو اس کا خوب مذاق اڑایا۔ "اگر کوئی ہے تو تمہارا ہی عزیز رشتے دار ہوگا۔ ہمارا کوئی ہوتا تو ہمیں بھی نظر آتا۔ دراصل جن بھوت تو جنوں، بھوتوں ہی کے رشتے دار ہوتے ہیں۔ اس لئے ان ہی کے پاس آتے ہیں۔ ان ہی کو نظر آتے ہیں۔"

مگر دو روز بعد، صبح کو ناشتے کی میز پر بھائی جان بھی کہہ رہے تھے۔ "ممی! مجھے بھی رات کوئی نظر آیا تھا۔"

امی نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔ "تیرا چاچا ہوگا، تایا ہوگا۔ کیونکہ تیرے پاپا کا تو قول ہے۔ بھوت پریت جس کے رشتے دار ہوتے ہیں، اسی کو نظر آتے ہیں۔"

ہم سب امی کی جلی کٹی کو نظر انداز کر کے بھائی جان کی بات پر خوفزدہ ہو گئے تھے۔ "ممی! میں سیریس ہوں۔ انتہائی سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ رات میں نے اپنے کمرے میں کسی کی موجودگی محسوس کی تھی۔ مجھے ایسا لگا تھا، جیسے کوئی کمرے میں چل رہا ہے اور پھر جب وہ میری مسہری کے قریب آیا تو میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو......؟"

"پھر کیا ہوا......؟" کئی آوازیں ایک ساتھ ابھری

تھیں۔

"ہوگا کیا...... یوں لگا جیسے کوئی بھاگتا ہوا دروازے کی طرف چلا گیا۔"

ذرا دیر تک سب دم بخود رہے پھر میں نے بھابھی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "بھابھی! آپ نے بھی اسے دیکھا تھا؟"

"نہیں' اس وقت میں بے خبر سو رہی تھی۔ مگر تھوڑی دیر بعد میری آنکھ کھلی تو دیکھا تمہارے بھائی جان بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کیا بات ہے؟ آپ بیٹھے ہوئے کیوں ہیں؟" اس وقت تو انہوں نے بس یونہی کہہ کر ٹال دیا۔ مگر صبح کو اصل بات بتا کر کہا۔ "رات اس لئے یہ بات نہیں بتائی تھی کہ تمہیں ڈر کے مارے نیند نہیں آتی۔"

اس وقت پاپا موجود نہیں تھے۔ شام کو جب کسی نے بھائی جان والی بات بتائی تو بولے۔ "ہاں ہاں...... اب تو سب کو نظر آئے گا وہ...... ماں کا رشتے دار جو ہوا......" اس وقت بھائی جان موجود نہیں تھے۔ اس لئے کسی نے اس مسئلے پر بات نہیں بڑھائی۔ لیکن اسی رات دادی اماں کے کمرے سے ان کی پوپلی آوازیں آرہی تھیں۔ "نگوڑ مارا! کیا کرنے آیا ہے میرے پاس؟ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے تو چرا سکے۔ میرے پاندان میں بس پانچ روپے پڑے ہیں۔ جسے تو نے چرانے کی کوشش کی تو......"

گرینڈ ماما کی آواز سن کر ہم سب ان کے کمرے کی طرف بھاگے تھے۔ کیا بات ہے گرینڈ ماما! آپ کسے ڈانٹ رہی تھیں؟"

"ارے بیٹا! کوئی چور اچکا تھا شاید...... میری چیزوں کو ٹٹول رہا تھا کہ میں ایک دم جاگ گئی۔ اور میں نے وہ لتے لئے اس کے کہ۔"

"تو کیا کہا اس نے؟"

"کہے گا کیا۔ ادھر تم لوگ کمرے میں داخل ہوئے ادھر وہ اڑن چھو ہوگیا۔"

"مگر ہم نے تو کسی کو یہاں سے اڑن چھو ہوتے نہیں دیکھا۔ آپ نے دیکھا تھا اسے...... کیسا تھا وہ؟"

"دیکھا تو تھا...... مگر کیسا تھا وہ؟ مجھے کچھ پتہ نہیں چلا۔"

"چلے گا بھی کیسے؟ آپ کی آنکھوں پر تو آپ کی عینک نہیں۔"

"ہائیں...... میرے چہرے پر چشمہ نہیں!! کہیں وہ موا میرا چشمہ چرانے تو نہیں آیا تھا؟"

"وہ...... وہاں رکھا ہے چشمہ...... تکیے کے پاس۔" ممی بولیں۔ پھر دبی زبان سے فرمایا۔ "تمہیں بھی نظر آگیا۔ جس کا مطلب ہوا تمہارا رشتے دار ہی ہوگا۔" پاپا ماما کو گھور کر رہ گئے۔ دراصل یہ انہی کو سنانے کے لیے کہا گیا تھا...... پھر وہ وہاں موجود نہیں رہے تھے۔ پھر ایک ایک کر کے دوسرے لوگ بھی جانے لگے تو بھائی جان نے مجھ سے کہا۔ "آفرین! ذرا دیر تک گرینڈ ماما کے پاس رک جاؤ۔ جب وہ ذرا پرسکون ہو جائیں تو چلی جانا اپنے کمرے میں۔"

میں رک گئی۔ گرینڈ ماما کو شاید ابھی تک اس بات کی بھنک نہیں پہنچی تھی کہ اس گھر میں مختلف لوگوں کو کوئی نظر آتا ہے...... یا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ہے...... میں نے ان سے کہا۔

"گرینڈ ماما! آپ سوئیے...... میں آپ کے بدن داب دیتی ہوں۔"

"اللہ تمہارا بھلا کرے...... جلدی سے تمہاری شادی کرادے......"

بس یہی دعا رہ گئی ہے دینے کے لیے؟" کہتے ہوئے میں ان کی پلپلے جسم کو دھیرے دھیرے دابنے لگی۔ ذرا دیر بعد ان سے بولی۔ "گرینڈ ماما! کیا کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو موجود ہو اور نظر نہ آئے؟"

"ہاں ہاں ہوتا ہے......" میں سرتاپا ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔ "اے لڑکی! اسی لئے تو میں نے تجھے دعا دی ہے...... جلدی شادی ہونے کی...... جب میں تیری عمر کی



تھی تو مجھے بھی اکثر ایسا محسوس ہوتا تھا۔ جیسے میں تنہا نہیں ہوں...... کوئی میرے پاس آگیا ہے...... کوئی مجھے دیکھ رہا ہے...... اور اپنے ساتھ کہیں چلنے کو کہہ رہا ہے۔"

"اوہ وہ گرینڈ ماما! آپ کیا قصہ لے بیٹھیں۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں۔"

"پھر کیا مطلب ہے تیرا؟"

"کیا کوئی مخلوق ایسی بھی ہوتی ہے' جو سامنے موجود ہو اور عام نگاہوں سے نظر نہ آئے۔"

"ہاں' کیوں نہیں ہوتی۔ بھوت پریت عام لوگوں کو کب نظر آتے ہیں۔ مگر انہیں اللہ کے نیک بندے' پہنچے ہوئے بزرگ دیکھ لیتے ہیں۔" وہ ذرا رکیں...... انہوں نے کلمہ پڑھ کر پہلے مجھ پر پھر اپنے آپ پر پھونک ماری۔ "کوئی نہیں جانتا' کس جگہ اور کب کوئی آسیب' کوئی بلا آجائے......"

"گرینڈ ماما! یہ بھوت کیا ہوتا ہے؟" میں نے انہیں بھٹکنے سے پہلے ٹوکا۔

"ارے بیٹا! بھوت بد روحوں کو کہتے ہیں۔ مرنے والا اگر غلط موت مرتا ہے تو اس کی روح بھٹکتی پھرتی ہے...... اور اسی کو بھوت پریت کہتے ہیں، مگر......" مگر کہہ کر وہ رک گئیں۔" پھر ذرا دیر بعد بولیں۔ "مگر بھوت پریت کسی پر عاشق نہیں ہوتے...... البتہ کچھ اور چیزیں ہوتی ہیں جو جوان اور خوبصورت لڑکیوں پر عاشق ہو جاتی ہیں۔"

"کچھ اور چیزوں سے کیا مراد ہے آپ کی؟"

"میں تجھے اپنی جوانی کا ایک قصہ سناتی ہوں۔ اس سے تجھے اندازہ ہو جائے گا۔" اتنا کہہ کر وہ ذرا خاموش ہوئیں۔ غالباً وہ یادوں کی راکھ کرید رہی تھیں۔ ذرا توقف کے بعد بولیں۔ "میری ایک سہیلی تھی' میری ہی ہم عمر رہی ہوگی۔ مگر ایسی حسین تھی...... جیسے کوئی پری...... اس کے ماں باپ غریب لوگ تھے۔ میں جب بھی اس سے ملنے اس کے گھر جاتی وہ مجھے بڑے مزے مزے کی چیزیں' مٹھائی' پھل' میوے وغیرہ کھلاتی۔ مگر چھپا کر دیتی اور کہتی کسی سے بتانا مت ایک دن میں نے اس سے پوچھا۔

"میں تو کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی مگر مجھے تو بتا دے یہ چیزیں تو کہاں سے لاتی ہے؟"

"اے ہے...... میں لاؤں گی کہاں سے......؟ وہی مجھے لا کر دیتا ہے۔"

"ہائے ربا!" میں نے حیرت سے کہا...... "وہی" سے تیرا یہ مطلب تو نہیں' کسی سے تو نے یاری دوستی کر لی ہے؟"

"میں نے تو نہیں' اسی نے مجھے دوست بنا لیا ہے۔"

"مگر وہ ہے کون؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی...... اور جانوں بھی کیسے میں نے اسے اب تک دیکھا بھی نہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ وہ تیرا دوست بھی ہے...... تجھے مزے مزے کی چیزیں بھی لا کر دیتا ہے اور تو نے اسے دیکھا بھی نہیں۔"

"اسی لئے میں تجھے بتا نہیں رہی تھی کہ تو بال کی کھال نکالنا شروع کر دے گی۔ ارے بھئی! وہ مجھے نظر نہیں آتا ہے...... مگر میں اسے نظر آتی ہوں...... اسکی دی ہوئی چیزیں مجھے نظر آتی ہیں اس کی موجودگی کا مجھے احساس ہوتا ہے۔

"کیسے احساس ہوتا ہے؟"

"وہ ذرا جھجکی...... ذرا شرمائی پھر آخر کہہ ہی گئی...... جب وہ مجھے چھوتا ہے...... پکڑتا ہے تو مجھے پتہ چل جاتا ہے...... کوئی ہے۔" اتنا کہہ کر گرینڈ ماما رکیں تو میں جھٹ پوچھ بیٹھی۔

"پھر کیا ہوا گرینڈ ماما......؟"

گرینڈ ماما نے ایک دم مجھے گھور کر دیکھا...... پھر ایک دم سنجیدہ ہوگئیں۔ غالباً انہیں احساس ہوگیا کہ جوان جہاں لڑکی کو مجھے یہ کہانی نہیں سنانی چاہیے تھی...... مگر اب تو تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اس لئے آگے کہانی انہیں سنانی پڑی مگر اب وہ محتاط ہو چکی تھیں۔ "ہوگا کیا......؟ وہ جو کہتے

ہیں کہ منہ سے نکلی بات پرائی ہوجاتی ہے...... میں نے شبراتن کی ماں کو چپکے سے بتادیا۔ ”خالہ! شبراتن کو بچالو۔“

”کیا ہوا شبراتن کو؟“ انہوں نے گھبرا کر پوچھا۔ اس پر میں اسے نظر نہ آنے والے کی ساری باتیں بتادیں...... مگر یہ بھی تاکید کردی۔ اسے ہرگز یہ نہ بتانا کہ یہ باتیں آپ سے کس نے بتائی ہیں اس کے بعد خالہ اپنی ماں کو لیکر سیدھے ان کے پیر صاحب کے پاس پہنچ گئیں...... اور ساری باتیں بتائیں۔ پیر صاحب نے خالہ کو دیکھ کر کہا۔

”غالباً تیری بیٹی بھی تیری طرح خوبصورت ہے؟“

”اے حضور! یہ کیا ہے کچھ بھی نہیں۔“ شبراتن کی نانی بولیں۔ ”وہ چھوکری تو بالکل کوہ قاف کی پری ہے۔

”پھر تو کوئی جن ہی اس پر عاشق ہوگیا ہے۔“

”ہائے ربا! اب کیا ہوگا؟“ شبراتن کی ماں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

ہوگا یہ کہ اس عاشق جن کو بھگانا پڑے گا۔“ اتنا کہہ کر پیر صاحب نے کچھ سوچا پھر بولے۔ تم ایک سفید مرغا اور ایک کالا بلا ڈھونڈ کر گھر لانا۔ میں جمعرات کو عصر اور مغرب کے درمیان تمہارے گھر آؤں گا اور ہاں ایک مٹی کا پیالہ بھی بازار سے خرید لانا۔“

جمعرات کے دن وقت مقررہ پر پیر صاحب شبراتن کے گھر پہنچ گئے۔ صحن میں سفید مرغے اور کالے بلے کو بندھے دیکھا۔ بولے ”ذرا کوئی تیز چھری تو لانا۔“ چھری آگئی تو کہنے لگے۔ ”شبراتن سے کہیں یہ مرغا کھول کر مضبوطی سے پکڑ کر میرے پاس لائے۔“ شبراتن کو بلایا گیا اور اسے مرغا لانے کو کہا گیا۔ وہ ذرا گھبرائی۔ ”یہ کام کسی لڑکے سے کروائیں ناں۔“

”کھاتی تو لڑکوں سے بڑھ کر ہے کام کرتے وقت بھاگتی ہے۔“ پیر صاحب نے اسے مخاطب کیا۔ ”دیکھ اگر مرغا تیرے ہاتھ سے چھوٹا تو چھری تیرے گلے پر پھیر دوں گا۔“

”ہائے ربا!“ کہہ کر شبراتن نے پیر صاحب کو غصے سے دیکھا مگر تن تنا کر آگے بڑھی اور مرغے کو کھول کر پیر صاحب کے پاس لے آئی۔ ”شاباش!“ پیر صاحب بولے اب اس طرح اس کے گلے کو پکڑ تاکہ میں اسے ذبح کردوں اور اس بات کا خیال رہے کہ اس کا سارا خون اس مٹی کے پیالے میں گرے۔ شبراتن کو جیسا کہا گیا ویسا ہی کیا۔ جب مرغے کا سارا خون پیالے میں گرگیا تو پیر صاحب بولے۔ ”اب کالے بلے کو رسی سے پکڑ کر یہاں لے آ۔“ شبراتن بلے کو بھی لے آئی۔ پیر صاحب نے بلے کو گود میں بٹھا کر اس پر ہاتھ پھیرا۔ کچھ پڑھ کر اس پر پھونک ماردی اور اسے پیالے کے قریب لے جاکر کہا۔

”لے بیٹا! یہ شربت پی لے۔“

کالے بلے نے ذرا دیر بعد پیالے کا سارا خون پی لیا۔ خون پی کر وہ جب ہٹا تو اس کے سارے بال کھڑے ہوگئے تھے اس نے ایک جھرجھری سی لی۔ ادھر ادھر دیکھا اور سامنے کھڑی شبراتن پر کسی خونخوار شیر کی طرح حملہ کردیا۔ شبراتن سمیت سب کے لئے یہ بات غیر متوقع تھی۔ شبرتن بہت زور سے چیخی۔ مگر اگلے ہی لمحے اس میں عجیب تبدیلی آگئی تھی۔ اس نے بلے کو کسی چوہے کی طرح چٹکی سے پکڑ کر دور پھینک دیا۔ ”یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیوں اسے بلے سے نچوا رہے ہو؟“

یہ آواز نکلی تو شبراتن کے منہ ہی سے رہی تھی مگر آواز اس کی نہیں تھی...... کرخت مردانہ آواز تھی۔ ”اس کی حمایت میں بولنے والے تم کون ہو؟“ پیر صاحب نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ”ہماری بچی ہے ہم اسے بلے سے نچوائیں یا کتے سے تم کون ہوتے ہو ہمیں روکنے ٹوکنے والے......؟“

”میں اس کا کون ہوتا ہوں بتاؤں؟“ اس آواز کے ساتھ ہی شبراتن کا ہاتھ حیرت انگیز طور پر لمبا اور بڑا ہوتا گیا۔ وہ اس وقت پیر صاحب سے خاصے فاصلے پر کھڑی تھی۔ اس کا وہ ہاتھ پیر صاحب تک بڑھتا چلا آرہا تھا۔



”ہم تمہارے اس شعبدہ بازی سے متاثر ہونے والے نہیں۔“ کہہ کر پیر صاحب نے ہاتھ پر پھونک ماری جس کے ساتھ ہی وہ ہاتھ ایک دم سکڑ کر اپنی اصلی حالت میں آگیا۔ ”مرد بچہ ہے تو سامنے آکر مقابلہ کر لڑکی کو ڈھال بنا کر کیا مقابلہ کر رہا ہے۔“

”یہ لے...... میں کوئی تجھ سے ڈرتا ہوں۔“ کرخت آواز میں کہا گیا۔ اس کے ساتھ ہی پیر صاحب کے سامنے ایک عجیب ڈراؤنے حلیے کا ایک کیم شحیم ہیولا کھڑا تھا۔ پیر صاحب کو شاید اسی وقت کا انتظار تھا۔ انہوں نے کالے بلے کو ایک دم ہیولے پر پھینک دیا۔ بلا جانے کب ان کی گود میں آکر بیٹھ گیا تھا۔ بلے نے اسے اس طرح بھنبھوڑنا شروع کردیا تھا جیسے وہ کوئی چوہا ہو۔ بڑی کریہہ اور ڈراؤنی چیخیں نکل رہی تھیں۔ ”مجھے چھوڑ دو...... مجھے معاف کردو۔ میں حضرت سلیمانؑ کی قسم کھا کر کہتا ہوں...... میں یہاں نہیں رہوں گا...... شبراتن کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔“

”وہ تو تمہیں جانا ہی پڑے گا......“ پیر صاحب بولے...... پھر غالباً بلے سے مخاطب ہوئے۔ ”دیکھو یہ چوہا کسی طور پر بچنے نہ پائے۔“ اور ایسا ہی ہوا۔ بلے نے اس ہیولے کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک وہ جل کر بھسم نہیں ہوگیا۔ راکھ نہیں ہوگیا۔“

”تو گرینڈ ماما! وہ کوئی جن تھا۔؟“

”ہاں بیٹا! جن ہی انسانوں پر عاشق ہوتے ہیں۔“

میں اپنی دادی اماں کی زبانی ان کی جوانی کی یہ کہانی سن کر ڈر گئی۔ کہیں ہمارے گھر میں نظر آنے والا کوئی جن تو نہیں؟“

”اچھا آفرین بیٹا! اب تم جاؤ۔ میرا بدن دابتے دابتے تھک گئی ہوگی۔“ اور میں ان کے کمرے سے اپنے کمرے میں آگئی۔ میں نے کمرے میں آکر اسے اچھی طرح اندر سے بند کردیا اور پھر زیرو پاور کا بلب جلا کر سیور آن کردیا۔ بستر پر بیٹھ کر میں نے جتنی دعا درود یاد آئے سب پڑھ کر اپنے اوپر پھونک ماری اور بستر پر دراز ہوگئی۔ اس اعتماد کے ساتھ کہ اللہ نگہبان ہے۔ تھوڑی دیر بعد میری پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔ مگر ابھی سوئی نہیں تھی کہ ایک کھٹکا سا ہوا۔ میں چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ذرا دیر بعد مجھے یوں لگا جیسے بیچ کمرے میں کوئی موجود ہے مگر مجھے کچھ نظر نہیں آرہا تھا...... پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی سسک سسک کر رو رہا ہو...... میں نے آیت الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر پھونک ماری اور ہمت کرکے کہا۔ ”تم کون ہو...... اور آخر تم کو کیا پریشانی ہے؟“

پہلے رونے کی سسکی رکی پھر ایک گہری سانس لیکر کسی نے کہا۔ ”میں ایک نادان...... ایک بے وقوف جسے نہ ہی خدا ملا اور نہ ہی وصال صنم...... مجھ سے تو کہا گیا تھا کہ تم سیدھے جنت میں چلے جاؤ گے...... مگر جنت کیا...... مجھے تو......“

”تو کیا تم کوئی خودکش بمبار ہو؟“

”ہاں۔“

”تم واقعی نادان ناسمجھ اور بے وقوف تھے...... جنت تو ماں کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے۔ تم نے نہ صرف اپنی ماں بلکہ نجانے کتنی ماؤں کی بددعائیں لیں...... بے گناہوں کو مار کر...... ناحق خون بہا کر کوئی جنت میں کیسے جا سکتا ہے؟ شاید تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ سب سے اچھی عبادت انسان کے کام آنا ہے۔ تمہیں جنت کی تمنا تھی تو بھوکوں کو کھانا کھلاتے...... مریضوں کا علاج کرواتے...... دکھی لوگوں کے دکھ دور کرتے...... تم نے جنت کے حصول کے لئے جو راستہ اختیار کیا وہ تو سیدھا جہنم میں جاتا ہے...... اب تو بھوت بن کر...... بدروح بن کر جب تک دنیا باقی ہے بھٹکتے رہو...... در در کی ٹھوکریں کھاتے...... اس دنیا کے جہنم میں جلتے رہو...... اس دنیا سے جانے کے بعد تمہارا کیا حشر ہوگا یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

# وہ کون تھی

''ابھی تک کوئی دستک تو نہیں ہوئی؟ کوئی ہاتھ تو نظر نہیں آیا؟''

وہ ہڑبڑا کر بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بستر کے سرہانے کی طرف وہی کھڑکی تھی جس نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ ''تم؟'' اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا۔

''ہاں میں!'' پھر عجیب نظروں سے سرجو کو دیکھ کر کہا۔ ''کیا واپس چلی جاؤں؟''

انور فرہاد

**اس کے لیے وہ دیدہ تھی لیکن دوسروں کے لیے نادیدہ...... ایک انوکھی کہانی**

سب سے پہلے وہ اس کے ہاتھوں ہی پر عاشق ہوگیا تھا۔ وہ ہاتھ تھے ہی اتنے پیارے' اتنے خوب صورت کہ اس کا دل چاہا بے ساختہ انہیں اپنے ہونٹوں سے لگالے۔

ہوا یوں تھا کہ وہ اپنے کمرے میں بے خبر سو رہا تھا کہ اس کی آنکھ کسی آواز سے کھل گئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر آواز کی طرف توجہ دی تو پتا چلا کوئی دستک دے رہا ہے۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ اس دوران پھر دستک کی آواز آئی تھی مگر یہ آواز دروازے کی طرف سے نہیں آئی تھی۔ ''پھر کدھر سے آئی ہے؟'' اس نے دوسری طرف پلٹ کر دیکھتے ہوئے سوچا تو تب اسے پتا چلا آواز کھڑکی کی طرف سے آرہی ہے۔ سرجو نے اٹھ کر کمرے کا بلب روشن کیا اور کھڑکی کی طرف دیکھا کہ اس پر کوئی کیوں دستک دے رہا ہے۔ کھڑکی کے شیشے پر اسے دو ہاتھ دستک دیتے ہوئے نظر آئے۔ ''یہ کون ہے؟ کس کا ہاتھ ہے؟'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

اگر گھر کا کوئی آدمی ہوتا تو دروازے پر دستک دیتا۔ کھڑکی پر دستک دینے کی کیا تک ہے۔ سرجو نے کھڑکی کے زیادہ قریب جا کر جو دستک دینے والے ہاتھوں کو غور سے دیکھا تو اس کے سارے جسم پر سنسنی سی دوڑ گئی۔ یہ نسوانی ہاتھ تھے اور ایسے پیارے خوب صورت ہاتھ کہ اس کے دل میں جانے کیا ہونے لگا' اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔ بس ایک عجیب سی خواہش بے چین کرنے لگی تھی' ان ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے ہونٹوں سے لگا لے۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے اس خیال کو دل سے جھٹکا تھا۔ ''پتا نہیں یہ کس کے ہاتھ ہیں اور میں ہوں کہ......''

اس نے نیچے جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے آواز دی۔ ''کون ہے؟''

ہاتھ ایک دم غائب ہوگئے۔ کھڑکی کے باہر بھی اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ اب اسے تھوڑا تھوڑا ڈر لگنے لگا۔ ''خدا جانے کون تھی؟ جو بھی تھی' مجھے نظر کیوں نہیں آئی!''

ذرا دیر بعد وہ بستر پر واپس چلا آیا تھا مگر اس نے بلب آف نہیں کیا تھا۔ بستر پر لیٹ کر ان ہاتھوں کے بارے ہی میں سوچنے لگا۔

وہ وڈیرے سائیں کا ایک ادنیٰ ملازم تھا اور ان کی حویلی ہی کے ایک کمرے میں اس وقت موجود تھا۔ وہ اس حویلی والوں کی خدمت کے لیے چوبیس گھنٹے لگا رہتا تھا۔ جس کو جب بھی ضرورت ہوتی اسے آواز دے کر بلا لیتا۔ وہ حویلی والوں کی خدمت بچپن سے کر رہا تھا۔ اس کے ماں باپ نے اسے بچپن ہی سے وڈیرے سائیں کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس جگہ کی یہی ریت تھی۔ وڈیرے کے پرانے ملازم اپنے بچوں کو ان کے بچپن ہی

میں حویلی کا دائمی ملازم بنا دیتے تھے۔ وہ بھی ایک مدت سے حویلی والوں کی خدمت کررہا تھا۔ اب وہ بچہ نہیں رہا تھا۔ جوان ہوگیا تھا۔ ایسے ملازم جو یہاں بچپن سے جوان ہوجاتے تھے، انہیں حویلی میں رکھا جاتا تھا کیوں کہ حویلی والوں کو ان پر مکمل اعتماد ہوتا تھا۔ حویلی کے ایک الگ تھلگ کمرے میں اس کی سکونت تھی۔ کیا رات...... کیا دن...... جب جو چاہتا اسے اپنے کام کے لیے بلا لیتا۔ اس کی طرح اور بھی کئی ملازم تھے جو مختلف کاموں پر مامور تھے۔ لیکن خواتین زیادہ تر اپنا ذاتی کام اسی سے کراتی تھیں۔

''سرجو یہ کام کردو...... سرجو وہ کام کردو۔'' اس کے ماں باپ نے تو اس کا نام سراج الدین رکھا تھا۔ مگر وہ حویلی میں کثرت استعمال سے سرجو ہوگیا تھا۔

سرجو اس وقت اپنے بستر پر پڑا پڑا سوچ رہا تھا۔ ''یہاں حویلی میں تو ایسی کوئی عورت یا لڑکی نہیں، جس کے ہاتھ ایسی سبک، ایسے کجل، ایسے خوب صورت اور اتنے پیارے ہوں۔ بڑی بیگم صاحبہ کے ہاتھ تو اتنے بھاری اور اس قدر وزنی ہیں کہ ان کے تھپڑ پر سر جھنجھلا کر رہ جاتا ہے۔ وڈیرے کی بیوہ سائی بھی ایسی نہیں جس کے اتنے پیارے ہاتھ ہوں وہ بیچاری تو حویلی میں پڑے پڑے بھدی اور بوڑھی ہوگئی ہے۔ اس نے حویلی کی دیگر خواتین کے بارے میں بھی سوچا، مگر کوئی بھی تو ایسی نہیں تھی جس کے ہاتھ اتنے خوب صورت ہوں۔ حویلی میں کام کرنے والی عورتیں اور لڑکیاں بھی ایسی نہیں تھیں جن کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ یہ ہاتھ فلاں کے ہوسکتے ہیں۔ ''اور پھر'' اس نے کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔ ''گھر کی کوئی بھی لڑکی یا عورت ہوتی تو اسے بلانے کے لیے دروازے پر دستک دیتی۔ کھڑکی کے شیشے پر اس کے ہاتھ کیوں نظر آتے۔''

پھر جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ صبح دستک کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تھی مگر یہ دستک دروازے پر دی گئی تھی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا سامنے تاجو کھڑی تھی۔ ''ارے تو کب تک سوتا رہے گا؟'' اس نے کہا۔ ''بڑی سرکار تجھے کب سے بلا رہی ہیں۔''

اس نے کچھ جواب دینے یا بڑی بیگم صاحبہ کی طرف بھاگنے سے پہلے تاجو کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ میلا کچیلا اور بھدا سا اس کا ہاتھ تھا پھر بھی اس نے پوچھا۔ ''کیا تو رات کو بھی مجھے بلانے آئی تھی؟''

تاجو ایک لمحہ کے لیے شرما گئی تھی مگر اگلے ہی لمحہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ''بیگم سائیں کو رات کو تیری ضرورت کیوں پڑے گی؟ انہیں تو اب کوئی کام یاد آیا ہے۔''

دن بھر وہ اس مخمصے میں مبتلا رہا کہ رات کو آخر کس نے کھڑکی پر دستک دی تھی۔ اپنی سوچ اور فکر میں رات ہوگئی اور وہ دن بھر کے کام دھندوں کی تھکن سے چور ہوکر جیسے ہی بستر پر دراز ہوا اسے نیند آگئی اور پھر اسے کچھ خبر نہیں وہ کتنی دیر تک سوتا رہا۔ اس کی آنکھ اچانک کھلی تھی اور وہ بھی کسی آواز کی وجہ سے۔ اس نے آواز کی طرف دھیان دیا تو وہ کھڑکی کی طرف سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ آج اس نے بلب روشن نہیں کیا۔ کمرے میں زیرو پاور کا بلب جل رہا تھا، اس کی مدھم روشنی میں دبے قدموں چلتا ہوا وہ کھڑکی کے قریب گیا تو کھڑکی کے شیشے پر دو ہاتھ دستک دیتے ہوئے نظر آئے۔ یہ یقیناً وہی ہاتھ تھے جو گزشتہ رات اسے نظر آئے تھے، پیارے پیارے دو خوبصورت ہاتھ۔ اس نے کھڑکی کے ایک سائیڈ میں کھڑے ہوکر اس طرح باہر جھانکنے کی کوشش کی کہ باہر سے اس پر نظر نہ پڑے۔ مگر یہ دیکھ کر اس کے بدن سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ بہنے لگا کہ کھڑکی کے نیچے کوئی بھی نہیں تھا۔ اگر کھڑکی کے نیچے کوئی موجود نہیں تو یہ ہاتھ کس کے ہیں؟ گھبراہٹ میں اس کے منہ سے نکل گیا۔ ''کون ہے......؟''

اس آواز کے ساتھ ہی وہ ہاتھ ایک دم غائب ہوگئے۔

کچھ دیر تک وہ حیرت واستعجاب کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر بستر پر آکر لیٹ گیا۔ مگر بستر پر دراز ہونے سے پہلے اس نے تیز روشنی والا بلب جلا لیا تھا۔ اگرچہ وہ بڑا بہادر اور نڈر نوجوان تھا مگر اس وقت خاصا خوف زدہ تھا۔ آخر وہ کون تھی جو خود تو نظر نہیں آرہی تھی مگر اس کے دست دیتے ہوئے ہاتھ نظر آرہے تھے۔ وہ سوچنے لگا۔ کیوں نہ وہ یہ کمرہ چھوڑ دے اور کسی دوسرے کمرے میں رہنے لگے۔ مگر یہ سوچ کر وہ مایوس ہوگیا کہ اس کمرے سے کسی دوسرے کمرے میں جانے کے بارے میں اگر کسی نے وجہ پوچھی تو وہ کیا جواب دے گا؟ کیا وہ ان خوب صورت ہاتھوں کے بارے میں بتادے گا؟ یا اس بات پر کوئی یقین کرے گا کہ ہاتھ تو نظر آتے ہیں لیکن ہاتھ والا یا والی نظر نہیں آتی۔ یہ اور ایسی ہی دوسری باتیں سوچ کر اس نے کمرے کی تبدیلی کا خیال ہی جھٹک دیا۔ اگلے روز بھی وہ انہی ہاتھوں کے بارے میں صبح سے ہی سوچتا رہا تھا۔ ''کیا مجھے ان ہاتھوں کے بارے میں کسی سے پوچھنا چاہیے؟'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''مگر پوچھوں بھی تو کس سے؟ کون میری بات کا یقین کرے گا؟'' پھر اچانک اسے جکو بابا کا خیال آیا۔ کیوں نہ میں جکو بابا سے اس سلسلے میں بات کروں۔

جمشید علی حویلی کا پرانا ملازم تھا۔ اس کی ساری عمر حویلی والوں کی خدمت کرتے گزری تھی۔ ان دنوں اس کی ڈیوٹی آموں کے باغ میں لگی ہوئی تھی وہ دن رات فصل کی نگہبانی کرنے کے لیے باغ ہی میں رہتا تھا۔ اکثر جکو بابا کا کھانا لے کر سرجو ہی باغ جاتا تھا اور کھانا کھلانے کے بعد واپس آجاتا تھا۔ ''آج جکو بابا کا کھانا لے کر جاؤں گا تو ان سے تذکرہ کروں گا۔'' اس نے سوچا۔ ''ان سے پوچھوں گا کہ یہ کیسے ہاتھ ہیں؟ کس کے ہاتھ ہوسکتے ہیں؟''

اور جب وہ دوپہر کو جکو بابا کا کھانا لے کر باغ جارہا تھا تو جکو بابا تک پہنچنے سے پہلے اس کی سماعت سے ایک سریلی آواز ٹکرائی۔ ''کہاں جارہے ہو اس طرح منہ اٹھائے ہوئے......؟'' ایک دم اس کے پیروں میں جیسے بریک لگ گئے۔ اس نے رک کر تجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور آم کے ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے اسے جو کچھ نظر آیا، سے دیکھ کر وہ مبہوت ہوگیا۔ ''تو نے جواب نہیں دیا، تو کہاں جارہا ہے؟''

''وہ...... وہ جی میں جکو بابا کے لیے کھانا لے جارہا ہوں۔''

''جکو بابا کا بچہ! رکھ یہاں، میرے پاس یہ کھانا۔''

اور اس نے جکو بابا کے کھانے کی پوٹلی اس کے سامنے رکھ دی۔ معاً اسے ایک بہت پرانی کہانی یاد آگئی جو بچپن میں کبھی اس کی نانی نے سنائی تھی۔ اسے کہانی کا وہ خاص جملہ یاد آیا۔ ''دھر دے بڑھیا کھچڑی، سہلا دے میری پونچھ۔''

اور بے چاری بڑھیا جو اپنے بیٹے کے لیے کھچڑی پکا کر اسے کھلانے اس کے کھیت جارہی تھی۔ خوف زدہ ہوکر کھچڑی کی پتیلی اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ ایک بڑا سا بندر تھا وہ کھچڑی کھانے لگا اور بڑھیا اس کی دم سہلانے لگی۔

سرجو شاید یہی سمجھا تھا کہ یہ بھی جکو بابا کا کھانا کھانا شروع کردے گی مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ شاید اس لیے کہ وہ کوئی بندر یا بندریا نہیں تھی۔ جیتی جاگتی ایک عورت تھی۔ ایسی خوب صورت عورت کہ اس کے سراپے سے نظریں ہٹانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ سرجو نے اس سے پہلے اس علاقے میں ایسی کسی خوب صورت عورت کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کیری تھی جس سے وہ کھیل رہی تھی۔

''تو تم الور جکو بابا کے لیے کھانا لے کر آتے ہو......؟'' اس نے اس بار بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں، تقریباً روز ہی، کبھی کبھار کوئی دوسرا آجاتا ہے۔''

''تو پھر جاؤ، جکو بابا کو جاکر کھانا کھلاؤ۔''

کھانے کی پوٹلی کو اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ سرجو نے آگے بڑھ کر پوٹلی اٹھائی لیکن جاتے ہوئے جیسے ہچکچا رہا تھا۔ غالباً وہ اس پری پیکر کے پاس سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔

''جاؤ...... جاتے کیوں نہیں؟'' آواز قدرے تیز تھی۔ وہ جکو بابا کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ جکو بابا اس کا انتظار ہی کررہا تھا۔ اس نے جکو بابا کے آگے کھانا رکھ دیا اور ان کے کھانا ختم کرنے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ جو کچھ سوچ کر

یہاں آیا تھا' وہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ اس کے دل ودماغ پر تو وہ پری پیکر سوار تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جکو بابا ایک ہی لقمہ میں سارا کھانا کھالے اور واپسی میں پھر اس کی ملاقات اس خوب صورت عورت سے ہو جائے۔ مگر جب جکو بابا نے کھانا ختم کرتے ہوئے اس سے کہا۔ ''کیا بات ہے سرجو! آج تو بالکل چپ چپ رہا' کچھ بولا نہیں؟''

''کچھ نہیں بابا سائیں!'' اس نے برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''کیا بولوں' بولنے کی کوئی بات نہیں۔'' اور پھر وہ مزید رکا نہیں تھا اور گویا اڑتا ہوا اس جگہ پہنچا تھا جہاں اس پری تمثال سے ملاقات ہوئی تھی مگر اس وقت وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر تک آم کے تنے کو خاموشی سے گھورتا رہا۔ پھر بوجھل بوجھل قدم اٹھاتے ہوئے حویلی کی طرف چل دیا۔

حویلی میں اس کی واپسی سے لے کر اس وقت تک' جب وہ اپنے کمرے میں نہیں گیا' جب بھی اسے تھوڑی دیر کی تنہائی نصیب ہوئی' اسے اپنے سامنے وہی پری پیکر نظر آئی۔ وہ جب وارفتگی کے عالم میں اس کے قریب جاتا تو احساس ہوتا یہ تو محض اس کی نظر کا فریب تھا۔ رات کو اسے بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ وہ بس اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ ''وہ کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی؟ اسے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔ لگتی تو ایسی ہی تھی جیسے اس علاقے کی ہو۔ لیکن اس علاقے میں پہلے تو کبھی نظر نہیں آئی۔ اچانک اسے کھڑکی پر دستک دینے والے ہاتھ یاد آگئے۔ وہ ہاتھ بھی تو ایسی ہی کسی خوب صورت عورت کے تھے۔ پھر وہ اس دستک کا انتظار کرنے لگا۔ آج اب تک وہ دستک نہیں دی گئی تھی۔ انتظار کرتے کرتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ پھر وہ اس وقت جاگا تھا جب نازو نے اسے جگایا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھولنے پر وہ نظر آئی تو اس نے بلبلا کر کہا۔ ''یہ تو صبح سویرے اپنا یہ تھوبڑا لے کر کہاں چلی آئی؟ اب دن بھر......''

''اے ہے!'' نازو نے چمک کر کہا۔ ''اب میں تیرے لیے کسی پری کا تھوبڑا کہاں سے لاؤں۔ میرا جو تھوبڑا ہے وہی لیکر آگئی۔ جا بڑا سائیں تجھے بلا رہے ہیں۔''

پری کے نام پر اسے وہی کل والی پری پیکر یاد آگئی۔ پھر یہ یاد کسی جونک کی طرح اس کے ذہن سے اس وقت تک چمٹی رہی جب تک وہ جکو بابا کے لیے کھانا لے کر آموں کے باغ روانہ نہ ہو گیا۔ مگر اسے سخت مایوسی ہوئی جب کل والی خوب صورت عورت اسے نظر نہیں آئی۔ چند لمحوں تک وہ اس جگہ کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھتا رہا جہاں وہ کل نظر آئی تھی مگر جب وہ نزدیک و دور کہیں نظر نہیں آئی تو وہ مایوس ہو کر جکو بابا کی طرف چل دیا۔ آج اسے جکو بابا کے جلدی کھانا ختم کرنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ جکو بابا کھانا کھاتے ہوئے اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور وہ ہوں ہاں کہہ کر ان کو جواب دیتا رہا۔ اس کے ذہن پر تو وہی چھائی ہوئی تھی جو آج اسے نظر نہیں آئی تھی۔ اگرچہ وہ اس کے بارے میں جانے کیا کیا سوچ کر گھر سے چلا تھا۔ جکو بابا کھانا کھا چکے تو برتن سمیٹ کر اس نے کپڑے میں باندھے اور پوٹلی لے کر واپسی کے لیے روانہ ہو گیا۔ اسے اپنی بدقسمتی پر رو رہ کر افسوس ہو رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا کوئی عزیز دوست' ساتھی یا رشتہ دار اس سے بچھڑ گیا ہو۔ اس کا دل رونے کو چاہ رہا تھا۔ مگر وہ اپنے دل کو اپنے آپ کو سمجھاتا ہوا' دلاسہ دیتا ہوا چلتا رہا۔ اچانک اس کی پیٹھ پر ایک کیری کہیں سے آ لگی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ کوئی بھی تو نہیں ہے' پھر یہ کیری کس نے مجھ پر پھینکی۔'' اس نے اپنے آپ سے کہا۔

''کیوں نہیں ہے کوئی؟ میں نے پھینکی ہے کیری۔''

اس نسوانی آواز پر وہ ایک بار پھر چونکا تھا اور پھر ادھر ادھر متجسس نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اب بھی اسے کوئی نظر نہیں آیا مگر اگلے لمحے ہنسنے کی آواز آئی تھی۔ اب جو اس نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا تو آم کے درخت کی ایک شاخ پر وہ بیٹھی نظر آئی۔ اسے اس [illegible] دیکھ کر وہ ابھی کچھ کہنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ و[illegible] سے اس کے



سامنے کود پڑی۔ ''میں دراصل تمہاری ہی وجہ سے درخت پر چڑھ گئی تھی۔''

''میری وجہ سے؟'' سرجو کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

''ہاں تمہاری وجہ سے۔ تاکہ تم جکو بابا کو اطمینان سے پہلے کھانا کھلا لو تو تب تم سے دو دو ہاتھ کروں۔''

سرجو تو مایوس ہو چکا تھا۔ اسے امید نہیں تھی اب اس کے ملنے کی' ایسے میں غیر متوقع طور پر وہ ملی تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ مگر اس نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ ''آج تم سے اطمینان سے بات کر سکوں گی۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

سرجو کچھ نہیں بولا۔ خاموش رہا تو وہی بولی۔ ''تم غالباً حویلی میں رہتے ہو' وہاں کام کرتے ہو.....؟''

''ہاں۔'' پھر اس نے ہمت کر کے اس سے بھی پوچھ لیا۔ ''اور تم کہاں رہتی ہو.....؟''

''میں۔'' میں کہہ کر اس نے ایک لمبی اور ٹھنڈی سانس لی۔ پھر بولی۔ ''ہر جگہ رہتی ہوں اور کہیں بھی نہیں رہتی۔''

سرجو دل ہی دل میں بولا۔ ''بھلا اتنی آسانی سے وہ کیسے بتا دے گی وہ کہاں رہتی ہے۔''

''مجھے پہلے تو تم ادھر کبھی نظر نہیں آئیں؟''

''ہاں' نہیں ادھر صرف آموں کے موسم ہی میں آتی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے پھر ایک ٹھنڈی آہ بھری تھی۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسی جگہ آ کر رک گئی تھی جہاں بڑے خوب صورت پھول کھلے ہوئے تھے۔ ''ہم یہاں تھوڑی دیر بیٹھ کیوں نہ جائیں؟'' اس نے کہا تھا اور پھر سرجو کے جواب کا انتظار کیے بغیر خود ہی بیٹھ گئی تھی۔ سرجو بھی بیٹھ گیا۔

''پھول مجھے بہت پسند ہیں۔'' وہ سرجو کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تم بھی تو ایک تازہ کھلے ہوئے پھول کی طرح ہو۔ اس لیے تمہیں بار بار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔'' سرجو ایک لمحہ کے لیے شرما گیا تھا۔ اس کی اور اس کے مردانہ حسن کی کسی عورت یا لڑکی نے اب تک اس طرح تعریف نہیں کی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس کی بات کا کیا جواب دے۔ اس سے کیا کہے۔ اس سے ملنے کی جتنی خواہش تھی' جتنی تڑپ تھی۔ اس سے ملنے کے بعد جس طرح والہانہ جذبات کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔ اس کی نہ اس میں ہمت تھی نہ حوصلہ۔ ذرا توقف کے بعد وہی بولی۔

''کیا میرے ہاتھ میرے چہرے سے زیادہ خوب صورت ہیں کہ تم مسلسل انہیں کو گھورے جا رہے ہو......؟''

وہ ایک دم گھبرا گیا۔ جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ واقعی وہ اس کے ہاتھوں کو ہی مسلسل دیکھ رہا تھا۔ ''وہ......وہ بات دراصل یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ......'' وہ آگے کچھ کہنے کی بجائے رک گیا اور دل ہی دل میں بولا۔ ''کیا مجھے کھڑکی پر دستک دینے والے ہاتھوں کے بارے میں اسے بتا دینا چاہیے ...؟''

''ہاں' کیا ہوا میرے ہاتھ کو؟'' اس نے اپنے ہاتھوں کو اپنے قریب لاتے ہوئے دیکھنا شروع کر دیا۔

''وہ......وہ......'' وہ بری طرح ہچکچا رہا تھا۔

''بولو بولو......ان ہاتھوں میں کیا خرابی ہے؟ نہیں بتاؤ گے تو میں ان ہاتھوں کو کاٹ کر پھینک دوں گی۔''

''نہیں' خدا کے لیے ایسا نہیں کرنا......'' سرجو نے گھبرا کر کہا اور پھر اس نے کھڑکی پر دستک دینے والے ہاتھوں کے بارے میں اسے بتا دیا اور یہ بھی کہہ دیا۔ ''وہ ہاتھ بھی آپ کے ہاتھوں کی طرح خوب صورت ہیں۔''

سارا قصہ سن کر وہ مسکرائی۔ ''تو تم سوچ رہے ہو کہ وہ ہاتھ میرے ہی ہاتھ تو نہیں تھے۔''

''نہیں۔ وہ تمہارے ہاتھ کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ تو صرف ہاتھ تھے' ان ہاتھوں کے ساتھ تو کوئی جسم تھا ہی نہیں۔''

''اوہ! پھر تو یہ معاملہ ذرا گمبھیر ہے۔ اس کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔''

''ہاں' مجھے بڑا ڈر لگتا ہے اپنے کمرے میں۔''

ذرا دیر تک وہ خاموش رہی۔ پھر دور خلا کو گھورتے ہوئے بولی۔

''آج رات میں تمہارے کمرے میں آؤں گی اور دیکھوں گی وہ کیسے ہاتھ ہیں' کس کے ہاتھ ہیں۔'' وہ کچھ نہیں بولا۔ دراصل اس پر اس کے حسن و شباب کا ایسا اثر طاری تھا کہ اس کے ہوش و حواس صحیح طریقے پر کام نہیں کر رہے تھے۔

''اچھا میں اب چلتی ہوں۔'' اس پری پیکر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ان ہاتھوں نے پرشباب کر دیا ہے' جنہوں نے تمہاری نیند حرام کر دی ہے۔'' اور پھر وہ ایک طرف چل رہی تھی اور ایک پگڈنڈی کے قریب جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

وہ حویلی پہنچا تو وہاں ایک عجیب ہی تماشہ نظر آیا۔ ایک بلی جو سر سے دم تک سیاہ رنگ کی تھی' پوری حویلی کے لیے تماشہ بنی ہوئی تھی۔ کبھی کسی کی گود میں بیٹھ جاتی' کبھی کسی کے پیروں سے لپٹ جاتی' کبھی کسی کے پاس چلی جاتی کبھی کسی اور کے پاس۔ اس نے ناجو سے پوچھا۔ ''یہ کیا تماشہ ہے؟ کس کی بلی ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟''

''بس ذرا دیر پہلے ہی آئی ہے۔ مگر دیکھو تو کس قدر پیاری ہے ایسا لگتا ہے جیسے یہیں پلی بڑھی ہے۔''

''کسی گھر کی پالتو بلی لگتی ہے۔ اس سے اتنا بھی پیار نہ کرو کہ جب اس کے مالک اسے آ کر واپس لے جائیں تو سب مل کر اس کی جدائی میں رونے بیٹھ جاؤ۔''

مگر اسے لینے کے لیے کوئی نہیں آیا اور وہ حویلی ہی میں لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بنی رہی۔ رات کو جب سارا کام کاج نمٹا کر سرجو اپنے کمرے میں گیا تو اسے بڑے زور کی نیند آ رہی تھی۔ مگر اسے اچانک یاد آ گیا کہ آم کے باغ میں اس سے کسی نے رات کو اس کے کمرے میں آنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ سوچنے لگا' مجھے سونا نہیں چاہیے' اس کے آنے کا انتظار کرنا چاہیے۔ وہ بڑی مشکلوں سے نیند بھگانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ آ کر ہی نہیں دے رہی تھی جس کے لیے وہ جاگ رہا تھا۔ پھر اسے اپنے پاگل پنا پر بڑا غصہ آیا۔ وہ آئے گی بھی تو کیسے؟ یہاں حویلی میں اور وہ بھی رات کے وقت حویلی سے غیر متعلق کسی شخص کو حویلی میں آنے کا موقع ہی کیسے ملے گا۔ میں نے تو اس سے یہ پوچھا بھی نہیں تھا کہ وہ کیسے آئے گی؟ اس نے کہہ دیا کہ میں آؤں گی اور میں نے مان لیا کہ وہ واقعی آئے گی۔ اس سے یہ پوچھا بھی نہیں کہ تم کیسے آؤ گی؟''

یہ اور ایسی ہی باتیں سوچتے سوچتے وہ بے خبر سو گیا تھا۔ پھر جانے کب اس کی آنکھ دستک کی آواز ہی سے کھلی تھی اور اس نے کھڑکی کے شیشے پر دو ہاتھوں کا سایا سا دیکھا تھا۔ اب ان ہاتھوں نے دستک دی ہے تو محترمہ غائب ہیں۔ کہتی تھیں۔ ''میں دیکھوں گی۔ وہ کیسے ہاتھ ہیں' کس کے ہاتھ ہیں؟''

آج نہ وہ بستر سے اٹھا نہ اس نے تیز روشنی کا بلب جلایا۔ جیسے لیٹا تھا بستر پر ویسا ہی پڑا رہا۔ ذرا دیر بعد اس کے سرہانے سے سرگوشی کی سی آواز آئی۔

''ابھی تک کوئی دستک تو نہیں ہوئی؟ کوئی ہاتھ تو نظر نہیں آیا؟''

وہ ہڑبڑا کر بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بستر کے سرہانے کی طرف وہی کھڑی تھی جس نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ ''تم؟'' اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا۔

''ہاں میں!'' پھر عجیب نظروں سے سرجو کو دیکھ کر کہا۔ کیا واپس چلی جاؤں؟''

''ارے نہیں' میرا یہ مطلب نہیں۔''

''پھر کیا مطلب ہے؟''

''میرا مطلب ہے' تم کب آئیں' کیسے آئیں؟''

''یہ وقت ایسی فضول باتوں کا نہیں۔'' اس نے سرگوشی ہی کے انداز میں کہا۔ ''یہ بتاؤ' کوئی دستک سنائی دی' کوئی ہاتھ نظر آیا؟''

''ہاں ذرا دیر پہلے میں دستک ہی کی آواز سے جاگا تھا' اور یہ دستک اس ہاتھ نے دی تھی۔''

''اچھا...... چلو تو ذرا دیکھیں' اب تک وہاں کوئی ہے یا نہیں۔''



اور وہ سرجو کی معیت میں کھڑکی تک پہنچ گئی تھی۔ کھڑکی کی طرف جانے سے پہلے سرجو نے بستی کی طرف اشارہ کیا تھا کہ بڑا بلب جلا دوں؟ مگر اس نے اشارے سے منع کیا اور کہا کہ زیرو پاور کا یہ بلب ہی بہت ہے۔ کھڑکی کے قریب وہ جا کر کھڑی ہوئی تو سرجو سے اتنی قریب تھی کہ سرجو کو اس کے جسم سے آنچ سی آتی محسوس ہو رہی تھی۔ ''کہاں...... ادھر تو کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔'' اس نے سرجو پر جھکتے ہوئے اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر سرگوشی کی۔ سرجو غریب کا یہ حال تھا کہ ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔ اس نے کھڑکی کے مزید قریب جا کر کھڑکی کے باہر جھانکنے کی کوشش کی۔ ''نہیں' ادھر تو کوئی بھی نہیں ہے۔'' اس بار وہ سرگوشی سے ذرا اونچی آواز میں بولی تھی۔ اس بار بھی سرجو نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ البتہ اب وہ بستر کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اس کی حالت قابل رحم تھی۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ وہ بستر پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اگلے لمحے وہ بھی اس کے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''شاید وہ تمہیں سوتا ہوا سمجھ کر واپس چلی گئی۔''

''وہ کون؟''

''وہی' جس نے دستک دی تھی۔''

''اچھا۔'' مگر یہ اچھا اس نے اس طرح کہا تھا جیسے کوئی شرابی دھت نشے کی حالت میں ہو۔

اس نے سرجو کو غور سے دیکھا اور پرتشویش لہجے میں بولی۔ ''یہ تم کو کیا ہو گیا ہے؟ کہاں تو تمہیں اس سے ڈر لگتا تھا۔ کہاں وہ آ کر واپس چلی گئی تو اس کی جدائی میں مرے جا رہے ہو۔''

سرجو نے کچھ بولنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے منہ میں الفاظ آ کر گڈمڈ ہو گئے۔ اب اس نے اسے پکڑ کر جھنجوڑا۔ ''اپنے آپ کو سنبھالو۔''

مگر سنبھلنے کی بجائے اس کی حالت اور غیر ہو گئی تھی' وہ لہرا کر پلنگ پر ڈھیر ہو گیا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تھی تو اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ مگر اس کے علاوہ اب کمرے میں کوئی اور نہیں تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور دل ہی دل میں کہا۔ شاید رات کو میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ بیہوش ہونے کی بات ہی تھی۔ جس کے جسم سے مجھے آنچ سی آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کتنے ٹھنڈے تھے' جیسے برف کی سِل۔ یہ سوچ کر اسے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ آ گیا۔ اس کی سمجھ میں اس کی وجہ تو کچھ نہیں آئی۔ اگر وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ معاملہ یقیناً کچھ گڑبڑ ہے۔ وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھا تو اسے اپنے بستر پر وہی کالی بلی بڑے سکون کے ساتھ سوتی ہوئی نظر آئی جو کل اچانک حویلی میں کہیں سے آ گئی تھی۔ اس نے بلی کی طرف دیکھ کر دھیرے سے کہا۔ ''اری! تو یہاں کب اور کیسے آئی' کمرہ تو بند تھا؟'' بلی نے ایک آنکھ کھول کر اسے دیکھا اور پھر بند کر لیا۔ جیسے اس کا سوال انتہائی نامعقول ہے' اسے کسی جواب کی ضرورت نہیں۔

کمرے سے نکل کر اس نے چند ضروری کام جو اس کے ذمہ تھے' نمٹائے' ناشتہ کیا اور چپکے سے جگو بابا کے پاس جا پہنچا۔ ''ارے سرجو! کیا بات ہے' اس وقت کیوں آیا؟''

''بابا سائیں بہت ضروری بات ہے۔''

جگو بابا اک دم اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ''کیا بات ہے بیٹے؟ خیریت تو ہے......؟''

خیرت ہی تو نہیں ہے بابا سائیں!'' کہتے ہوئے سرجو نے انہیں' کھڑکی پر دستک دینے والے ہاتھوں سے لے کر' اس اجنبی خاتون اور سیاہ بلی تک کی ساری باتیں بتا دیں اور بولا۔ ''بابا سائیں! مجھے تو اب بڑا ڈر لگنے لگا ہے۔ جانے یہ سب کچھ کیا ہے؟ کہیں میں کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں۔''

جگو بابا ایک دم متفکر ہو گیا۔ کچھ دیر تک سوچتے رہنے کے بعد کہا۔

''اس وقت تو تم جاؤ' اپنا کام کاج کرو' کھانا لے کر آؤ گے تب بات کریں گے۔''

"بابا سائیں! کوئی گڑبڑ والی بات تو نہیں؟"

"میں نے کہا نا تم جب دوپہر کو کھانا لے کر آؤ گے تو بات کروں گا۔"

اور سرجو حویلی واپس آ گیا۔ اور پھر جب دوپہر کو کھانا لے کر آموں کے باغ میں گیا تو بابا سائیں اس کے منتظر تھے۔ پہلے انہوں نے کھانا کھایا جب کہ سرجو بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا کہ بابا سائیں کچھ بتائیں۔ جگو بابا نے کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اور منہ صاف کیا پھر جیب سے کوئی چیز نکال کر سرجو کو دیا۔

"یہ کیا بابا سائیں؟"

"بیٹا! یہ ایک چھوٹی سی گھنٹی ہے رسی میں پروئی ہوئی۔"

"اس کا میں کیا کروں؟"

"صبح دوپہر شام کھانے کے ساتھ اسے استعمال کرو مولا بھلی کرے گا۔"

سرجو نے ہونقوں کی طرح انہیں دیکھا جس پر جگو بابا نے اپنی بات آگے بڑھائی۔ "ارے بابا! میں نے جب تمہیں یہ گھنٹی دی ہے تو اس کے بارے میں بھی بتاؤں گا تم اتنی بے خبری کا مظاہرہ کیوں کر رہے ہو؟"

سرجو نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ ذرا توقف کے بعد جگو بابا بولے یہ گھنٹی تم اس کالی بلی کے گلے میں چپکے سے باندھ دینا۔ چپکے سے کا مطلب سمجھتے ہو نا؟ مطلب یہ کہ جس وقت تم بلی کے گلے میں گھنٹی باندھو' کوئی دوسرا موجود نہ ہو' تمہیں گھنٹی باندھتے ہوئے کوئی نہ دیکھے۔"

"اور دو باتیں جن کے بتانے کا وعدہ آپ نے صبح کیا تھا؟"

اس وقت کچھ نہیں بتا سکوں گا۔ کل جب تم اس وقت آؤ گے اور بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کی خبر دو گے' تب سب کچھ بتا دوں گا۔"

سرجو کو بڑی مایوسی ہوئی اور جگو بابا پر بڑا غصہ بھی آیا کہ جانے کیوں وہ مجھے ٹالتے جا رہے ہیں' اصل بات نہیں بتا رہے ہیں۔ ویسے اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ بات جو بھی کچھ ہے بڑی خاص اور گمبھیر ہے۔

دوسرے دن جب وہ کھانا لے کر جگو بابا کے پاس گیا تو بابا سائیں نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا۔ "گھنٹی بلی کے گلے میں باندھی؟"

"ہاں بابا سائیں؟ میرا ارادہ تو تھا کہ رات کے وقت گھنٹی باندھوں گا مگر دن کے وقت میں کسی کام سے اپنے کمرے میں گیا تو دیکھا میرے بستر پر اس طرح لمبی تان کر سو رہی ہے جیسے اس کے باپ ہی کا تو بستر ہے۔ میں نے چپکے سے وہ گھنٹی جیب سے نکالی اور بڑی آہستگی سے اس کے گلے میں باندھ دی۔ مگر......"

"مگر کیا......؟" جگو بابا نے بیتابی سے پوچھا۔

مگر ایسا لگا جیسے اس کی دم پر کسی نے پیر رکھ دیا ہو۔ وہ چیخ کر بستر سے تڑپی تھی' فرش پر ایک دو بار یوں تڑپتی رہی جیسے بس اب مر جائے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ انتہائی بے قراری کے عالم میں کمرے سے نکلی اور حویلی کے مختلف حصوں میں وحشیانہ انداز میں چیختی چلاتی پھری۔ سب لوگ حیران تھے اسے اچانک کیا ہو گیا۔ کچھ نے اسے پیار سے گود میں اٹھانے کی کوشش کی تو وہ خونخوار انداز میں ان پر جھپٹتی تھی۔ کچھ لوگوں نے کہا اس نے کوئی زہریلی چیز یا زہریلا کیڑا مکوڑا کھا لیا ہے۔ بہرحال وہ کچھ دیر تک حویلی میں اس دیوانگی کے عالم میں چکراتی رہی پھر حویلی سے نکل کر جانے کہاں چلی گئی۔ حویلی والے آج بھی اس کے بارے میں افسوس کر رہے تھے کہ کتنی اچھی کتنی پیاری بلی تھی' جانے اسے کیا ہو گیا' کس کی نظر لگ گئی۔"

سرجو اپنی روداد سنا کر خاموش ہوا تو جگو بابا نے ایک لمبی اور اطمینان بخش سانس لی اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کر دیا۔ سرجو اندر ہی اندر کھول کر رہ گیا۔ "میں نے اتنی دلچسپ بات بتائی اور یہ ہیں کہ نہ ہوں کہاں نہ ہاں' کھانے میں مشغول ہو گئے۔"

بہرحال جب جگو بابا کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو بولے۔ "اللہ کا شکر ہے بیٹے! کہ اس نے بہت بڑا خطرہ تمہارے



سر سے ٹال دیا۔"

جگو بابا کا یہ جملہ سرجو کے سر سے گزر گیا۔ "میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا تم نے کیا کہا' اور وہ سب کچھ کیا تھا؟ کیسی گھنٹی تھی؟ اور بلی......؟"

"بتاتا ہوں' بتاتا ہوں۔" جگو بابا نے سرجو کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ کھڑکی پر دستک دینے والے خوب صورت ہاتھ' وہ خوب صورت عورت اور وہ کالی بلی' ایک ہی زنجیر کی کڑیاں تھیں۔ جو تجھے تباہی کی طرف لے جانے کے لیے سرگرم عمل تھیں۔"

جگو بابا دم لینے کے لیے ذرا رکے تھے کہ سرجو نے کچھ بولنا کچھ پوچھنا چاہا تھا مگر بابا سائیں نے اسے روکا۔ "تجھ سے پہلے بھی وہ تجھ جیسے کئی کبرو جوانوں کو تباہ و برباد کر چکی ہے۔ وہ آموں کے ہر موسم میں اس باغ کا رخ کرتی ہے اور کسی شکار کو تلاش کر کے اس کی دنیا اور عاقبت کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کو بھی تباہی کے دھانے پر لگا دیتی ہے۔"

"آخر وہ ہے کون؟" اس بار سرجو بول ہی پڑا تھا۔

"ہے تو وہ ایک مظلوم عورت۔ لیکن وہ یہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہے۔"

"مگر وہ ہے کون؟"

بیٹا! وہی میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں لیکن دیکھو جو کچھ میں تم سے کہوں گا اس کا ذکر بھولے سے بھی کسی سے نہیں کرو گے' ورنہ وڈیرا سائیں تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"کیوں' وہ بڑے سائیں کا اس سے کیا تعلق؟"

"کیوں کہ وہ وڈیرے سائیں کی بہن ہے۔"

"نہیں.....!"

"یہ سچ ہے۔ میری بات خاموشی سے سنو' جب ہمارے وڈیرے سائیں کے باپ جی کا انتقال ہوا تو یہی دو بھائی بہن اس کے وارث تھے۔ مرنے والے نے بہت زمین اور جائیداد چھوڑی تھی۔ وڈیرے سائیں کی بہن چوں کہ غیر معمولی طور پر حسین اور پرکشش تھی۔ اس لیے بڑے بڑے وڈیروں اور جاگیرداروں کے رشتے اس کے لیے آنے لگے لیکن ہمارا وڈیرا سائیں کسی نہ کسی حیلے بہانے انہیں ٹالتا رہا شادی سے انکار کرتا رہا۔

"مگر بابا سائیں! وڈیرے سائیں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے پاس تو بہن کی شادی کرنے کے لیے کسی بات کی کمی نہیں تھی؟"

"بیٹا! ہم غریب لوگ' اپنی بیٹی اور اپنی بہن کی شادی کے لیے تو اپنے آپ کو بھی بیچ دیتے ہیں لیکن یہ بڑے لوگ ...... یہ جاگیردار' زمین دار اور وڈیرے محض اس لیے اپنی بہنوں کی شادی نہیں کرتے کہ شادی کے بعد بہن کو باپ کی جائیداد میں سے حصہ دینا پڑے گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے وڈیرے سائیں نے بھی......؟"

"ہاں سرجو بیٹا! اس وجہ سے ہمارے وڈیرے سائیں نے بھی بہن کے لیے آنے والے ہر رشتہ کو ٹھکرا دیا۔ وقت گزرتا رہا' وڈیرے کی بہن کی عمر بھی بڑھتی گئی۔ آخر کوئی لڑکی ایسے حالات میں کب تک اپنے آپ کو سنبھالے رکھتی؟ اپنی فطری خواہشوں اور جذبات کے تھپیڑوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتی؟ یہی آموں کا موسم تھا جب وہ بہک گئی۔ حویلی کی عزت و ناموس کو برقرار نہ رکھ سکی۔ ان دنوں باغ کی رکھوالی تمہارے جیسا ایک نوجوان اللہ رکھا کرتا تھا۔ وڈیرے کی بہن نے چوری چھپے اس سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ "جو جلد ہی بے حد نازک حدود میں داخل ہو گیا۔" اس کا پورا وجود پیاسا تھا۔ وہ جس بوند بوند کو ترس رہی تھی۔ سمندر صورت میں اسے کوئی ملا تو اس کی موجوں میں بہتی ہوئی دور تک چلی گئی۔" جگو بابا نے ذرا رک کر اس سے پوچھا۔ "تم میری بات سمجھ رہے ہو نا......؟"

سرجو کی سمجھ میں کچھ آیا تھا' کچھ نہیں مگر اس نے کہا۔ "ہاں ہاں میں سمجھ رہا ہوں۔ وہ گناہ کے راستے پر چل نکلی تھی۔"

"ہاں۔ مگر چوری چھپے کی یہ ملاقاتیں، یہ باتیں اور وارداتیں چھپی نہیں رہیں۔ کسی نے وڈیرے سائیں کے کان تک یہ باتیں پہنچادیں۔ وڈیرے سائیں نے سوتی ہوئی بہن کا گلا دبا کر اسے ماردیا۔"

"ماردیا......!" سرجو نے حیرت سے دہرایا۔ "اپنی بہن کو اپنے ہاتھ سے ماردیا......؟"

"ہاں سرجو ہاں۔" دولت مندوں کو رشتے پیارے نہیں ہوتے، دولت پیاری ہوتی ہے۔ وڈیرے کو تو اک بہانہ ہاتھ آگیا تھا بہن کے حصے کی جائیداد ہتھیانے کا۔ بہن کی بےراہ روی پر پردہ ڈالنے کے نام پر اس کا کام تمام کرایا مگر سب پر ظاہر یہ کیا کہ وہ قدرتی موت مری ہے، رات سوئی اور پھر سوتی ہی رہ گئی۔"

"اور اس نوجوان کا کیا ہوا جس کے ساتھ۔"

"اس کی پراسرار موت سے تو لوگوں کو شک وشبہ ہوا کہ وڈیرے کی بہن کی موت کے پیچھے بھی کوئی راز ہے۔ باغ کی رکھوالی کرنے والے نوجوان کو چند نقاب پوشوں نے اتنا مارا، اتنا مارا کہ وہ زندہ نہ رہ سکا اور نقاب پوش بڑی آسانی سے فرار ہوگئے۔" جگو بابا چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا۔ "سرجو! تم تو جانتے ہو، وڈیرے سائیں کے علاقے میں کہیں اور کا پرندہ بھی پر مار نہیں سکتا۔"

"یعنی وہ نقاب پوش وڈیرے سائیں ہی کے کارندے تھے؟"

"ہاں بیٹا! جن لوگوں نے کبھی کبھار وڈیرے کی بہن کو باغ کی رکھوالی کرنے والے کے قریب دیکھا تھا، وہ معاملے کی گہرائی تک پہنچ گئے تھے۔ مگر سب چپ رہے، خاموش رہے کہ یہاں وڈیرے کے خلاف زبان کھولنے کی کس میں ہمت ہے۔"

چند لمحوں تک دونوں خاموش رہے۔ پھر سرجو ہی بولا۔ "بابا سائیں! آپ تو بول رہے ہو، وڈیرے سائیں نے اپنی بہن کو ماردیا تھا۔ اگر وہ مرگئی تھی وہ پھر وہ کون ہے؟ جو مجھے نظر آتی ہے، اور جسے تم وڈیرے کی بہن کہہ رہے ہو؟ یہ کیا چکر ہے وہ مر بھی گئی تھی اور زندہ بھی ہے؟"

"وہ زندہ نہیں ہے، تمہیں جو نظر آئی تھی وہ اس کی روح تھی۔ آموں کے اسی موسم میں اس کی پیاسی روح اپنے محبوب کی تلاش میں آتی ہے اور جو بھی نوجوان اسے نظر آتا ہے، اس پر فریفتہ ہوجاتی ہے، اور اپنے حسن وشباب کے جال میں اسے پھانس کر اس سے زندگی کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیتی ہے۔ تم نے بہت ہی عقلمندی کی کہ ابتدا ہی میں اس کے بارے میں مجھے بتادیا۔ میں نے اپنے پیر سائیں سے مل کر تمہاری کہی ہوئی ساری باتیں بتائیں تو انہوں نے کہا۔ "کھڑکی پر دستک دینے والے ہاتھ حقیقتاً اسی کے تھے، جب کے کالی بلی کے روپ میں بھی وہی تھی۔ کھڑکی پر دستک دے کر وہ سرجو کو اس لیے دہشت زدہ کرتی ہے کہ اس پراسرار ہاتھ سے نجات دلانے کے لیے اس کے کمرے تک پہنچنے کا جواز پیدا کرسکے اور وہ کالی بلی کے روپ میں حویلی اس لیے پہنچی تھی کہ کوئی اسے اس کی اصلی شکل وصورت میں پہچان نہ سکے۔ جب کہ وہ جب چاہے سرجو کے کمرے میں پہنچ سکے۔"

"مگر بابا سائیں! آپ نے اپنے پیر سائیں سے یہ نہیں پوچھا کہ آخر وہ سرجو کے کمرے تک کیوں پہنچنا چاہتی ہے؟"

"ارے بیٹا! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات تھی، وہ تجھے بھی نچوڑ کر اپنی پیاسی روح کو سیراب کرنا چاہتی تھی۔"

"اچھا، یہ بات ہے۔" کہہ کر سرجو نے ایک لمبی ٹھنڈی سانس لی۔ پھر بولا۔ "تو بلی کے گلے میں باندھنے کے لیے وہ گھنٹی آپ کے پیر سائیں نے ہی دی تھی؟"

"ہاں بیٹا! اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس گھنٹی کی وجہ سے اب وہ ہمیشہ بلی ہی رہے گی، کبھی بھی انسانی شکل وصورت میں نمودار نہیں ہوسکے گی نہ ہی کسی کو ذرا بھی نقصان پہنچاسکے گی۔"

☆☆☆

# ثبوت جرم

- شیاما اس کے لیے بڑی نیک شگون ثابت ہوئی۔
- شادی کے کچھ دنوں کے بعد ہی خوش قسمتی کا پہلا در کھلا۔
- گوپال کو دو فلموں میں اچھے کردار ملے۔
- اس کے بعد یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔
- قسمت کی دیوی اس پر مہربان ہوتی چلی گئی۔
- پھر اسے بڑی فلموں میں کام ملنے لگا۔
- اس کی دولت میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔
- آج وہ فلمی صنعت کا صف اول کا سائڈ ہیرو ہے۔
- اس کی پانچوں گھی میں اور سر کڑھائی میں ہے۔

ایم الیاس

**اس شخص کی کہانی جو اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا**

میں نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا۔ موسلا دھار بارش ہورہی تھی۔ یہ سلسلہ جو سہ پہر سے جاری تھا تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے آسمان میں سوراخ ہوگیا ہو۔ بارش کئی دنوں تک ہوتی رہی تھی۔ اس شہر میں جب بارشوں کا سلسلہ شروع ہوتا تو کئی دنوں تک جاری رہتا تھا۔ یوں بھی برسات کا موسم تھا۔ اس طوفانی بارش نے اور گہری تاریکی نے سارے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

اس روز بھی ایسی ہی طوفانی بارش ہورہی تھی اور گھپ اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ جب شیاما پراسرار طور پر لاپتا ہوگئی تھی۔ پچیس دن گزر جانے کے باوجود اس کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا اور باوجود کوشش کے وہ بازیاب نہ ہوسکی تھی۔ نجانے کیوں میرا دل گواہی دیتا تھا کہ آج اب بھی وہ کسی جگہ پر موجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس میں زندگی کی حرارت نہ ہو اور وہ اس جہاں فانی سے کوچ کر چکی ہو۔ یہ کون سی جگہ ہے اور کہاں پر ہے اس کا شوہر جانتا ہے۔ موسلا دھار بارش اور تاریکی کی وجہ سے نگاہوں سے اوجھل ہے۔ لیکن وہ میرے دل سے اوجھل نہیں تھی۔

اس بات میں اب کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ اسے قتل کردیا گیا ہے۔ اگر اسے قتل نہ کیا گیا ہوتا تو وہ اس پراسرار طور پر اچانک غائب نہ ہوجاتی۔ ان پچیس دنوں میں اس کا سراغ مل جاتا۔ میرے خیال کے مطابق اسے قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو غائب کردیا گیا یا کہیں دفن کردی گئی تھی۔ یہ خیال میرے ذہن سے کسی جونک کی طرح چمٹ گیا تھا اسے قتل کردیا گیا۔ میں اپنے آپ کو کسی فریب میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ میں خوابوں میں رہنے والا شخص نہیں تھا۔ اپنے آپ کو دھوکہ دینا سب سے بڑی بےوقوفی تھی۔

یہ قتل کا کیس ہے میں اسے ثابت نہیں کرسکا تھا اور ثابت کرنا میرے لیے ممکن بھی نہ تھا۔ میں پولیس کے محکمے میں دو تین برس سے نہیں بلکہ پورے سولہ برس سے ملازمت کررہا تھا۔ میں کسی بھی کیس کے سلسلے میں اس قدر جذباتی نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس قدر گہری دلچسپی لی تھی جو شیاما کے کیس میں لے رہا تھا۔ یہ کیس میرے اعصاب پر سوار ہوگیا تھا۔ جب کہ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ جب کوئی کیس میرے بس کی بات نہ ہوتی تو میں اپنے افسران سے اپنی نااہلی کا اعتراف کرکے معذوری کا اظہار کردیتا۔ پھر وہ کیس کسی اور افسر کے ذمہ سونپ دیا جاتا۔ لیکن اس

وقت معاملہ کچھ اور تھا۔ ان پچیس دنوں میں کوئی لمحہ، گھڑی اور دن ایسا نہیں تھا جو میں اس کیس کے بارے میں سوچتا نہ رہا ہوں۔ اس نے میرا چین و سکون غارت کر دیا تھا۔

میرے ذہن میں اچانک گرد بابا کا خیال آیا تو میں حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا۔ گھپ اندھیرے میں امید کسی کرن کی طرح دکھائی دی تھی۔ پھر میں نے ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی۔ میں نے کھونٹی سے برساتی نکالتے ہوئے سوچا کہ مجھے اس سے پہلے گرد بابا کا خیال کیوں نہیں آیا۔ میں برساتی پہن کر اور کمرہ مقفل کر کے نیچے آیا۔ نیچے عین دروازے کے سامنے میری گاڑی موجود تھی۔ پھر میں اس طوفانی بارش میں ان سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ میں نے ایسا راستہ اختیار کیا جہاں بارش کا پانی کھڑا ہوا نہیں تھا۔ پندرہ منٹ کی مسافت کے بعد میں پرتھوی تھیٹر تک تھا۔ میں نے گاڑی سے اتر کے اسے مقفل کیا۔ پھر کھڑے پانی میں چلتا ہوا تھیٹر کے اسٹیج والے دروازے میں داخل ہو گیا۔ پھر میں نے برساتی اتار کر اسے جھٹکا۔ جو گلی عبور کرتے ہوئے لمحوں میں پانی سے تر ہو گئی تھی۔ پھر مجھے سر سے ٹوپی اتار کر اسے بھی نچوڑنا پڑا۔ میں نے دیوار میں لگے آئینے میں اپنی شکل دیکھی تو میں اپنی عمر سے دس برس بڑا لگ رہا تھا۔ میرے چہرے پر ذہنی کشمکش ابھر آئی تھی۔ آنکھوں سے بھی وحشت جھانک رہی تھی۔ میری کبھی ایسی کیفیت نہیں ہوئی تھی۔

چوکی دار جو تھا وہ بارش کی وجہ سے اندر کھڑا ہوا تھا۔ وہ مجھ سے واقف تھا۔ وہ مجھے اپنی رہنمائی میں لے کر ایک ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔ میں اس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ گرد بابا آرام دہ کرسی پر بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے۔ ان کے قریب ہی ان کا گر رکھا ملازم بھی موجود تھا۔ گرد بابا پولیس میں دس برس ملازمت کر چکے تھے۔ تھیٹر کے شوق کی وجہ سے انہوں نے اپنی ملازمت ترک کر دی تھی۔ وہ ایک بہترین تفتیشی افسر تھے۔ انہوں نے نجانے کتنے پیچیدہ کیس حل کیے تھے۔ شرلاک ہوز ہوتا تو عش عش کر اٹھتا۔ ان میں جو قابلیت اور صلاحیتیں تھیں وہ بہت کم لوگ اس کے مالک ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بہت کچھ سیکھا تھا۔ ان کے جیسے ذہین آدمی بہت کم دیکھنے میں آنے تھے۔ وہ ایک دراز قد شخص تھے۔ ساٹھ برس کی عمر میں بھی وہ جوانوں کی طرح چاق و چوبند اور صحت مند تھے۔ ان کی چوڑی پیشانی اور آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی اور پھر ان کی آنکھوں میں عقابوں کی چمک تھی۔ ان کی آنکھوں میں سامنے والے کو پیناٹائز کر دینے کی صلاحیت تھی۔ کوئی ان کی نظروں کی تاب نہ لا پاتا تھا۔

اس موسلا دھار بارش کے باوجود شو ہو رہا تھا۔ ایک گھنٹہ بیشتر شو شروع ہو چکا تھا۔ اس میں گرد بابا کا بھی کردار تھا لیکن اس میں ابھی نصف گھنٹہ باقی تھا۔ میرا دل میری محبت کھیل دو ماہ سے اسٹیج پر باقاعدگی سے ہو رہا تھا۔ اس کھیل کی کامیابی اور مقبولیت میں ناچ گانوں کے علاوہ اس کے رومانی مکالے ہی نہیں بلکہ اس کی ہیروئن سونی کا حسن و شباب اور پرشکوہ سراپا بھی تھا جو نیم عریاں لباس میں تماشائیوں کے دلوں پر بجلی گراتا تھا۔

گرد بابا نے مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ پھر میں ایک کرسی کھینچ کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔ انہوں نے اپنے ملازم سے میرے لیے کافی لانے کے لیے کہا۔ اس وقت یہ موسم کافی کا ہی تھا۔ پھر میں نے رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد بغیر کسی تمہید کے بعد کہا۔ میں آپ سے شیاما کے کیس کے موضوع پر بات کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں جو ایک معمہ بن گیا ہے۔ باوجود کوشش کہ یہ معمہ حل ہو نہیں پا رہا ہے۔ میں اس معمے کو حل کرنے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ یہ کیس اس کی پراسرار گمشدگی کا نہیں بلکہ قتل کا ہے۔ ایک سنگین جرم ہے۔ میں اس جرم کو ثابت کرنا چاہتا ہوں۔

گرد بابا نے اپنے بالوں پر ارادی طور پر ہاتھ پھیرا۔ پھر انہوں نے سگریٹ کا کش لے کر ٹوٹے کو ایش ٹرے میں مسل دیا۔ انہوں نے میرا ایک ایک لفظ بڑے غور سے سنا



تھا۔ انہوں نے فوری طور پر میری بات کا جواب نہیں دیا تو میں نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ شیاما کی موت واقع ہو چکی ہے لیکن میں وثوق سے صورت حال کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا ہوں۔ میرا دل کہتا ہے کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ مگر اس کی لاش اب تک دستیاب نہیں ہو سکی ہے۔ بالفرض اس کی لاش مل بھی جاتی ہے تو ہم اسے شاید ہی قتل کا کیس ثابت کر سکیں۔ اگر ہم کسی طرح یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ اسے قتل کیا جا چکا ہے اس صورت میں بھی یہ ثابت کرنا بہت مشکل ہوگا کہ شیاما کو اس شخص نے قتل کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ شاید کہ واقعی قتل کیا جا چکا ہے۔ اس کا قاتل وہی ہے جس پر مجھے شک ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یقین ہو گیا ہے وہ شخص ہی شیاما کا قاتل ہے۔

میں نے اخبارات میں شیاما کی پراسرار گمشدگی کی خبر پڑھی تھی۔ گرد بابا نے دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد کوئی خبر اخبار میں نظر سے نہیں گزری۔ اخبارات نے اس کی گمشدگی کو اتنی اہمیت نہیں دی جتنی تم دے رہے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بڑے شہر میں روز ہی کتنی ہی لڑکیاں غائب ہو جاتی ہیں۔ عورتوں کو قتل کر دیا جاتا ہے اور ان کی بے حرمتی رہتی ہے۔ اب تو سنگین جرائم کی خبریں اندرونی صفحات میں ایک کالمی میں مختصر طور پر شائع کی جاتی ہیں۔ ان کی افادیت نہیں رہی ہے۔ یہ تمہارا خیال ہے کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ کیا تم مجھے اس کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو۔

وہ واقعہ تین اپریل کی شام کو پیش آیا ہے۔ میں نے کہا۔ اس روز بھی اتفاق سے ایسی ہی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی جیسے آج ہو رہی ہے۔ بارش کی وجہ سے بجلی کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ کوئی ایک گھنٹے تک بجلی بحال نہ ہو سکی تھی۔ پورا شہر اس طرح تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا جیسے اس شہر میں بجلی نہیں ہے۔ کوئی سڑک، مکان یا محلہ ایسا نہیں تھا جس میں روشنی ہو رہی ہو۔ اس رات کو وہ اس دنیا سے کوچ کر گئی۔ یہ اس کی زندگی کی آخری رات ثابت ہوئی۔

تم اس کے بارے میں بہت جذباتی ہو۔ وہ بولے۔ اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں مجھے کچھ خبر نہیں ہے۔ تم مجھے کچھ بتاؤ۔

شیاما بہت حسین عورت تھی۔ وہ جتنی حسین تھی اتنی ہی دل کش اور جاذبیت سے بھرپور تھی۔ تین سال قبل شیاما نے ایک عام قسم کے اداکار گوپال سے شادی کر لی۔ اسے فلموں میں چھوٹے موٹے رول مل جاتے تھے جس سے اس کا گزارہ مشکل سے ہو جاتا تھا۔ وہ فلم اسٹوڈیوز میں ہدایت کاروں اور فلم سازوں کی چمچہ گری اور ان کے ذاتی کام کرتا پھرتا تھا جس کے کارن اسے فلموں میں کام ملتا تھا۔ کچھ بخشش میں مل جاتی تھی۔ شیاما کی مالی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ وہ بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہی تھی۔ ٹیوشن فیس اتنی ملتی تھی کہ صرف ایک وقت ٹھیک سے کھانے کو ملتا تھا۔

گوپال سے اس کی ملاقات ایک ہوٹل میں ہوئی تھی۔ وہ بیئر پی کر اپنی زندگی کی تلخیوں اور احساس محرومیوں کو دور کرنا چاہتی تھی۔ شیاما کے حسن و شباب نے گوپال کو بڑا متاثر کیا۔ چونکہ وہ فلم انڈسٹری کا شخص اور چرب زبان تھا۔ شیاما نے اسے پہچان لیا تھا۔ اس نے شیاما کو شیشے میں اتار لیا۔ صرف ایک ہفتہ کے اندر اندر اس نے شیاما سے اس لیے بیاہ کر لیا کہ کوئی اور نہ اسے لے اڑے۔ شیاما بھی اس لیے اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو گئی تھی کہ وہ اپنی تنگ دستی سے عاجز آ چکی تھی۔

شیاما اس کے لیے بڑی نیک شگون ثابت ہوئی۔ شادی کے کچھ دنوں کے بعد ہی خوش قسمتی کا پہلا در کھلا۔ گوپال کو دو فلموں میں اچھے کردار ملے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ قسمت کی دیوی اس پر مہربان ہوتی چلی گئی۔ پھر اسے بڑی فلموں میں کام ملنے لگا۔ اس کی دولت میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ آج وہ فلمی صنعت کا صف اول کا سائڈ ہیرو ہے۔ اس کی پانچوں گھی میں اور سر کڑھائی میں ہے۔

☆☆☆

# مشق لا حاصل

ذوالنورین

**اوہ خدایا۔ مارٹن نے کلنہتی آواز میں کہا۔ اسے دفن کردیا گیا ہے...... میرے پارٹنر بورڈن کو...... کیا زمین کے اندر دفن کیا گیا ہے۔**

**مغرب سے درآمد ایک خوبصورت تحریر**

مارٹن نے اخبار کی سرخی کو پڑھا اس کے بعد متن پر نظریں دوڑانے لگا۔ جب وہ پوری خبر پڑھ چکا تو اس کے جسم پر سنسنی طاری ہوگئی۔ اس نے اپنے ساتھی بورڈن کی طرف دیکھا جو ایک جاسوسی ناول پڑھنے میں منہمک تھا۔

سنو بورڈن۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ مس کیٹی کا انتقال ہوگیا ہے۔ مرتے وقت اس کی عمر چھہتر سال تھی۔ اسے اپنے والدین کی طرف سے ترکے میں بھاری رقم ملی تھی مگر اس نے رقم کو کرنسی نوٹوں کی شکل میں کبھی جمع نہیں کیا۔

پھر۔ بورڈن نے حیرت سے کہا اور اپنے ہاتھ میں دبا ہوا جاسوسی ناول بند کردیا۔

اسے ہیرے جواہرات سے محبت تھی۔ خود اس نے زندگی بھر تک جو کچھ کمایا اس سے ہیرے خریدتی رہی۔

اچھا تو اب ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ تم یہ خبر مجھے کیوں سنا رہے ہو۔

اس لئے کہ مس کیٹی کی وصیت کے مطابق ان کے تمام ہیرے لکڑی کے ایک ڈبے میں بند کرکے ان کے تابوت میں رکھ دیئے جائیں گے اور ان کے ساتھ دفن کردیئے جائیں گے۔ مارٹن نے کہا۔

ممکن ہے کوئی اس کا رشتے دار پیدا ہوجائے اور اس کے ترکے پر قبضہ کرلے۔ بورڈن نے کہا۔

مس کیٹی کے والد ریلوے کے محکمے میں صدر تھے اور کیٹی کے علاوہ ان کا کوئی وارث نہیں تھا۔ اس لئے یہ جواہرات کسی اور کو منتقل نہیں ہوسکتے۔

اندازاً یہ ہیرے کتنی مالیت کے ہوں گے۔

تقریباً دس لاکھ کے۔ مارٹن نے کہا۔ اس لئے کہ باپ نے مرتے وقت اس کے لئے ایک مکان چھوڑا تھا جس کی مالیت تقریباً ایک لاکھ ڈالر تھی۔ مس کیٹی نے تقریباً پچاس سال پہلے وہ مکان فروخت کرکے ہیرے جواہرات خرید لئے تھے۔ اب اتنا عرصہ گزرنے کے بعد ان کی مالیت تقریباً دس لاکھ ڈالر ہوچکی ہوگی۔

مگر جواہرات اس کے ساتھ تابوت میں کیوں دفن کئے جائیں گے۔ بورڈن نے حیرت سے کہا۔

اس لئے کہ اس کی دولت کا کوئی وارث نہیں ہے۔ مس کیٹی نے چونکہ شادی نہیں کی تھی اس لئے اس کی وصیت کے مطابق اسے مرنے کے بعد دلہن بنایا جائے گا پھر اس کی ساری دولت ساتھ رکھ کر دفن کردی جائے گی۔

مگر ایسا کون کرے گا۔

اس کا وکیل۔ مارٹن نے کہا۔ اخباری نمائندوں کو پتا چل گیا تو انہوں نے اس معاملے کو اچھال دیا۔ مس کیٹی کے پاس ایک ہی ملازمہ کام کرتی تھی۔ اخباری نمائندوں نے اس سے تمام باتیں اگلوالی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ اسے

دفن نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے باپ کے پہلو میں آبائی قبرستان میں رکھوا دیا جائے گا۔ مارٹن نے کہا۔ اس نے اپنے وکیل کو سختی سے یہ ہدایت دی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کی لاش کو حنوط کر کے رکھا جائے اور پھر عام لوگوں کے دیدار کے لئے رکھ دیا جائے۔ اس کے بعد عروسی جوڑا پہنانے کے بعد اسے تابوت میں بند کر کے قبرستان میں رکھوا دیا جائے۔ دلہن بننے کے بعد کوئی اسے نہیں دیکھے گا۔ جواہرات ایک بکس میں بند کرنے کے بعد تابوت کے نزدیک رکھ دیئے جائیں گے۔ یہ ہے وہ تفصیل جو اخبارات میں پڑھی ہے۔

پھر وہ تمام ہیرے اور جواہرات کیڑے مکوڑے کھالیں گے۔ بورڈن نے حیرت سے کہا۔ مجھے تو یہ فضول سی بات لگ رہی ہے۔ اس نے ناک سکیڑ کر اپنے ناول کی طرف ہاتھ بڑھایا تو مارٹن نے درشتی سے کہا۔

میں اس وقت ایک منصوبہ بنا رہا ہوں لہذا تمہیں اس پر توجہ دینا چاہئے۔

بورڈ نے اس معاملے پر توجہ دینے کی بجائے اخبار اٹھا کر غور سے وہ خبر پڑھنا شروع کر دی۔ مارٹن اس اثناء میں خاموش رہا۔ پھر اس نے اخبار ایک طرف رکھا اور بولا۔ مگر اس میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ جب اخباری نمائندوں نے وکیل صاحب سے رابطہ قائم کر کے اس بات کی تصدیق کرنا چاہی تو وہ خاموش رہے۔

احمق آدمی خاموش ہونے کا مطلب تصدیق کرنا ہے۔ مارٹن نے کہا۔ اس لئے کہ اگر تردید کرنا ہوتی تو وکیل صاحب زبان ضرور ہلاتے اور کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتے۔

اگر تمہیں کوئی واردات کرنا ہے تو اس کی جلدی کیا ہے۔

تم ان ہیروں کے وارث بننا چاہتے ہو تو ہم ایک ہفتے بعد کدالیں اور پھاوڑے لے کر چلیں گے اور اس کمبخت مقبرے کو کھود ڈالیں گے۔

ایک ہفتے بعد تو وہاں پوری دنیا ٹوٹی پڑ رہی ہوگی۔ مارٹن نے کہا۔ ہر وہ شخص جو اس بڑھیا کا آخری دیدار کرنے جائے گا وہ ہیروں کے اس بکس کو حاصل کرنا چاہے گا۔ اس لئے ہمیں اول وقت میں کوئی تدبیر کرنا چاہئے۔

او کے تو پھر یہ بتاؤ کہ کیا کرنا ہے اور کہاں چلنا ہے۔

☆

بورڈن کو اس قبرستان میں داخل ہونے کے بعد حیرت ہوئی اس لئے کہ وہاں شکستہ قبریں نہیں تھیں اور مجموعی طور پر وحشت نہیں ہو رہی تھی۔

وہ دولت مند لوگوں کا قبرستان تھا۔ اس لئے شاید مالیوں نے اس کی دیکھ بھال کر کے اسے بہتر بنایا ہوا تھا۔ وہاں قبروں کی بجائے مقبرے تھے۔ اس کے علاوہ خود رو جھاڑیوں کی بجائے پھولوں اور پودوں کی کیاریاں تھیں۔ ادھر ادھر چند بینچیں بھی پڑی تھیں جو زنگ آلود تھیں۔

مارٹن نے چوکیدار کی کوٹھری پر دستک دی تو اس نے تھوڑی دیر بعد دروازہ کھولا اور ان کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ ہمارا تعلق شام کے ایک اخبار دی ہیرالڈ سے ہے۔ مارٹن بولا۔ یہاں کل صبح ایک بڑی بی کو لایا گیا ہے جن کے ساتھ کچھ ہیرے وغیرہ رکھے جائیں گے۔ ایڈیٹر صاحب کی طرف سے حکم ملا ہے کہ ہم ان پر فیچر تیار کر کے لائیں، ورنہ ہمیں ملازمت سے برخاست کر دیا جائے گا۔

او اچھا یوں کرو کہ سیدھے جا کر دائیں جانب مڑ جانا وہاں کینٹی خاندان کا مقبرہ ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ اس پر ایک بہت بڑا عقاب لگا ہے۔

مگر ہم مقبرے کو باہر سے نہیں اندر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ مارٹن نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔ اس کے بغیر ہم فیچر کیسے بنائیں گے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس مقبرے کی کوئی تصویر وغیرہ نہیں کھینچیں گے۔ تم چاہو تو ہماری تلاشی لے سکتے ہو۔

یہ کہہ کر اس نے ہاتھ بلند کر دیئے تو اس کے ساتھ ہی بورڈن نے بھی ایسا کیا۔

لیکن قبرستان کے ٹرسٹ کے عملے کو اس معاملے کی



بھنک مل گئی تو وہ مجھے ملازمت سے برخاست کر دیں گے۔ چوکیدار نے اپنے لمبے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ پھر حریصانہ انداز سے دس ڈالر کے اس نوٹ کی طرف دیکھا جو مارٹن نے اپنی جیب سے نکالا تھا۔

کیا تم ہمارے لئے کوئی کوشش نہیں کر سکتے۔

ایسی کسی کوشش میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ چوکیدار نے مضطرب ہو کر کہا۔ دراصل یہ معمولی قبرستان نہیں ہے۔ یہاں معمولی لوگ زمین خرید کر اپنے لئے مقبرے وغیرہ بنوا لیتے ہیں۔ اس لئے کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو .....

اس کا جملہ نا تمام رہ گیا اس لئے کہ اب مارٹن نے دس ڈالر کا ایک اور نوٹ نکال کر پہلے والے نوٹ میں شامل کر دیا تھا۔

اگر ہم دو تین منٹ کے لئے اس کے اندر چلے جائیں گے تو کسی کو پتا نہیں چل سکے گا۔

چوکیدار اب بھی ہچکچا رہا تھا اس لئے مارٹن نے دس ڈالر کا ایک اور نوٹ نکال لیا۔ تیس ڈالر اس کو اپنا اصول توڑنے کے لئے مناسب دکھائی دیئے۔ اس لئے اس نے مارٹن کے ہاتھ سے تین نوٹ لے کر اپنی جیب میں ڈال لئے اور بالوں پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ شام چھ بجے تک میرے لئے یہ حکم ہے کہ میں یہاں سے حرکت نہ کروں..... بہر حال ... وہ کہہ کر کوٹھری میں چلا گیا پھر واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چابیوں کا ایک بڑا سا گچھا تھا۔

آؤ ہمیں جلدی واپس بھی آنا ہے۔ اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے پیچھے آ جاؤ۔

نوٹ بک نکالو اور ماحول کے بارے میں ایک مناسب سا نوٹ تیار کر لو۔ مارٹن نے مڑ کر بورڈن سے حاکمانہ لہجے میں کہا۔

بورڈن نے سر ہلایا اور ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکال کر وہاں کا نقشہ بنانے لگا۔

مارٹن نے چوکیدار کی طرف مڑ کر وضاحتی انداز سے کہا۔ میرا ساتھی نوٹ بنا لیتا ہے تو مجھے فیچر لکھنے میں آسانی رہتی ہے۔

اخبار والے اپنے عملے کو اچھی تنخواہیں دیتے ہوں گے۔ چوکیدار نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ البتہ جو کچھ اوپر سے خرچ ہوتا ہے وہ ضرور ادا کر دیتے ہیں جیسے کہ ابھی ابھی میں نے خرچہ کیا ہے۔ مارٹن بولا۔

وہ ایک پرانے مقبرے کے سامنے پہنچ کر ٹھہر گیا اور گہرا سانس لے کر بولا۔ یہ ہے کینٹی خاندان کا مقبرہ۔

چوکیدار تالا کھولنے کے لئے چابی منتخب کر رہا تھا اس اثناء میں مارٹن نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ چار دیواری سے مقبرے تک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ مگر چار دیواری کے اوپر خاردار تاریں لگی تھیں۔

مارٹن سوچنے لگا کہ اگر وہ باہر سے اس چار دیواری کے قریب آ کر کھڑا ہوا تو کہاں اور کس جگہ سے اندر آنا مناسب رہے گا۔

دائیں جانب ایک پل دکھائی دیا جس پر سے گاڑیاں آ جا رہی تھیں ..... وہیں ایک مشہور بنیان اور انڈر ویئر کا سائن بورڈ لگا ہوا تھا۔ اگر وہ وہاں سے چار دیواری پھلانگ کر اندر آتا تو مختصر سا فاصلہ طے کر کے کینٹی کے مقبرے تک پہنچ سکتا تھا۔

اس نے چوکیدار کو دیکھا۔

وہ جس چابی سے تالا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایک طرف سے پانچویں اور دوسری طرف سے گیارہویں تھی۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر موم کی دو ٹکیاں نکالیں اور دونوں مٹھیوں میں دبا لیا۔

چوکیدار زنگ آلود قفل میں چابی گھما رہا تھا مگر اس میں اسے ناکامی ہو رہی تھی۔ اس لئے کہ قفل زنگ آلود تھا۔ مارٹن نے اپنے ساتھی بورڈن کو اشارہ کیا تو وہ مستعدی سے آگے بڑھا اور اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ٹھہرو مجھے دو...... چابی مجھے دو میں کھولتا ہوں۔

چوکیدار نے چابی اسے دے دی۔

بورڈن نے قفل میں چابی گھما کر اسے کھولا اور دروازے کو دھکا دیا تو وہ اچانک کھل گیا جس کی بناء پر

بورڈن اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پیچھے کھڑے ہوئے چوکیدار سے ٹکرا گیا جس کے نتیجے میں چوکیدار اور وہ دونوں لڑکھڑا کر زمین پر گر گئے۔

یہ بورڈن اور مارٹن کی مخصوص چال تھی۔

چابی کا گچھا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔

اسے مارٹن نے فوراً اٹھالیا اور موم کی دونوں ٹکیوں پر دبا کر دونوں طرف سے اس کا نقش حاصل کرلیا۔ چوکیدار چونکہ زمین سے اٹھ کر اپنے کپڑے جھاڑ رہا تھا لہذا یہ دیکھنے سے قاصر رہا کہ مارٹن کیا کر رہا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ مقبرے کے اندر تھے۔ وہاں کوئی خاص چیز نہیں تھی جسے دیکھا جاسکتا۔ انہوں نے اس پر ایک سرسری نظر ڈال لی تھی ورنہ ان کا بنیادی مقصد چابی کا نقش حاصل کرنا پورا ہو چکا تھا۔

مقبرہ کا فرش باہر کے مقابلے میں تین فٹ نیچا تھا جب کہ اس کی اونچائی دس فٹ تھی لہذا وہ مجموعی طور پر تیرہ فٹ بلند تھا۔ مقبرے کی چھت پر گنبد تھا جس میں ایک طرف شیشہ لگا تھا۔ سبز رنگ کا اندھا شیشہ جس سے کچھ دیکھنا ممکن نہیں تھا البتہ اس سے روشنی اندر آسکتی تھی جو اس وقت بھی آرہی تھی۔

دائیں جانب پانچ چبوترے تھے جن میں سے دو پر تابوت کھڑے ہوئے تھے۔ جو یقیناً کیٹی کے والدین کے تھے۔ اس کے باپ نے پانچ چبوترے اسی خیال کے تحت بنوائے ہوں گے کہ بعد میں اس کی اولاد وہاں دائمی آرام کر سکے۔

مارٹن نے اندازہ لگایا کہ کیٹی کی طرح سے اس کا باپ بھی سنکی تھا اسی لئے اس نے تابوت کھڑے رکھوائے ہیں۔ مقبرے کو چاروں طرف سے اس انداز سے بند کیا گیا تھا کہ وہاں ہوا کا گزر نہیں ہو رہا تھا۔

مارٹن سوچنے لگا کہ اگر وہاں کوئی اتفاقاً بند ہو جائے تو کتنے عرصے زندہ رہ سکے گا۔ شاید صرف چوبیس گھنٹوں کے لئے۔

جب وہ وہاں سے نکل آئے تو اس وقت بھی بورڈن نوٹ بک پر لکیریں کھینچ رہا تھا۔ جب قبرستان سے نکلے اور چوکیدار نے اس کا دروازہ بند کیا تو مارٹن نے بورڈن کو اشارے سے چابی کا سوراخ دکھایا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس میں چابی باہر سے اور اندر سے بھی لگائی جاسکتی ہے۔

اسے کسی دوسری مصروفیت میں الجھا کر ہی فکر و تردد سے روا رکھا جاسکتا تھا۔ مارٹن نے اپنی جیب سے دس دس ڈالر کے دو نوٹ نکالے اور انہیں بورڈن کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ تم بازار جا کر دو چار ضروری چیزیں خرید لاؤ۔ ایک فولادی سلاخ جو ایک طرف سے نوکیلی ہو اور جس کی لمبائی ڈیڑھ فٹ ہو۔ اس کے علاوہ ایک ناشتے دان جو مزدور اپنے ساتھ کام پر جاتے وقت رکھتے ہیں۔

مگر کیوں۔ اس کا ہم کیا کریں گے۔

ٹھہرو۔ میں تمہیں اپنا منصوبہ بتاتا ہوں۔ مارٹن نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ مس کیٹی کی لاش کو آج رات حنوط کیا جائے گا پھر آخری دیدار کے لئے رکھا جائے گا۔ اس کے بعد انہیں دلہن بنا کر تابوت میں بند کر دیا جائے گا اور رات کو قبرستان لایا جائے گا۔ اور مقبرے میں چبوترے پر کھڑا کر دیا جائے گا...... میرا منصوبہ بہت سیدھا ہے ہم اس ادارے سے جو کہ تدفین کا انتظام کر رہا ہے اس جگہ کے بارے میں معلوم کرلیں گے جہاں آخری دیدار کے لئے ان کا تابوت رکھا ہوگا۔ جب انہیں دلہن بنا کر سب لوگ چلے جائیں گے تو ہم ان کی لاش نکال لیں گے اور پھر تم تابوت میں لیٹ جانا۔ تمہاری جیبوں میں خشک میوہ ہوگا۔ میں ہاتھ کی ڈرل سے تابوت میں سوراخ کر دوں گا تاکہ تم باآسانی سانس لے سکو۔ میں تمہیں انجکشن لگا کر بیہوش کر دوں گا تاکہ تم حرکت نہ کر سکو۔ بیہوشی اگلے روز صبح تک رہے گی۔ جب تمہاری آنکھ کھلے گی تو تم مقبرے میں پہنچ چکے ہوگے۔ وہاں آنکھ کھلنے کے بعد تم جیبوں میں سے ڈرائی فروٹ نکال کر کھانا اس کے بعد نوکیلی سلاخ سے تابوت کا ڈھکن توڑ کر باہر آجانا۔ پھر اس سلاخ سے لکڑی کا بکس توڑ کر ہیرے نکال لینا جو تابوت



کے نزدیک رکھے ہوں گے۔ میں رات گئے مزدوروں والا لباس پہن کر ہاتھ میں ناشتے دان لے کر آؤں گا۔ اس ناشتے دان میں ابلی ہوئی سبزی ہوگی۔ ہیرے اس ناشتے دان میں رکھ کر ہم باہر آجائیں گے اور سڑکوں پر سیر گشت کرتے پھریں گے۔ مزدور سمجھ کر ہمیں کوئی نہیں ٹوکے گا اور کسی کو ہم پر شبہ نہیں ہوگا۔

کیٹی کی لاش کہاں جائے گی۔

اسے کسی اور تابوت میں بند کر دیں گے۔ وہ بولا۔ یقیناً کوئی بڑا ادارہ اس کی تدفین کرے گا۔ وہاں اور بھی بہت سے خالی تابوت پڑے ہوں گے۔ ہم اسی سالہ مس کیٹی کی لاش کو کسی اور مردے کے ساتھ بھی تابوت میں لٹا سکتے ہیں تاکہ وہ بعد میں دفن ہو جائے۔

اگر کسی کو پتا چل گیا تو۔

تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس لئے کہ چوبیس گھنٹے گزر چکے ہوں گے اور ہم ہیرے لے کر مقبرے سے فرار ہو چکے ہوں گے۔

مگر......!

تم شاید اس پریشانی کا شکار ہو کہ اگر تم پر کوئی افتاد آئے گی تو تم کیا کرو گے۔ میں مقبرے کے دروازے میں لگے ہوئے لاک کی دو چابیاں تیار کراؤں گا۔ دوسری چابی تمہارے پاس رہے گی۔ اگر تم کوئی گڑبڑ محسوس کرنا تو چابی سے دروازہ کھول کر باہر آجانا اور وہاں سے سر پہ پاؤں رکھ کر فرار ہو جانا۔

بورڈن نے گہرا سانس لیا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی جیسے اس کا تردد دور ہو گیا ہو۔ او کے۔ اب میں اس کے لئے تیار ہوں۔ وہ بولا۔

پھر دونوں جدا ہو گئے۔

☆

مارٹن جب گھر سے نکلا تو اس وقت رات کے بارہ بجے تھے وہ ضروری سامان سے لیس تھا۔ وہ ایک بس کے ذریعے ...ر...مان کے نزدیکی بس اسٹاپ پر پہنچ گیا۔ قبرستان وہاں سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔

اب وہاں سے اسے پیدل جانا تھا۔ ٹیکسی سے سفر کر کے وہ کسی کی نگاہ میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ اب تک منصوبے پر خوش اسلوبی سے عمل ہو رہا تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ چند گھنٹوں بعد بہت بڑی رقم کا مالک بننے والا تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اپنے حصے کی رقم لینے کے بعد بورڈن سے علیحدہ ہو جائے گا اس لئے کہ وہ احمق ہونے کے ساتھ ساتھ کم عقل بھی تھا۔ اس کی طرف سے اندیشہ رہتا تھا کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ کرا دے۔

پچھلی رات کو تین بجے اس نے مس کیٹی کو ان کے تابوت سے نکال کر ایک اور تابوت میں لٹا دیا تھا جس میں ایک اور شخص پہلے سے لیٹا ہوا تھا۔

مارٹن کو اطمینان تھا کہ مس کیٹی کی صبح تک تدفین ہو جائے گی۔ وہ اپنے پارٹنر بورڈن کو انکی جگہ تابوت میں بند کر چکا تھا اس لئے اسے توقع تھی کہ جب وہ مقبرے کا دروازہ کھول کر اندر جائے گا تو وہ اسے انتظار کرتا ہوا ملے گا۔

بورڈن کو اس نے جو چابی دی تھی اس سے مقبرے کا دروازہ نہیں کھل سکتا تھا اس لئے کہ اس کی چابی قدرے مختلف تھی اور اس کی ہدایت پر اسے چابی تیار کرنے والے نے ایسا کیا تھا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ بورڈن کو ان ہیروں کے ساتھ وہاں سے فرار ہونے کا موقع دے۔

رات تاریک اور ہولناک تھی۔

پل پر گاڑیاں دوڑتی نظر آرہی تھی۔ ان کی ہیڈ لائٹس روشنی پھینکتی ہوئی ایک طرف سے دوسری طرف جارہی تھیں۔ اس نے بنیان اور انڈر ویئر والا سائن بورڈ تلاش کرلیا اور اس کی سیدھ میں دیوار کے پاس پہنچ گیا

دیوار پر خاردار تاروں کی باڑھ تھی۔

مگر فاصلے سے لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں جن پر خاردار تاریں لپٹی ہوئی تھیں۔ اس نے جیب سے ایک

چھوٹی سی رسی نکال کر پہلے تو اپنا ناشتے دان بیلٹ سے باندھ لیا پھر دوسری رسی کمر سے اتار کر اس نے پھندا بنایا اور اسے فولادی سلاخ کی طرف اچھال دیا۔

پھندا اس سلاخ میں پڑ گیا تو اس نے رسی کھینچ کر اس کی مضبوطی کا امتحان لیا پھر اس کے سہارے اوپر چڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اسی رسی سے دوسری طرف اتر رہا تھا۔

جب اس کے پاؤں قبرستان کی زمین سے ٹکرائے تو اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ رسی اس نے سلاخ سے بندھی رہنے دی تاکہ اس کے ذریعے واپسی ہو سکے۔

جب اس کا سانس درست ہو گیا تو وہ مس کیتھی کے خاندانی مقبرے کی طرف بڑھا۔ مقبرہ خاموشی میں لپٹا ہوا تھا۔ اس نے دروازے سے کان لگا دیئے مگر اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ شاید اس وجہ سے کہ دروازے موٹے تھے۔ دیواریں بھی قدیم طرز کی تھیں اور ان کی تعمیر ٹھوس انداز میں کی گئی تھیں لہذا ان سے آواز آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس نے تھوڑی دیر بعد چابی نکالی اور لاک کے سوراخ میں داخل کی مگر جب اس نے زور لگایا تو اس نے گھومنے سے انکار کر دیا۔

مارٹن کا دل وسوسوں اور اندیشوں سے دھڑک اٹھا۔

اس نے پینسل ٹارچ نکال کر روشن کی اور اس میں جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ چابی صحیح طور پر لاک کے سوراخ میں داخل نہیں ہوئی ہے۔

اس نے چابی نکال کر اسے پھر سے داخل کیا۔ اس بار وہ اندر تک چلی گئی اور اس کا گول سرا باہر رہ گیا۔ مارٹن دوسری بار زور لگایا مگر اس بار بھی ناکامی ہوئی۔

اسے ٹھنڈے پسینے آ گئے۔

خیال آیا کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے صحیح چابی بورڈن کو دے دی ہو اور خود غلط فہمی میں غلط چابی سے زور آزمائی کر رہا ہو۔

اگر ایسا ہی ہوا تھا تو بورڈن اب تک ہیرے لے کر بہت دور جا چکا ہوگا۔ وہ گیارہ بجے تک ہوش میں آ چکا ہوگا اور اس کے بعد تابوت توڑ کر باہر آیا ہوگا اور اس کے بعد چابی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا ہوگا۔

مقبرے پر چھائے ہوئے سکوت کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی۔

اسے ایک اور خیال آیا کہ ممکن ہے مس کیتھی کے وکیل نے تالا تبدیل کر دیا ہو۔

مگر چابی خفیف سی گھوم رہی تھی اسے تالے کے بارے میں معلوم تھا اس لئے اسے تھوڑا سا تیل لانا چاہیے تھا۔

اس نے یکبارگی اپنی پوری قوت استعمال کی اور چابی گھمانے کے لئے زور لگایا۔ اس وقت ایک لرزہ خیز واقعہ ہوا کہ چابی کا گول سرا ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا اور بقیہ حصہ لاک میں رہ گیا۔

مارٹن نے اس وقت چابی تیار کرنے والے کو ہزاروں صلواتیں سنا دیں۔

پھر اس نے ہزاروں کوششیں کر لیں مگر ٹوٹا ہوا حصہ باہر نہ آ سکا وہ لاک میں پھنسا ہوا تھا۔ اس خیال نے اسے دہشت زدہ کر دیا کہ بورڈن اندر پھنسا ہوا ہے اور اس کے پاس جو چابی ہے اس سے لاک نہیں کھل سکے گا اور اگر اس کے پاس صحیح چابی ہے تب بھی وہ لاک کھولنے سے قاصر رہے گا اس لئے کہ لاک میں ٹوٹی ہوئی چابی پھنسی ہوئی ہے۔

اسے بہرحال لاک کھولنا تھا بورڈن کو وہاں سے نکالنا تھا اس لئے کہ سورج نکلنے کے بعد اس کے دیکھ لئے جانے کا امکان تھا۔ بورڈن بہرحال وہاں زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا اس لئے مقبرے کی ہوا ختم ہو جائے گی اور وہ سانس نہیں لے سکے گا۔

پھر یہ کہ دو تابوتوں کی موجودگی اسے دہشت زدہ کرنے اور اس کا خون خشک کرنے کے لئے کافی ہے ممکن ہے وہ دروازہ تھپ تھپانے لگے اور چوکیدار کو آوازیں دینے لگے۔

دفعتاً اسے خیال آیا کہ مقبرے [illegible] میں ایک مقام پر شیشہ لگا ہے جسے توڑ کر وہ اندر جا [illegible] ہے۔



اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا اس لئے وہ راستے کو تقریباً "فراموش کر بیٹھا تھا۔ وہ چار دیواری کی طرف پلٹا اور اس نے سلاخ پر سے رسی کھول لی اور مقبرے کے قریب پہنچ کر جائزہ لیا کہ وہ اس کی چھت پر کیسے پہنچ سکے گا۔

مگر ابھی وہ اس میں داخل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے کہ شیشہ تو گنبد میں لگا ہوا تھا۔

چھت پر ایک پتھر پڑا مل گیا۔ اس نے وہ پتھر رسی کے ایک سرے پر باندھ کر اسے گنبد کی دوسری طرف پھینکا۔ تیسری کوشش میں وہ کامیاب ہو گیا۔ رسی پھندے کے دوسری طرف چلی گئی۔

وہ قدم جما کر گنبد پر چڑھ گیا اور بہ آسانی شیشے کے قریب پہنچ گیا۔ اسے توڑنے کے لئے اس نے رسی میں بندھے ہوئے پتھر سے کام لیا۔

گنبد میں ایک کھڑکی سی بن گئی۔ جس کے ذریعے وہ نیچے اتر سکتا تھا۔

اب تک صورت حال قابو میں تھی اور کوئی الجھن پیدا نہیں ہوئی تھی۔

مقبرے میں ہولناک تاریکی تھی۔

اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہاں مکمل سناٹا طاری تھا۔ اگر بورڈن تابوت سے نکل چکا تھا تو اسے چاہیے تھا کہ وہ خوشی سے قلقاریاں لگاتا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ہولناک صورت حال سے متاثر ہو کر بیہوش ہو چکا ہو۔

اب اسے اندر جانا تھا۔

اس نے رسی کا دوسرا سرا اندر لٹکا دیا۔

پھر اس نے رسی تھامی اور نیچے اترنے کے لئے پھسلنے لگا۔ مگر اچانک ہی رسی کا تناؤ ختم ہو گیا اور وہ ڈھیلی ہو گئی۔ پھر وہ پوری قوت سے دھم سے مقبرے کے فرش پر گر گیا۔ دوسرے ہی لمحے عقاب کا مجسمہ اس کے پیروں کے پاس گرا۔ اگر وہ ایک انچ بھی آگے ہوتا تو یقیناً مجسمہ اس کے سر پر گرتا اور اس کی کھوپڑی پھٹ جاتی۔

معلوم نہیں بورڈن کس حال میں تھا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ مجسمہ اس پر گر پڑا ہو۔

بورڈن تم کہاں ہو۔ تم زخمی تو نہیں ہوئے۔ اس نے تاریکی میں چاروں طرف سر گھما کر پوچھا۔ مارٹن کو احساس ہوا کہ اس کی آواز کانپ رہی ہے۔

وہ تاریکی اور سناٹے میں کھڑا تھا۔

اچانک اسے یاد آیا کہ اس کی جیب میں ایک پینسل ٹارچ بھی ہے۔ اس نے ٹارچ نکال کر اس کی روشنی چاروں طرف پھینکی تو دائیں جانب کے چبوتروں پر دو تابوت کھڑے دکھائی دیئے۔ جب کہ تیسرا کچھ فاصلے پر تھا۔

وہ یقیناً مس کیتھی کا تابوت تھا۔

مارٹن نے اسکے نزدیک جا کر اسے ٹھوکا بجایا مگر اندر سے کوئی آواز نہیں نکلی۔ اسے خیال آیا کہ کیا بورڈن ابتک بیہوش ہے۔ کہیں، ایسا تو نہیں کہ گزشتہ رات جس نے کلوروفام کا رومال اس کی ناک پر زیادہ دیر کے لئے رکھ دیا ہو۔

منصوبے کے مطابق اسے تابوت کو توڑ کر باہر آ جانا تھا۔

اس کا پارٹنر بورڈن اب تک تابوت میں موجود تھا۔ اس نے پھرتی سے تابوت کو اپنی پیٹھ پر لادا اور اسے فرش پر رکھ دیا۔ پھر اس نے عقاب کے مجسمے سے اس پر وار کرنا شروع کر دیئے۔ تابوت کی لکڑی زیادہ مضبوط نہیں تھی لہذا وہ تھوڑی سی دیر میں ٹوٹ گئی۔

مارٹن نے اس میں ہاتھ ڈال کر تختے توڑنا شروع کر دیئے۔ اس کام میں اس کے ہاتھ زخمی ہو گئے مگر وہ باز نہیں آیا۔

دو تختے ٹوٹ گئے تو اس نے ٹارچ سے روشنی اندر پھینکی۔ اندر جو منظر اسے دکھائی دیا وہ اتنا دہشت ناک تھا کہ اس کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ گئی اور ہکا بکا رہ گیا۔

چند ثانیے اسی عالم میں گزر گئے۔

پھر اسے ہوش آیا تو اس نے ٹارچ کو فرش پر سے اٹھا لیا۔

بات سمجھنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی۔

مس کینٹی کے نیچے ایک موٹا سا مردہ اور تھا۔

وہ موٹا آدمی وہی تھا جس کا تابوت حاصل کر کے اس نے بورڈن کو اس میں بند کیا تھا۔ غلطی اس سے یا پھر تدفین کے ادارے سے ہوئی تھی۔

ہوا یہ تھا کہ جب وہ ادارے کی عمارت میں پہنچا تھا تو اس نے مس کینٹی کا تابوت دیکھا تھا۔ اس پر اس کے نام کی تختی رکھی تھی۔ جب کہ برابر میں اس موٹے کا تابوت رکھا تھا۔

اس نے موٹے کا تابوت کھول کر مس کینٹی کی لاش اس میں رکھ دی۔ پھر مس کینٹی کے خالی تابوت میں بورڈن کو بند کر کے اسکریو لگا دیے۔

البتہ نام کی تختیوں کا اسے خیال نہیں رہا۔ گڑبڑ اسی سے پیدا ہوئی تھی۔ وہ جلدی میں تھا اس لئے اس نے موٹے کے نام کی تختی بورڈن کے تابوت پر رکھ دی اور مس کینٹی کے نام کی تختی موٹے کے تابوت پر۔

اس طرح سے جب مس کینٹی کا وکیل وہ تابوت لینے پہنچا تو تدفین کے ادارے نے وہ تابوت اس کے حوالے کر دیا جس میں مس کینٹی موٹے آدمی کے ساتھ بند تھی۔

موٹے کی لاش حنوط زدہ نہیں تھی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے دفن کیا جانا تھا۔

اسے دفن کیے جانے کا مطلب یہ تھا کہ اب بورڈن کو دفن ہونا تھا۔ اگر اس کے وارثین آئے ہوں گے تو ادارے نے اس کا تابوت انہیں دے دیا ہوگا۔ اگر اس شخص کا آخری دیدار ہو چکا ہوگا تو اب اسے دفن کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہوں گی یا ممکن ہے اسے دفن کر دیا گیا ہو۔

بورڈن چونکہ بیہوش تھا لہٰذا وہ ان لوگوں کو غلطی کا احساس نہیں دلا سکا ہوگا۔

اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تب بھی گڑبڑ ہو چکی تھی۔ آخری دیدار کے لئے اس موٹے کا تابوت کھولا گیا ہوگا اور اس میں بورڈن لیٹا نظر آیا ہوگا تب بھی اس کے لواحقین اسے تدفین کے ادارے میں واپس لے گئے ہوں گے اور ادارے کے افراد نے پولیس کو فون کر کے اس بارے میں بتایا ہوگا۔

جس کے نتیجے میں اب پولیس اس مقبرے تک پہنچنے والی ہوگی۔

اس نے مقبرے سے نکلنے کے امکانات کا جائزہ لیا۔ مقبرے کی چھت تیرہ فٹ بلند تھی اور گنبد تین فٹ اونچا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے سولہ فٹ کی بلندی طے کرنا تھی، جو کسی صورت بھی ممکن نہیں تھی۔ اس لئے کہ اگر وہ رسی کا پھندا پھینکتا تو وہ کہاں جا کر اٹکتا۔

عقاب کے جس مجسمے میں وہ پھندا ڈال کر وہاں تک آیا تھا وہ اپنی جگہ سے ٹوٹ کر اب اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ مقبرے کا دروازہ پرانی طرز کا تھا اور بیحد مضبوط۔ وہ اسے توڑ کر باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

مگر وہ چار مردوں کے ساتھ وہاں رہنا پسند بھی نہیں کرتا تھا۔ ان میں سے دو مردے کافی قدیم تھے۔ ان کی روحیں یقیناً کہیں آس پاس منڈلا رہی ہوں گی۔

یہ مس کینٹی کی آنکھیں اتنی کیوں چمک رہی تھیں...... لیکن نہیں یہ اس کا واہمہ تھا۔ مس کینٹی مر چکی تھی۔ اس کی آنکھیں کیسے چمک سکتی تھیں۔ لکڑی کا وہ بکس نزدیک ہی رکھا تھا جس میں ہیرے اور جواہرات ہونا چاہئے تھے مگر اب اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے ہاتھ لگاتا۔

اس نے مجسمہ لے کر دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا۔ پھر گھبرا کر چوکیدار کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ تھوڑی دیر بعد مجسمہ ٹوٹ گیا اور اس کی کرچیں بکھر گئیں۔ اس کی آواز بیٹھ گئی اور وہ اپنے حلق میں تکلیف محسوس کرنے لگا۔ پھر وہ بیہوش ہوا اور دروازے کے پاس گر گیا۔

☆

جب پولیس مقبرے کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئی تو مارٹن ہوش میں آ چکا تھا۔ دروازہ کھلنے پر اور پھر پولیس کے آنے پر اسے بہت خوشی ہوئی۔ حالانکہ عام حالات میں وہ پولیس والوں سے بہت دور رہتا تھا اور ان کے سائے کے قریب بھی نہیں پھٹکتا تھا۔

لیکن اسے پولیس والوں کی شکلیں بہت اچھی لگ رہی تھیں اور وہ چاہتا تھا اسے مقبرے سے نکال کر وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیں...... بیس سال...... پچیس سال یا اس سے بھی زیادہ عرصے کے لئے...... لیکن یہاں سے نجات دلا دیں۔

پولیس مارٹن کی حالت دیکھ کر بہت حیران ہوئی۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں، چہرہ خوف سے بگڑ گیا تھا اور اس کی انگلیوں اور ناخنوں سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ مارٹن کو اس سے پہلے سینکڑوں بار دیکھ چکے تھے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے سر کے بال سفید کیسے ہو گئے۔

مس کینٹی کا وکیل پولیس والوں کے ساتھ تھا۔ مارٹن پر نظر پڑتے ہی اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ میں لعنت بھیجتا ہوں اخبارات پر...... صحافیوں پر...... یہ سب ان ہی کی وجہ سے ہوا ہے...... بے شرم مجرم ایسی کوششیں ضرور کریں گے۔ مجھے پہلے سے معلوم تھا۔

خود کو ان لوگوں کی تحویل میں دینے کے بعد مارٹن کو احساس ہوا کہ اسے بورڈن کی بھی تو مدد کرنا ہے۔ اسے موت سے بچانا ہے لہٰذا وہ جلدی جلدی پولیس والوں سے کچھ کہنے لگا۔ مگر خوف و دہشت سے اس کا حلق بند ہو چکا تھا اور آواز نہیں نکل رہی تھی۔ لفظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔ چوکیدار کی جیب میں وہسکی کی بوتل تھی۔ اس نے بوتل کھول کر اسے مارٹن کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ وہسکی حلق سے اترنے کے بعد اس کے حواس بحال ہوئے تو وہ بولا۔ دوسرا تابوت...... دوسرا تابوت...... تم لوگوں کو دوسرا تابوت بھی دیکھنا چاہئے۔

کون سا دوسرا تابوت۔ ایک پولیس والے نے اسے جھنجھوڑ کر پوچھا۔ تم کس کی بات کر رہے ہو۔

مارٹن کے حواس بحال ہو چکے تھے اس لئے اس نے پوری کہانی سنائی پھر گلوگیر لہجے میں کہنے لگا کہ اس کے ساتھی کی جان بچائی جائے ورنہ اسے زندہ دفن کر دیا جائے گا۔

دو پولیس والے اس کی بات سمجھتے ہی دوڑتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد پولیس کی ایک وین مارٹن کو شہر لے جا رہی تھی وہ پچھلی نشست پر دو پولیس والوں کے درمیان پھنسا بیٹھا تھا جب کہ مس کینٹی کا وکیل آگے تھا۔

پندرہ منٹ بعد وائرلیس پر اشارہ موصول ہوا تو ایک پولیس والے نے اسے آن کر دیا۔ وائرلیس آپریٹر کی آواز آئی۔ تمہارے لئے ایک پیغام ہے لیفٹیننٹ آرچر۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ وہ دوسرا تابوت جو تدفین کرنے والے ادارے کے پاس تھا اسے اس کے اقارب کل صبح دس بجے لے گئے تھے اور اسے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ہی لانگ آئی لینڈ کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا ہے۔

اوہ خدایا۔ مارٹن نے کانپتی آواز میں کہا۔ اسے دفن کر دیا گیا ہے...... میرے پارٹنر بورڈن کو...... کیا زمین کے اندر دفن کیا گیا ہے۔

ہاں تقریباً چھ فٹ نیچے۔ ایک پولیس والا بولا۔

لالچ کے معاملے میں ہم جانوروں سے بھی بدتر ہو کر رہ گئے ہیں۔ وکیل نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ بڑھیا مس کینٹی یقیناً دیوانی تھی اور ان کا ذہنی توازن درست نہیں تھا اسی لئے انہوں نے ایسی احمقانہ وصیت تیار کی تھی کہ وہ بیش قیمت ہیرے ان کے مقبرے میں رکھ دیئے جائیں۔ بہر حال میں دیوانہ نہیں ہوں۔ میں نے ان کے ہیرے ایک بینک کے والٹ میں رکھوا دیئے اور ان کی جگہ رنگین شیشوں کے ٹکڑے مقبرے میں رکھوا دیئے۔ اب اتنی تگ و دو کرنے والوں اور اپنی زندگی داؤ پر لگانے والوں کو اگر یہ معلوم ہو کہ انہوں نے اتنی تکلیفیں رنگین شیشوں کے لئے اٹھائی ہیں تو ان کا کیا حال ہوگا۔ ارے مگر اسے کیا ہوا...... یہ مارٹن پھر سے کیوں بیہوش ہو گیا۔ وہ حیرت سے بولا۔

☆☆☆

# رشتے

میری سمجھ میں یہی بات آئی کہ وہ اس بات سے مرعوب ہوگئے ہیں کہ میں بہت بڑے باپ کی بیٹی ہوں... اور یہ احساس میرے لیے تکلیف دہ تھا۔ بعد میں شمسہ کے انداز میں بھی احتیاط شامل ہوگئی تھی۔ وہ بہت محتاط ہوگئی تھی۔ ہماری دوستی کے رشتے میں جو بے ساختہ پن تھا۔ وہ ختم ہوگیا تھا۔ اور یہ بات مجھے بہت بری لگ رہی تھی۔

انور فرہاد

میں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے گھر میں اپنے بزرگوں سے یہی سنا کہ ہمارا کوئی رشتے دار نہیں۔ جب میں بہت چھوٹی تھی تو مجھے پتا نہیں تھا کہ رشتے دار کسے کہا جاتا ہے اور یہ کون لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن جب میں اسکول جانے لگی تو دوسری بچیوں سے سنا... "ہم لوگ خالہ کے گھر گئے تھے۔ میری پھوپھی کے بیٹے کی شادی تھی۔ میرے چچا نے مجھے کھلونے لاکر دیے۔ ہم لوگ ماموں کے گھر جائیں گے۔"

ایک دن میں نے اپنی بڑی بہن سے پوچھا۔ "آپی! یہ خالہ، پھوپھی، چچا اور ماموں کون لوگ ہوتے ہیں؟"

"ارے بھئی! رشتے دار ہوتے ہیں..." آپی نے گویا جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

یہی سوال ایک اور دن میں نے بھائی جان سے کیا... کیونکہ آپی کے جواب سے میرے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔ مجھے تو یہی معلوم نہیں تھا کہ رشتے دار کیسے ہوتے ہیں۔ بھائی جان نے مجھے سمجھایا... "دیکھو بھئی گڑیا! ماں کی بہن کو خالہ، باپ کی بہن کو پھوپھی، باپ کے بھائی کو چچا اور ماں کے بھائی کو ماموں کہتے ہیں..."

"اچھا... تو یہی لوگ رشتے دار کہلواتے ہیں...؟"

"ہاں... ان سے چونکہ ماں یا باپ کی طرف سے کوئی رشتہ ہوتا ہے اس لئے انہیں رشتے دار کہتے ہیں۔"

"کیا ہماری ماما اور ہمارے پاپا کی کوئی بہن، کوئی بھائی نہیں...؟"

بھائی جان نے مجھے بہت غور سے دیکھا... پھر بولے۔

"تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"ہم سے تو یہی کہا جاتا ہے نا... ہمارا کوئی رشتے دار نہیں۔"

بھائی جان نے اپنی موٹی سی کتاب دکھا کر کہا۔ "یہ موٹی

کتاب میں پڑھتا ہوں تا اگر تم کو پڑھنے دی جائے گی تو تم اسے پڑھ سکو گی نہ سمجھ سکو گی۔"

"ہاں بھائی جان۔"

"مگر جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو یہ کتاب پڑھ بھی سکو گی اور سمجھ بھی سکو گی۔"

"لیکن آپ یہ کتابوں کی بات لے کر کیوں بیٹھ گئے.....؟"

"تمہیں یہ سمجھانے کے لیے کہ یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ جب وقت آتا ہے... اور ہاتھ پیر اور جسم کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ عقل بھی بڑھتی ہے تب وہ باتیں سمجھ میں آتی ہیں جو بچپن یا لڑکپن میں سمجھ میں نہیں آتیں۔ تم جب بڑی ہو جاؤ گی تو تمہاری سمجھ میں یہ بات آ جائے گی کہ ممی پاپا یہ بات کیوں کہتے ہیں کہ ہمارے کوئی رشتے دار نہیں۔"

اور جب میں اسکول کی تعلیم مکمل کر کے کالج میں گئی.... تو میں ننھی منی گڑیا نہیں تھی۔ مجھ میں خاصی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ جسمانی طور پر بھی اور عقل و شعور کے معاملے میں بھی.... اب مجھے یہ پتا چل گیا تھا کہ ممی پاپا یہ کیوں کہتے ہیں کہ ہمارے رشتے دار نہیں۔

مجھے تحقیق و تصدیق کرنے پر معلوم ہو گیا تھا کہ میری ممی اور پپا کے ماشاء اللہ بہت بھائی بہن ہیں اور ان کی اولادیں بھی ہیں اور بھی دور پار کے عزیز و اقارب ہیں مگر ممی پپا نے ان کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔ کیونکہ وہ لوگ ممی پپا کی طرح بڑے لوگ نہیں تھے دولت مند نہیں تھے۔ صاحب حیثیت نہیں تھے۔ میری ریسرچ کے مطابق کبھی میرے پاپا بھی ایک غریب باپ کے غریب بیٹے تھے۔ پھر ان کی شادی بھی ایک غریب باپ کی غریب بیٹی سے ہوئی.... مگر پھر یوں ہوا کہ پاپا کی حیثیت آہستہ آہستہ بدلنے لگی انہوں نے اللہ بہتر جانتا ہے نوکری کرتے ہوئے کیسے کچھ پیسے جمع کیے اور ان پیسوں سے کس طرح کاروبار شروع کیا۔ میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ بس اللہ ہی مہربان ہو گا کہ ان کا چھوٹا سا کاروبار بڑھتا گیا۔ ترقی کرتا گیا۔ اور ایک دن وہ بہت بڑے آدمی بن گئے۔ شہر کے رئیسوں میں ان کا شمار ہونے لگا۔

جیسے جیسے پاپا بڑے آدمی بنتے گئے ان کا دل ویسے ویسے چھوٹا ہوتا گیا اور ممی! ممی نے اپنے غریب رشتے داروں کو گویا چھوت کی بیماری سمجھنا شروع کر دیا۔ جو بھی ان کے گھر آتا وہ یہی سمجھتیں کہ ان سے کچھ مانگنے آیا ہے.... وہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتیں کہ وہ دوبارہ ادھر کا رخ بھی نہیں کرتا.... خود انہوں نے بھی غریب رشتے داروں سے ملنے یا ان کی طرف جانے کی کوشش نہیں کی۔ ہاں انہوں نے اپنی حیثیت اور اسٹیٹس کے لوگوں سے ناتا جوڑ رکھا تھا.... ان میں غیر زیادہ تھے۔ اپنے بہت کم تھے جو دور پار کے رشتے دار ہوتے تھے۔

مجھے اپنے والدین کی یہ باتیں اچھی نہیں لگتی تھیں۔ میرا خیال ہے میرے بڑے بھائی بہنوں کو بھی ان کی سوچ کا یہ انداز پسند نہیں تھا۔ مگر ان کی زبان سے میں نے کبھی اس بارے میں کوئی بات نہیں سنی۔ یا تو وہ ممی پاپا سے ڈرتے تھے یا پھر ان میں ہمت نہیں تھی۔ حوصلہ نہیں تھا۔ اس ضمن میں بات کرنے کا۔ ویسے تو میں نے بھی کبھی بات نہیں کی تھی۔ مگر میں نے سوچا تھا۔ جب بھی مجھے مناسب موقع ملا اس مسئلے پر ان سے بات ضرور کروں گی۔

ہم لوگ بہت ٹھاٹ باٹ کی زندگی بسر کرتے تھے مگر مجھے اپنی اس حیثیت پر غرور یا فخر نہ تھا اور نہ ہی میں اپنے سے کمتر کو حقیر سمجھتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کالج میں جن لڑکیوں سے میری دوستی تھی ان میں کئی غریب گھرانوں کی لڑکیاں بھی تھیں.... مگر میں نے کبھی ان پر اپنی امارت کا رعب نہیں جمایا۔ یا انہیں کسی بات پر احساس کمتری میں مبتلا ہونے نہیں دیا۔ اگر کبھی اپنی حیثیت کے مطابق مجھے کوئی تحفہ دیتیں تو میں اسے خوشی سے قبول کر لیتی تھی۔ اگرچہ یہ بڑی معمولی چیزیں ہوتی تھیں۔

انہی لڑکیوں میں ایک شمسہ بھی تھی۔ بڑی بھولی بھالی



.... بڑی پیاری.... اور بڑی من موہنی شکل و صورت کی لڑکی.... ایک دن اس نے مجھ سے کہا.... "روزی! کل میری سالگرہ ہے.... تم بھی آؤ نا...."

"ضرور آؤں گی۔ اور کس کس کو بلایا ہے....؟"

"اور کسی کو بھی نہیں بلایا دراصل یہ بالکل گھریلو تقریب ہے۔ صرف گھر کے لوگ ہوں گے۔"

"تو پھر مجھے کیوں بلا رہی ہو۔ تمہارے گھر والے اعتراض نہیں کریں گے؟"

"نہیں.... کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ تم نے وعدہ کر لیا ہے اس لیے تمہیں آنا پڑے گا۔"

اور میں اگلے روز اس کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گئی۔ میں دانستہ اپنی گاڑی میں نہیں گئی تھی۔ میں نے اپنی سواری کے لیے رکشے کا انتخاب کیا تھا اور تحفہ بھی بہت زیادہ قیمتی نہیں تھا۔ اس کے گھر کے تمام لوگ بڑی محبت سے ملے.... تمام لوگ بہت سیدھے سادے لباس میں تھے۔ میں خود بھی ایک عام سا.... معمولی سا سوٹ پہن کر گئی تھی کہ کسی پر میری امیری کا رعب نہ پڑے۔

سالگرہ کی تقریب جیسا کہ شمسہ نے کہا تھا بہت سادہ سی تھی۔ میرے علاوہ سارے گھر کے لوگ تھے۔ چھوٹا سا.... کم قیمت کیک تھا۔ ناشتے میں کیک کے ساتھ تھوڑے سے نمکو تھے۔ پھر چائے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ کوئی چیز بھی میرے معیار کی نہیں تھی۔ مگر نہ صرف یہ کہ میں نے اس کا اظہار نہیں کیا بلکہ بہت شوق سے انہیں کھایا۔ ذرا دیر رک کر آنے لگی تو شمسہ کی ممی بولیں۔ "اے ہے بیٹا! ابھی کہاں جا رہی ہو... کھانا کھا کر جانا۔"

"نہیں آنٹی! اب اور کچھ کھانے کی گنجائش نہیں۔"

"اوہو! تو تو اس طرح کہہ رہی ہے۔" شمسہ نے شوخی سے کہا.... "جیسے جو کچھ تھا سب تو نے ہی کھایا ہے۔"

شمسہ کی امی ہنس پڑیں۔ "ارے بھئی! میرے لیے نہ سہی.... اپنی سہیلی کے کہنے پر دو لقمے کھا لو۔"

شمسہ کی امی مجھے بڑی اچھی لگی تھیں.... میں جس وقت سے آئی تھی وہ جیسے مجھ پر نچھاور ہوئی جا رہی تھیں۔ ان کا لباس بہت سادہ تھا.... بالکل عام سے کپڑے کا... انہوں نے ذرا بھی میک اپ نہیں کیا ہوا تھا.... انہوں نے بال بھی عام طریقے سے بنا رکھا تھا۔ ان میں ذرا بھی بناوٹ یا نمائش نہیں تھی۔ ان کی عمر میری ممی سے بھی کم تھی مگر اپنے اس انداز میں بھی وہ مجھے بڑی اچھی اور پیاری لگ رہی تھیں۔

انہوں نے جب یہ کہا.... "ارے بھئی! میرے لیے نہ سہی.... اپنی سہیلی کے کہنے پر دو لقمے کھا لو....." تو میں ان سے لپٹ گئی۔ "میں شمسہ کی بچی کے کہنے پر نہیں.... اپنی آنٹی کے کہنے پر کھاؤں گی۔"

"جیتی رہو۔" انہوں نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا پھر شمسہ کو مخاطب کر کے بولیں.... "کتنی پیاری بچی ہے۔"

کھانے پر گھر کے تمام لوگ ساتھ ہی بیٹھے تھے۔" کھانے کے دوران آنٹی نے پوچھا.... "بیٹا! تمہارے ابو کا کیا نام ہے؟"

"جمشید شیرازی۔"

آنٹی نے مجھے گھور کر دیکھا.... میں ان کے اس طرح دیکھنے کو کوئی معنی نہ پہنا سکی۔ "بیٹی! تمہیں اپنے دادا کا نام یاد ہے....؟" یہ سوال شمسہ کے ابو نے کیا تھا۔

"شمشیر شیرازی۔" میں نے کہا۔ "یہ میرے دادا کا نام تھا۔"

شمسہ کے ابو نے ایک لمبی سانس لی اور آنٹی کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

کچھ دیر تک سب خاموشی سے کھاتے رہے پھر انکل نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بہت بڑے باپ کی بیٹی ہو۔"

"آپ کو کیسے پتا چلا.... میں نے تو کچھ نہیں بتایا...."

"تم نے ان کا نام بتایا نا....؟"

"جی ہاں...."

"تو نن کا نام ہی ان کی شناخت ہے۔ وہ شہر کے بڑے رئیسوں میں شمار ہوتے ہیں....."

مجھے انکل کی زبانی اپنے پاپا کی تعریف سن کر خوشی ہوئی.... مگر ذرا دیر بعد میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہی کہ ان لوگوں کے رویے میں اب پہلا سا جوش و خروش نہیں رہا.... وہ جو ان کی ہر بات میں بے پناہ خلوص تھا۔ اس میں خاصی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔ میری سمجھ میں یہی بات آئی کہ وہ اس بات سے مرعوب ہو گئے ہیں کہ میں بہت بڑے باپ کی بیٹی ہوں.... اور یہ احساس میرے لیے تکلیف دہ تھا۔

بعد میں شمسہ کے انداز میں بھی احتیاط شامل ہوگئی تھی۔ وہ بہت محتاط ہوگئی تھی۔ ہماری دوستی کے رشتے میں جو بے ساختہ پن تھا۔ وہ ختم ہو گیا تھا۔ اور یہ بات مجھے بہت بری لگ رہی تھی۔

ایک چھٹی کے دن میں اچانک شمسہ کے گھر پہنچ گئی.... مجھے اپنے درمیان دیکھ کر انہیں اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی پہلی بار ہوئی تھی.... مجھے یوں لگا جیسے میرے آنے پر وہ لوگ کچھ پریشان ہو گئے ہیں۔ میں ایک دم اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور جانے لگی۔

"ارے ارے روزی بیٹا! ابھی تو آئی ہو۔ دم بھی نہ لیا اور تم جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔"

"کیا کروں.... ایسے میں میرے لیے واپس جانا ہی بہتر ہے۔"

"کیا مطلب....؟" شمسہ فوراً پوچھ بیٹھی۔

"ایسے میں کہ آپ لوگوں کو میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی۔" میں نے آنٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میرے آتے ہی آپ لوگ بہت محتاط ہو گئیں.... جیسے.... جیسے میں کوئی...." میں نے دانستہ اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا تھا۔

"روزی بیٹا! تم نے صحیح اندازہ لگایا...." آنٹی بولیں.... "دراصل تم بہت بڑے باپ کی بیٹی ہو.... ایسے بڑے باپ کی بیٹی جو غریب لوگوں سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتا.... انہیں اگر معلوم ہو گیا کہ تم ہم جیسے غریب غربا سے ملتی ہو تو وہ ہم پر بہت ناراض ہوں گے۔ کہ تم لوگوں کو کیسے جرات ہوئی کہ ہماری اولاد سے ملو۔"

"جی ہاں.... ہمارے پاپا ایسی ہی طبیعت کے مالک ہیں۔ مگر آپ لوگوں کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی....؟ میں نے تو کبھی شمسہ سے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔"

آنٹی کچھ بولنا چاہ رہی تھیں کہ ان کے ہونٹ لرز کر رہ گئے.... وہ کچھ بول نہیں سکیں مگر ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ ٹپکنے والے آنسو بہت کچھ کہہ رہے تھے۔ میں ان کے آنسو دیکھ کر تڑپ گئی اور ان کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ "کیا بات ہے آنٹی!" میں نے روتے ہوئے کہا۔ "مجھے بتائیں.... آخر آپ میرے پاپا کے بارے میں اتنی باتیں کیسے جانتی ہیں....؟"

آنٹی نے دھیرے سے مجھے اپنے سے علیحدہ کیا.... پہلے اپنے آنچل سے میرے آنسو خشک کیے پھر اپنے آنسو پونچھے... اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں.... "بیٹا! تمہارے پاپا کی باتیں مجھے کیسے معلوم نہیں ہوں گی۔ کوئی بہن اپنے بھائی کی باتوں سے کیسے بے خبر ہو سکتی ہے....؟"

"بہن....! آپ پاپا کی بہن ہیں۔؟"

"ہاں بیٹا!" انہوں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "وہ میرے بڑے بھائی ہیں.... میں ان کی بہن ہوں.... غریب بہن...."

"بس.... بس اور کچھ بتانے کی ضرورت نہیں....." کہتے ہوئے میں دوبارہ ان سے لپٹ کر رونے لگی.... بہت دیر تک روتی رہی... آنٹی بھی برابر روئے جا رہی تھیں۔ جب روتے روتے ہم دونوں کا جی ہلکا ہوا تو میں نے ان سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "پھوپی! میں ایسی نہیں جیسے ممی پاپا ہیں۔"

"ہاں بیٹا۔" یہ تو ہمیں پہلے ہی دن معلوم ہو گیا تھا کہ تم اپنی ممی اور اپنے پاپا سے بہت مختلف ہو.... تم غریبوں سے نفرت نہیں کرتیں.... غریبوں کو تم کمتر سمجھتیں تو شمسہ کو بھی



دوست نہیں بناتیں.... بس ہمیں تو تمہارے پاپا سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں انہیں معلوم ہو گیا کہ ہم ان کی بیٹی سے مل کر ان کے اسٹیٹس کو داغدار کر رہے ہیں تو...."

"آپ فکر نہ کریں۔" میں نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔ "انہیں کبھی نہیں معلوم ہوگا۔"

"جیتی رہو بیٹا!" آنٹی نے کہا۔ "بس ہماری عزت نفس کا خیال رکھنا..... تمہارے اپنے بڑے پن کے زعم میں کسی کی عزت و آبرو کا خیال نہیں کرتے.... اس لیے ہم لوگوں نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی.... وہ خود بھی یہی چاہتے ہیں کہ ان کا کوئی غریب رشتے دار ان سے نہ ملے۔"

"آنٹی!"

"نہیں بیٹا! تم مجھے پھوپی کہو.... تمہارے منہ سے پھوپی سن کر مجھے بڑی خوشی محسوس ہوئی ہے۔"

"میں نے ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "پھوپھی! ہمارے اور بھی تو ایسے رشتے دار ہوں گے جو غریب ہیں... اور ممی پاپا نے جن سے ناتا توڑ رکھا ہے۔"

"ہاں بیٹا! کئی لوگ ہیں.... تمہارے ممی کی طرف کے بھی... اور پاپا کی طرف کے بھی۔"

"تو آپ ان سے ملوایئے نا مجھے۔"

"روزی بیٹا! یہ تو بڑا خطرناک کام ہے۔ ہم لوگ تو خیر زیادہ سے زیادہ احتیاط کریں گے لیکن دوسروں نے اگر یہ احتیاط نہیں کی تو تم سمجھ سکتی ہو بات کس قدر بگڑ جائے گی۔"

اس وقت تو میں نے زیادہ ضد نہیں کی.... مگر بعد میں آہستہ آہستہ انہیں رضامند کر لیا.... اور پھوپھی کے ذریعے ایک ایک رشتے دار کے گھر جا کر ملنے لگی۔ ان میں میری دو خالہ اور دو ماموں تھے۔ پاپا کے تین بھائی اور ایک اور بہن تھیں۔ یہ سارے لوگ ماشاء اللہ بال بچے دار تھے۔ مگر متوسط طبقے کے تھے یا بہت غریب تھے.... اس لیے ممی پاپا نے ان سے رشتہ ناتا ختم کر رکھا تھا۔ سارے لوگ مجھ سے بڑی محبت سے ملے مگر یہی کہا.... "تم ہم لوگوں سے مل کر اچھا نہیں کر رہی ہو روزی بیٹا ہمارے والدین کو معلوم ہوا تو وہ ہمیں بہت ذلیل کریں گے کہ تم لوگ ہماری بیٹی پر ڈورے ڈال کر ہم تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

میں نے انہیں یقین دلایا انشاء اللہ ایسا کبھی نہیں ہوگا.... میں اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گی کہ جن رشتے داروں سے آپ لوگوں نے رشتہ توڑ رکھا ہے میں ان سے ملتی ہوں۔"

کچھ دنوں تک میں بڑی خاموشی کے ساتھ اپنے ان عزیزوں سے ملتی رہی.... یہ لوگ اکثر میرے بھائی بہنوں کے بارے میں بھی پوچھتے تھے.... ایک دن میں نے آپی سے کہا.... "آپی آپ کا دل نہیں چاہتا کہ اپنے رشتے داروں سے ملوں.... جن کا ممی پاپا نے بائی کاٹ کر رکھا ہے؟"

آپی نے خوف زدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ "اس گھر میں رہ کر کوئی ایسی باتیں کیسے سوچ سکتا ہے۔؟ تم جانتی نہیں کہ ایسی باتوں کو یہاں بغاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے؟"

"مگر آپ تو اب اپنے گھر کی ہو گئی ہیں آپی! آپ ایسی باتوں سے خوف زدہ کیوں رہتی ہیں۔"

"ارے بھئی ممی پاپا کو ناراض بھی تو نہیں کر سکتی۔"

"تو انہیں ناراض کرنے کی کیا ضرورت ہے.... ہم اس طرح ان سے ملیں گے کہ ممی پاپا کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوگی۔"

آپی نے مجھے گھور کر دیکھا.... پھر بولیں.... "تو تو بچپن ہی سے ایسی خوف ناک باتیں سوچتی آئی ہے۔ ایسی باتوں کے چکر میں کہیں اپنے ساتھ میرا بھی کباڑا نہ کر دینا۔"

"ارے آپی! کوئی کباڑا وباڑا نہیں ہوگا۔ تم یہ بتاؤ تمہارا دل چاہتا ہے یا نہیں۔؟"

''چاہتا تو بہت ہے.... بس اپنی آنٹی انکل سے مل کر اپنی یہ پیاس بجھا لیتی ہوں جو ہمارے اپنے نہیں ہیں۔ ممی پاپا کے دوست ہیں... ان کے اسٹیٹس کے لوگ ہیں... مگر اپنے اور بیگانوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔''

''بس پھر ٹھیک ہے۔ میں آپ کو آپ کے اپنوں سے... ان سے جن سے خون کا رشتہ ہے ملواؤں گی....''

''مگر تجھے کیا پتا.... وہ کون ہیں... کہاں ہیں....؟''

''مجھے سب پتا ہے۔'' میں نے کہا .... اور پھر انہیں ساری باتیں بتادیں۔'' آپی کا اشتیاق بڑھا...''تو پھر مجھے بھی ملانا ان سے۔''

اور میں نے آپی کو ایک ایک رشتے دار کے گھر لے جا کر ملا دیا۔ سارے لوگ بہت خوش ہوئے .... دونوں خالائیں... دونوں ماموں... تینوں چچا... دونوں پھوپیاں اور ان کے بال بچے سب بڑی محبت اور چاہت سے ملے۔ مگر میں نے یہی کہا...''دیکھو بھئی! یہ ملاقات راز ہی میں رہے ورنہ تمہارے ساتھ ساتھ ہماری بھی خیریت نہیں رہے گی۔''

پھر ہم دونوں بہنوں نے باقی سارے بھائی بہنوں کو بتادیا کہ ہم ان سارے عزیزوں سے مل چکے ہیں جن کا ممی پاپا نے بائی کاٹ کر رکھا ہے۔

''یعنی وہ لوگ جو بے چارے غریب لوگ ہیں۔؟''

''ہاں وہی لوگ۔''

''تو ہمیں بھی ملاؤ نا ان سے.... وہ کیسے لوگ ہیں۔''

''بڑے اچھے لوگ .... بڑے پیارے لوگ ہیں وہ.... بس ان میں ایک ہی عیب ہے کہ وہ غریب ہیں' متوسط طبقے کے ہیں....''

ہم دونوں بہنوں نے ان سب کو ملانے کی منصوبہ بندی شروع کردی کہ انہی دنوں میرے ایک ماموں کی بیٹی کی شادی کے بارے میں معلوم ہوا۔ ہم نے پروگرام بنالیا کہ بس اسی تقریب میں خاندان کے سارے لوگ موجود ہوں گے۔ وہاں یہ ملاقات کروادی جائے گی۔

اور ایسا ہی ہوا۔ شادی کی تقریب چونکہ ماموں کے گھر پر ہی ہوئی تھی اس لیے ایک مخصوص کمرے میں ہم تمام بھائی بہنوں کو بٹھایا گیا۔ اور بڑی خاموشی کے ساتھ ایک ایک کر کے خاندان کے لوگ آ کر ہم سے ملے۔ ہمیں گلے لگا کر پیار کیا۔ دعائیں دیں.... سب بھائی بہنوں کی آنکھیں اشک بار تھیں..... سب کو اپنے خونی رشتے داروں سے مل کر بڑی مسرت ہوئی.... اپنے پھر اپنے ہوتے ہیں.... پیسے نے ہمارے درمیان خلیج پیدا کر دی تھی۔ ہمیں ایک دوسرے سے دور کر دیا تھا۔

میری طرح میرے بھائی بہنوں نے اگرچہ کھل کر کبھی اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا کہ وہ بھی اپنے رشتے داروں سے ملنا چاہتے ہیں۔ مگر جس والہانہ انداز میں وہ ان بچھڑے ہوئے لوگوں سے ملے تھے۔ اس سے ان کے دلی جذبات کا اندازہ ہوتا تھا۔

اب ہم سارے بھائی بہن ایک ایک دو دو کی ٹولی میں بھی اور اپنے طور پر تنہا بھی جب جی چاہتا ملنے لگے۔ مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ ممی پاپا کو کبھی بھنک نہ ملے خالہ ماموں پھوپھی اور چچا کے بچے جو ہماری عمروں کے تھے ان سے مل کر ہمیں اور مزہ آتا تھا۔

ہم نے کئی بار پروگرام بنایا کہ اپنی ممی اور اپنے پاپا کو بھی کسی طرح رضامند کرلیں کہ وہ اپنے عزیزوں سے ملنا جلنا شروع کردیں۔ مگر ان کے دلوں میں ان کے خلاف اتنی نفرت تھی کہ بات آگے بڑھنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی....''ایسے لوگوں سے مل کر ہمیں کیا ملے گا۔ جن کے پاس ان کی غربت کے علاوہ اور کچھ نہیں....''

اور ہم یہ سوچ کر خاموش ہو جاتے کہ جب تک ان دونوں کے سر میں امیری کا خناس باقی ہے.... یہ غریبوں کو کمتر اور حقیر سمجھتے رہیں گے.... انہیں خون کے رشتوں کی اہمیت کا احساس نہیں ہوگا۔

اور پھر کرنا خدا کا یہ ہوا کہ ایک کیس میں پاپا بہت بری طرح پھنس گئے.... ایک سابق وزیر کے ساتھ ان کا بڑا



یارانہ تھا۔ اپنے اقتدار کے دنوں میں اس وزیر باتدبیر نے بڑی الٹ پھیر کی تھی۔ مگر اپنے آپ کو بچانے کے لیے بندوق پاپا کی کندھے پر رکھ کر چلائی تھی۔ ان کی حکومت گئی۔ وزارت گئی... تو نئی آنے والی حکومت نے سابقہ لیڈروں کی پکڑ دھکڑ شروع کردی۔ وزیر موصوف بھی پکڑے گئے اور ان کے مشیر بھی یعنی پاپا بھی.... پکڑ کر بند کردیے گئے.... ممی اور بڑے بھائیوں نے بڑی بھاگ دوڑ کی.... پاپا کے بھلے وقتوں کے بڑے بڑے سرمایہ دار دوستوں سے ملے۔ اور ان کی مدد اور تعاون کی درخواست کی۔ مگر انہوں نے صاف انکار کردیا۔

''ارے بابا! تمہارے پاپا نے جب دونوں ہاتھوں سے مال بٹورا تھا تو ہمیں کانوں کان خبر ہونے نہیں دی۔ ہم ان سے کوئی حصہ تو نہیں مانگتے۔ ہم ایسے بے مروت کے لیے کیا کرسکتے ہیں....''

میرے بھائیوں نے ممی سے کہا....''دیکھا ممی! یہ ہوتی ہے بڑے لوگوں کی دوستی۔''

ممی کیا جواب دیتیں.... ان سے جہاں تک ہوسکا پاپا کی رہائی کے لیے جدوجہد کی... جس میں انہیں بس اس حد تک کامیابی ہوئی کہ ان کی رہائی بس اسی صورت میں ممکن ہے کہ ساری جائیداد اور تمام بینک بیلنس بہ حق سرکار ضبط کرلی جائے۔

پاپا اس طرح رہا تو ہوگئے مگر ہم لوگ محلوں سے نکل کر سڑکوں پر آگئے۔ چونکہ میرے دونوں بڑے بھائی بھی پاپا کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ اس لیے اب وہ بھی بے دست وپا تھے۔

پاپا نے نئے سرے سے زندگی سفر شروع کرنے کے لیے ہاتھ پیر مارنا شروع کیے۔ اپنے دولت مند دوستوں سے ملے اور اس آزمائش کے وقت میں دوستی کا حق ادا کرنے کو کہا... مگر پاپا اب ان کے دوست ہی کہاں رہے تھے۔ اب وہ ان کے اسٹیٹس کے نہیں تھے۔ اس لیے ان کی دوستی کے قابل نہیں رہے تھے۔ کئی لوگ تو پاپا سے ملے ہی نہیں.... کہلوا دیا کہ صاحب موجود نہیں ہیں۔ جو ملے انہوں نے بڑی سرد مہری کا ثبوت دیا۔ پاپا کے کچھ کہنے سننے سے پہلے ہی بولے۔

''شیرازی! تم تو جانتے ہو آج کل بزنس کی کیا پوزیشن ہے۔ اگر اچھا وقت ہوتا تو تمہارے لیے ہم دو چار دوست مل کر فنڈ جمع کردیتے۔''

پاپا کو ان حالات کا سامان کرنا پڑا تو جیسے ٹوٹ کر رہ گئے۔''سمجھ میں نہیں آتا ایسے اچھے دوست اس طرح بدل جائیں گے....!!'' پاپا مایوسی کے عالم میں کہتے۔

میرا بہت جی چاہتا کہ ان سے کہوں....''پاپا آپ کے یہ دوست بھی اس طرح بدل گئے ہیں جس طرح کبھی آپ بدل گئے تھے.... اور اپنے غریب اور بے یار و مددگار عزیزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ ان کا نہیں ان کی دولت کا قصور ہے۔'' مگر ان سے ایسی باتیں نہیں کہتی کہ انہیں اب خود ہی اس کا احساس ہوجائے گا۔

جب پاپا ہر طرف سے مایوس ہوگئے تو انہوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اب انہیں اور ان کے دونوں بڑے بیٹوں کو کہیں ملازمت کرلینی چاہیے کہ دال روٹی کا آسرا ہو اور اس چھوٹے سے تنگ و تاریک مکان کا کرایہ ادا کرسکیں کہ دونوں بھائیوں نے پاپا کے آگے ایک پوٹلی لا کر رکھ دی۔ پاپا نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔''اس میں کیا ہے؟''

''کھول کر دیکھیے۔''

انہوں نے پوٹلی کھولی تو اس کے اندر سو۔ پانچ سو اور ہزار کے نوٹ۔ پرائز بونڈ.... اور اچھے خاصے زیورات موجود تھے۔

پاپا نے خوف زدہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔'' یہ تم لوگ کہاں سے لائے؟''

''پاپا اطمینان رکھیے ہم نے چوری نہیں کی... ڈاکا نہیں ڈالا۔''

''تو پھر کہاں سے لائے یہ سب کچھ؟'' اس بار ممی بولی

تھیں۔

''ممی دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں... کچھ لوگ برے وقت میں بھی اچھے دنوں کی طرح پیش آتے ہیں۔''

یہ بہت بڑی رقم نہیں تھی۔ مگر اتنی ضرور تھی کہ اس سے نئے سرے سے بہت چھوٹے پیمانے پر کاروبار شروع کیا جاسکتا تھا۔ پاپا بولے۔ ''مجھے اپنا وہ زمانہ یاد آ گیا ہے جب میں نے اس سے بھی کم سرمائے سے اپنا کاروبار شروع کیا تھا.....''

اس وقت پاپا تنہا تھے.... مگر اب ان کے ساتھ ان کے دو جوان بیٹے بھی تھے۔ ان تینوں کی محنت شاقہ سے بہت کم عرصے میں ان کے کام میں فائدہ ہونے لگا۔ کاروبار میں وسعت اور ترقی ہونے لگی.... اور ہماری حالت تیزی سے بہتر ہونے لگی۔

اب پاپا میں یہ تبدیلی آ گئی تھی کہ بیٹوں کو بہت اہمیت دینے لگے تھے۔ ان کی باتوں کو اب رد نہیں کرتے تھے اور کبھی کبھی ممی سے بڑے فخر کے ساتھ کہتے تھے۔

''دیکھو بیٹے ایسے ہوتے ہیں.... میں تو تھک ہار کر بیٹھ گیا تھا۔ مگر انہوں نے ایسے اندھیرے میں چراغ روشن کر کے ثابت کر دیا۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کنند۔''

ممی مسکرا کر رہ جاتیں۔ کچھ کہتی نہیں۔ کیونکہ اب ان میں پہلے جیسا غرور و تکبر نہیں رہا تھا۔ حالات نے انہیں بھی بہت صابر بنا دیا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد ہمارے حالات مزید بہتر ہوئے تو بھائیوں نے کہا۔ ''اب ہمیں اپنی قیام گاہ بھی بدل لینی چاہیے۔''

''کیوں .... یہاں اس کچی آبادی میں کیا خرابی ہے....؟ یہاں کے لوگ تو بڑے اچھے اور محبت کرنے والے ہیں۔ ہمارے برے دنوں میں ہماری بڑی مدد کی انہوں نے۔''

''مگر پاپا میں نے تو ڈیفنس میں ایک مکان بھی پسند کر لیا ہے۔''

''کیا کہا ڈیفنس میں....!! ڈیفنس میں تو میں کسی حال میں بھی نہیں جاؤں گا۔''

''کیوں.... وہاں تو ہم مدتوں رہ چکے ہیں۔''

''اس کے باوجود وہاں کے لوگوں نے مجھے میرے برے وقت میں پہچاننے سے بھی انکار کر دیا.....''

''تو پھر کسی اور علاقے میں چلے چلتے ہیں.... جہاں متوسط طبقے کے لوگ رہتے ہیں جیسے ناظم آباد.... بفرزون .... وغیرہ...'' ممی نے کہا.... ''بچے اگر گھر تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو ضد نہ کریں۔''

پاپا نرم پڑ گئے.... اور بھائیوں نے بفرزون میں ایک مناسب سا مکان کرائے پر لے لیا۔

ایک دن پاپا بڑے موڈ میں تھے .... بیٹوں سے کہنے لگے .... ''ارے بھئی! اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ہمارے دن پھیر دیے.... اس کے رحم و کرم کا شکر تو میں پل پل ادا کرتا ہوں مگر کتنی غلط بات ہے کہ میں نے آج تک ان لوگوں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں کہ وہ لوگ کون تھے جو ہمارے برے وقت میں کام آئے.... کبھی ان سے ملاؤ تو بیٹے.... میں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں.....''

''مگر وہ لوگ نہیں ملنا چاہتے۔''

''کیوں.....!!'' پاپا نے حیرات سے پوچھا۔

''ان کا خیال ہے کہ اگر ان کا شکریہ ادا کر دیا گیا تو ان کی نیکی اکارت ہو جائے گی۔''

''واہ واہ کتنے اچھے لوگ ہیں .... جو غیر ہو کر بھی اتنی اپنائیت کا ثبوت دے رہے ہیں۔''

''وہ غیر نہیں ہیں پاپا! آپ کے اپنے ہیں۔''

''اپنے.....!''

''جی ہاں.... وہی اپنے جنہیں آپ لوگوں نے غریب سمجھ کر ان سے رشتے داری ختم کر لی تھی۔''

☆☆☆

# لوڈوب گئے

درد ایک لامتناہی احساس ہے یہ ایک ایسا دریا ہے جس کا بہاؤ فرد کو لمحوں میں ایک دنیا سے دوسری دنیا میں لے جاتا ہے۔ درد کے دریا کی ایک ایسی اداس کہانی جو محبت کے لازوال جذبے میں ڈوب کر ستاروں کی طرح آسمان پر چمکنے لگتی ہے۔

کوثر ضمیر

**محبت اور درد کے خوبصورت جذبوں میں گندھی داستان' جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ دے گی**

اس خوبصورت سی عمارت کی پیشانی پر لکھے ''نور ولا'' کے الفاظ روشن اجالوں میں دور سے چمک رہے تھے۔ ثمن گیٹ کے قریب رک گئی۔

تعریفی نظروں سے اس نے اس عمارت کا جائزہ لیا اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ وہ گیٹ میں داخل ہو گئی۔ اندر کی دنیا بڑی حسین تھی۔ وسیع باغ ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ ہرا ہرا سبزہ' رنگ برنگے پھول سے بھری کیاریاں اس کی تھکی تھکی آنکھوں کو فرحت بخش رہی تھیں۔

''امیروں کی یہ دنیا کتنی حسین تھی۔ لوگ دنیا میں بھی جنت بنا لیا کرتے ہیں۔ اس کے دل میں چپکے سے یہ احساس جاگا۔

اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اسے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ گیٹ پر چوکیدار بھی نہ تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ ثمن کو گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ اندر کی طرف جانے والا دروازہ بھی بند تھا۔ دیر تک وہ کال بیل بجاتی رہی لیکن کوئی بھی دروازہ کھولنے نہ آیا۔ وہ یوں ہی بند رہا۔

اللہ کیا میں یوں ہی واپس لوٹ جاؤں؟ اس کے دل نے کہا۔ طویل فاصلہ طے کر کے وہ یہاں تک پہنچی تھی۔

ڈاکٹر اظہار سے ملنا ان سے ملنا بے حد ضروری تھا۔ وہ مایوس لوٹنا نہیں چاہتی تھی لیکن اب اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔ پھر وہ وہاں ٹھہر کر کیا کرے گی؟ وہ ست قدموں سے واپس جانے لگی۔ گیٹ سے نکل کر وہ اچانک رک گئی۔

سامنے سے ڈاکٹر اظہار کی نیلی کار آرہی تھی۔ کار اس کے قریب آئی تو اس سے انتظار بھی نہ ہوا کہ وہ اس کے گیٹ کے اندر داخل ہونے تک صبر کر لیتی۔

اس کو سامنے دیکھ کر ڈرائیور نے کار روک لی اور وہ کار کے قریب پہنچ گئی۔ پچھلی نشست پر ڈاکٹر اظہار کے بجائے کوئی اور تھا۔ اجنبی سا انسان۔ وہ کچھ حیرانی اور کچھ اشتیاق سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

اور سمن بدحواس ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ شرمندگی کے احساس سے اس کے چہرے کا رنگ بدل سا گیا۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟" وہ کار سے باہر نکل آیا۔

"ڈاکٹر صاحب سے۔" سمن کے لبوں سے بمشکل نکلا۔ "اچھا پاپا سے۔" اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "کوئی مریضہ قسم کی چیز تو نہیں آپ۔"

"جی......" سمن نے حیرانی سے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ پاپا کا کلینک دوسرے پورشن میں ہے وہ اس وقت وہاں ہوں گے۔"

"مجھے ان سے ذاتی قسم کا کام تھا۔" سمن نے بتایا۔

"تو پھر آپ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ان کا انتظار کر سکتی ہیں۔" اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ جیب سے چابیاں نکال کر دروازے کا لاک کھولا۔

"ان دنوں گھر کی چابیاں میری حفاظت میں ہیں۔ کیوں کہ گھر کے سب افراد سیر و تفریح کی غرض سے باہر گئے ہیں۔" اس نے سمن کے بنا پوچھے بتایا۔

سمن سہمی سہمی اس کے ساتھ اندر آگئی۔ "آپ یہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر بور ہوں۔ میں پاپا کو آپ کی آمد کی اطلاع کیے دیتا ہوں لیکن آپ کا نام؟"

اس کا نام معلوم کرنے کا بہانہ خوبصورت تھا۔

"سمن" اس نے جھجک کر نام بتایا۔

"وہ آپ کو پہچان جائیں گے؟" اس کو پھر جستجو ہوئی۔

"جی میں ان کے ہی ہاسپٹل میں کام کرتی ہوں۔" سمن اس کے سوالات سے گھبرا گئی تھی۔

"یعنی آپ ڈاکٹر ہیں۔" اسے یقین نہ آیا اور سمن نے اس کی پریشانی پل میں دور کر دی۔

"جی نہیں میں وہاں نرس کی حیثیت سے کام کرتی ہوں۔"

"اوہ۔" وہ کچھ متاثر ہو گیا۔

"میں ان کا بیٹا ہوں احسن۔" اس نے اپنا نام بتانا ضروری سمجھا اور سمن سر ہلا کر رہ گئی۔ ویسے اسے اب کوفت سی ہونے لگی تھی۔ یوں تنہا گھر میں ایک اجنبی سے باتیں کرتے اسے خوف آنے لگا تھا۔

احسن نے شاید اس کی یہ گھبراہٹ محسوس کر لی تھی۔ وہ اسے کمرے میں بیٹھا کر چلا گیا۔ تو سمن نے اطمینان کا سانس لیا۔

اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔

وہ کمرہ ایک چھوٹی سی جنت تھی۔

گرمی کے اس تپتے موسم میں خنکی لیے اتنے خوبصورت پیارے سے صوفے، پیپر وال سے ڈھکی دیواریں اور قدموں تلے بے حد بڑھیا سا قالین۔

پورا کمرہ جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ دنیا کا بہت سا حسن اس میں یکجا تھا۔

ایسی دنیا۔ ایسی دنیا اس نے کب دیکھی تھی۔

وہ تو بہت غریب گھر کی لڑکی تھی اور سمن کو اچانک اپنا گھر یاد آگیا۔

اس کا تاریک سا گھر ایک گندے سے محلے میں تھا۔ جہاں بڑا غیر شائستہ سا ماحول تھا۔ غربت انسان کو شاید بے حس کر دیتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے کمرے۔ جن کی ٹین کی چھتیں گرمی میں تپ کر آگ برسایا کرتی تھیں اور



سردیوں میں گھر برف خانہ بن جایا کرتا تھا۔

نہ گھر میں سجاوٹ تھی اور نہ کوئی ساز و سامان لیکن صفائی ستھرائی حد درجہ تھی۔ قرینہ تھا۔ یہ سمن ہی تھی جو گھر کو چمکا کر رکھا کرتی تھی۔ ضروریات زندگی بھی ان دنوں مشکل سے پوری ہوا کرتی تھیں۔ ابا ایک دفتر میں ملازم تھے۔ جہاں صبح ساڑھے آٹھ سے شام گہری ہونے تک وہ فائلوں کے انبار کو لیے بیٹھے رہتے محنت طلب کام تھا ان کا لیکن تنخواہ حد درجے قلیل تھی۔ پریشانی اور آگے کی سوچ نے ان کو وقت سے پہلے بڑھاپے کی سرحد پر لا کھڑا کیا۔ اللہ میاں نے بڑی ہی ناانصافی کی تھی ان کے ساتھ۔ کچھ نہ دیا تھا۔ دولت شان و شوکت۔ ایک بیٹا ہی دے دیا ہوتا۔ بیٹا جس کا آسرا ہی بہت بڑا ہوتا ہے۔ ماں باپ کی امیدوں کا مرکز بہنوں کا محافظ۔

لیکن اس گھر میں صرف ایک کے بعد ایک لڑکیاں ہی آتی رہیں۔ پوری چار لڑکیاں۔ ماں باپ کے دل کا بوجھ۔ ان کے مستقبل کی فکر۔

پھر بھی خدا کی دین تھی بیٹے کا ارمان دل ہی میں رہا۔

"سمن سب سے بڑی تھی۔ حالات نے اسے وقت سے پہلے عمر سے زیادہ باشعور کر دیا تھا۔ حالات کو سمجھ کر وہ حد درجے حساس ہو گئی تھی۔ میں امی اور ابا کا سہارا بنوں گی۔ پڑھ لکھ کر قابل بن کر اس گھر کو خوشیوں سے بھر دوں گی۔

وہ بس خوابوں کی دنیا میں گم ہو جاتی۔ میں ڈاکٹر بنوں گی۔ خود کو ڈاکٹر کا تصور اس نے جانے کب سے دے رکھا تھا اور یہی لگن اس میں ہمت اور محنت کا جذبہ پیدا کیے ہوئے تھی۔

جب بھی وہ کسی ڈاکٹر کو دیکھ لیتی۔ تصور میں خود کو اس کی جگہ پاتی ایک دفعہ وہ امی کے ساتھ کسی کو دیکھنے ہسپتال گئی۔ وہاں ڈاکٹروں کو مصروف دیکھ کر سمن نے خود کو بھی اس ہی طرح طویل گیلری میں پھرتے اور اونچی اونچی سیڑھیاں طے کرتے دیکھ لیا تھا۔

اور سچ مچ اسے منزل کو پانے کے لیے محنت کی کئی طویل طویل سیڑھیاں طے کرنی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ بغیر محنت کے انسان کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ سمن نے میٹرک میں اوّل پوزیشن لی۔ وظیفہ بھی ملا۔ اس طرح سہولت ہو گئی۔ قابلیت کے بل بوتے پر اسے اچھے سے کالج میں داخلہ بھی مل گیا۔

منزل کی طرف وہ پہلا قدم بڑھا چکی تھی۔ ہر آگے بڑھنے والا قدم اسے منزل سے ہمکنار کرنے والا تھا۔

لیکن قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔

اچانک زندگی پھر ایک حادثے کا شکار ہو گئی۔ ابا اچانک بیمار پڑ گئے۔ ایسے بیمار کہ ان سے پلنگ سے اٹھا نہ گیا۔ ان پر فالج کے موذی مرض نے حملہ کیا تھا۔

زندگی اس ڈگر سے ہٹ گئی جس پر رواں دواں تھی۔ آمدنی تو بس ابا کی تنخواہ ہی تھی۔ یہ سہارا اچلا گیا تو...... تو کیا ہوگا پھر؟

امی کے چہرے پر پریشانی کی چھاپ تھی اور سمن ہر دم گم صم سی رہتی۔ رو رو کر ہر دم اس کی آنکھیں سرخ رہتی تھیں۔ پریشانیوں نے اس کی توجہ پڑھائی کی طرف سے ہٹا لی۔

اسے تو صرف ابا کی فکر تھی۔ جن کا مرض لاعلاج تھا۔ ان کی دنیا صرف ایک چارپائی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

اور پھر ان کی نوکری کا آسرا بھی جاتا رہا۔ اس دن گھر والے یوں سوگوار ہوئے کہ سچ مچ چولہا تک نہ جلا گھر میں۔ کیا ہوگا؟ کس طرح جئیں گے ہم؟ غموں کے انبار لگ گئے اور دل اب جینے کی آرزو کھو چلا تھا۔

اور پھر سمن نے اپنی تمام قوتوں کو یکجا کر کے فیصلہ کیا میں نوکری کروں گی۔

"نہیں۔" ابا چارپائی پر لیٹے لیٹے تڑپ گئے۔ امی نے آنسوؤں کو پیتے ہوئے سوچا۔ لڑکی گھر سے نکل کر اپنی آب تاب کھو دیتی ہے۔ لاکھ پاک دامن سہی۔ لیکن لوگ اس کے دامن کو بے بات میلا کر دیتے ہیں۔

اور پھر سمن کے پاس کون سی ڈگری تھی۔ کون سا تجربہ تھا جو اسے ملازمت مل جاتی۔ وہ کوئی باعزت پیشہ اختیار کرنا چاہتی تھی لیکن ہر اسکول کی دہلیز پر سے اسے ناکام ہو کر لوٹنا پڑا۔

کیا کروں؟ وہ شکستہ دل ہوگئی اور پھر اس کی سوچ نے اسے ایک نئی راہ دکھا گئی۔

وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔ یہ خواب پورا کرنا اس کے بس کی بات کہاں تھی لیکن اس کو دوسرے روپ میں یہ خواب پورا ہوتا نظر آیا۔ اس نے نرسنگ کی ٹریننگ لے لی۔ وہ نرس بن گئی۔ اس قابل ہوگئی کہ دوسروں کے دکھ درد بانٹ سکے۔

پھر اسے بڑے اچھے ہسپتال میں ملازمت مل گئی جہاں ڈاکٹر اظہار ہسپتال کے سینئر ڈاکٹر تھے۔ ہمدرد پر خلوص سے انسان جن کا سلوک اسٹاف اور مریضوں کے ساتھ بڑا اچھا تھا۔

ملازمت اختیار کرنے کے بعد وہ ایک طرح گھر سے دور ہو چلی گئی تھی۔ اکثر ڈیوٹی کی خاطر اسے رات ہسپتال میں رہنا پڑتا۔ ابا کی حالت گزرتے دنوں کے ساتھ ساتھ ابتر ہوتی جارہی تھی۔ سمن اب ان کی دیکھ بھال بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتی تھی۔ ان کے معالج ان کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے۔ سمن نے ابا کی گرتی حالت کی وجہ سے ہسپتال سے مہینے بھر کی چھٹی لے لی تھی۔

اور اب ڈاکٹر نے مشورہ دیا تھا کہ ان کو ہسپتال میں داخل کر دینا چاہیے۔ سمن ابا کو اس ہسپتال میں داخل کرانا چاہتی تھی۔ جہاں وہ ملازم تھی۔ اس طرح وہ دن رات ابا کی دیکھ بھال بھی کر سکتی تھی۔

لیکن اس کے لیے سفارش کی ضرورت تھی۔ وہ دولت مند نہ تھی جو دولت کے بل بوتے پر کمرہ حاصل کر لیتی۔

وارڈ میں مریضوں کو بمشکل اور سفارش سے داخلہ ملتا۔

کیوں کہ وہ شہر کا بہت اچھا ہسپتال تھا اور سمن نے سوچا وہ ڈاکٹر اظہار سے مل کر ابا کو ہسپتال داخل کرنے کی درخواست کرے گی۔ وہ ان کے ضرور کام آئیں گے۔

اور اب ڈاکٹر اظہار کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر وہ اپنی کہانی میں گم ہو گئی تھی کہ اسے گذرتے وقت کا احساس نہ رہا۔ ہوش آیا تو احساس ہوا۔ باہر شام کافی گہری ہو چلی ہے۔ وہ گھبرا سی گئی۔

اس کا گھر بہت دور تھا اسے جاتے جاتے رات ہو جائے گی اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ تن تنہا رات اتنی دور جا سکے۔ وہ کمرے میں تنہا تھی۔ ڈاکٹر صاحب کا بیٹا بٹھا کر شاید باہر چلا گیا تھا۔

سمن سے اب برداشت نہ ہو سکا گھبرا کر باہر آ گئی۔

احسن اسے باہر مل گیا لان میں وہ کرسی پر بیٹھا تھا۔

”اوہ۔ آپ۔ آپ گیا اب تک نہیں گئیں۔“

سمن کی آنکھوں میں بے چارگی اتر آئی۔

اور اس نے یہ کیفیت محسوس کر لی۔

”چلیے میں آپ کو ان تک پہنچا دوں۔“ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

سمن ڈرے ڈرے سے انداز میں اس کے پیچھے چل دی۔

ڈاکٹر اظہار اپنے مریضوں سے فارغ ہو چکے تھے۔

”پاپا۔ یہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔“ احسن نے ان کو سمن کی آمد کی اطلاع دی۔

”ارے تم۔“

وہ سمن کو اس وقت اپنے کلینک میں دیکھ کر حیران ہوئے۔ سمن اس وقت کافی پریشان لگ رہی تھی۔ اس کا چہرہ دلی جذبات کا ترجمان بنا ہوا تھا۔

احسن سمن کو وہاں پہنچا کر چلا گیا۔

”کیا بات ہے بیٹی؟“ ڈاکٹر اظہار کے لہجے میں ہمدردی تھی شفقت تھی انہوں نے اسے بیٹی کہا تھا۔

ان کی ہمدردی پر سمن پھوٹ پڑی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ زبان جیسے گنگ سی ہو گئی۔

”تم بہت پریشان لگ رہی ہو مجھے بتاؤ۔ میں ضرور



تمہاری مدد کروں گا۔“ یہ ان کا وعدہ تھا۔

اور سمن نے ان کو سب بتا ڈالا۔ ابا کی بیماری۔ اپنی پریشانی گھریلو حالات اور یہ بھی کہ کس طرح وہ حالات کا مقابلہ کر رہی ہے۔

ڈاکٹر اظہار اس کم سن سی لڑکی کی ہمت پر سخت حیران ہوئے اور متاثر بھی انہوں نے اس کے حوصلے کی داد دی۔ اسے تسلی دی اور ساتھ ساتھ یہ وعدہ بھی کہ وہ اس کے ابا کو کل ہی ہسپتال میں داخل کر لیں گے۔

سمن پر سکون ہو گئی۔ وہ الفاظ نہ ملے کہ جن کے ذریعے وہ ان کا شکریہ ادا کر سکتی۔ وہ وہاں سے اٹھی تو کافی حد تک دل کو سکون آ چکا تھا۔ اس کے ابا کو ہوسپٹل میں ایڈمٹ کر لیا گیا۔ اب سمن اپنی ڈیوٹی کے دوران ان کی بھی دیکھ بھال اچھی طرح کر سکتی تھی۔

لیکن ان کی گرتی ہوئی حالت اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھی۔ دن بھر وہ اداس اداس چہرہ لیے اپنے کام میں مصروف رہتی، ہر مریض کی وہ بڑی اچھی طرح دل جوئی کرتی۔ اگر کوئی مریض جانبر نہ ہو سکتا تو سمن پہروں روتی رہتی۔

ایک شام اس کی مڈبھیڑ احسن سے ہو گئی۔ وہ سمن کو فوراً پہچان گیا۔

”ہیلو۔“ وہ اس کے قریب چلا آیا۔ آج اس کا چہرہ بے حد اترا ہوا تھا۔ اس وقت وہ ڈیوٹی پر تھی۔ احسن کو دیکھ کر رک گئی۔

”آپ ڈاکٹر صاحب سے ملنے آئے ہوں گے لیکن وہ اس وقت ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کر رہے ہیں۔ آپ کو کچھ انتظار کرنا ہوگا۔“ سمن نے اسے بتایا اور بغیر اس کا جواب سنے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

اور پھر اکثر احسن سے اس کی مڈبھیڑ ہونے لگی۔ وہ کار لے کر اپنے والد کو لینے آتا تھا لیکن سمن احسن کو دیکھ کر کچھ نروس ہو جاتی۔ وہ اکثر اسے روک جو لیا کرتا تھا۔ مارے گھبراہٹ کے سمن اس کی بات کا جواب بھی نہیں دے پاتی۔

اور ان ہی دنوں ڈاکٹر اظہار نے اپنی بیٹی کی شادی کی دعوت میں پورے اسٹاف کو مدعو کیا۔

سب جا رہے تھے اور سمن کی امی کا اصرار تھا وہ بھی ضرور جائے۔ ڈاکٹر اظہار کے ان لوگوں پر بڑے احسانات تھے۔ وہ سمن کے ابا پر خصوصی توجہ دے رہے تھے۔

بجھے دل سے سمن جانے پر راضی ہو گئی۔

رنگ و بو کی محفلوں میں اسے اکتاہٹ ہوتی تھی۔ اس کا دل جو بجھ گیا تھا۔ ہر خوشی نہ جانے دل کے کون سے کونے میں جا کر دفن ہو گئی تھی۔

گلابی لباس میں اس کا چہرہ بجھا بجھا لگ رہا تھا اور لڑکیاں بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھیں لیکن سمن کی توجہ آج کل ہر چیز پر سے ہٹی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر اظہار کی خوبصورت کوٹھی۔ آج بے حد شان دار انداز سے سجی ہوئی تھی۔

مہمانوں کو ریسیو کرنے احسن گیٹ پر موجود تھا۔ سمن کو دیکھ کر چونک پڑا۔ ”آپ کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی۔“ اور سمن خاموشی سے اندر چلی آئی۔ سب اجنبی اجنبی لوگ تھے۔ امیر طبقے کی ایک سے ایک لباس میں ملبوس خواتین بنی ٹھنی لڑکیاں۔ کسی نے اس پر توجہ نہ دی۔

ڈاکٹر اظہار اس طرف آئے تو ان سب کا اپنے گھر والوں سے تعارف کروایا۔ مسز اظہار بڑی ہنس مکھ خاتون تھیں۔ سمن سے اس کے ابا کی طبیعت پوچھی۔ اس کو دلاسہ بھی دیا۔ ایک دو اور باتیں بھی کیں۔

اور سمن ان کے خلوص سے حد درجے متاثر ہو گئی۔ احسن باہر مہمانوں میں مصروف تھا۔ اس وجہ سے ان لوگوں کے قریب نہ آ سکا۔

رات گئے وہ واپس آئی تو گھر اسے پہنچانے والا احسن ہی تھا، سمن اس سے ذرا بھی متاثر نہ تھی۔

وہ ایک دولت مند باپ کا بیٹا تھا اور اس قسم کے لڑکے بس ہر لڑکی میں دلچسپی لینے لگتے ہیں اور بے وقوف لڑکیاں



Pakistanipoint Waqar Azeem

ان کو لفٹ بھی دے دیتی ہیں لیکن سمن ان لڑکیوں میں سے نہ تھی اور نہ اس کے پاس اتنا وقت تھا۔
وہ ان دنوں صرف پریشان رہا کرتی تھی۔ تین روز سے ابا کی طبیعت بے حد خراب تھی۔ ڈاکٹروں کے مایوس چہرے وہ پڑھ چکی تھی۔
اس کا دل اب کسی طرف نہ لگتا تھا۔ توجہ ہر طرف سے ہٹ کر صرف ابا کی طرف ہوگئی تھی۔
شام ڈاکٹر اظہار کے کمرے کے باہر وہ پھر احسن سے ٹکرا گئی۔ ''ہیلو۔'' وہ حسب عادت بے تکلفی سے اس سے مخاطب ہوا۔ ''ارے کیا ہوا آپ کو؟'' وہ اس کی پریشان صورت دیکھ پوچھ بیٹھا۔
''ابا کی طبیعت بہت خراب ہے۔'' سمن کی آواز بھرا سی گئی۔ وہ آنسو چھپانے کے لیے پلٹ پڑی۔
اور احسن بھی اس کے پیچھے چلتا ہوا جنرل وارڈ میں آ گیا۔ جہاں ایک بیڈ پر اس کے ابا موت و حیات کی کشمکش میں گرفتار تھے اور لوگوں نے حیرانی سے ڈاکٹر اظہار کے بیٹے کو دیکھا۔ جو پریشان چہرہ لیے سسٹر سمن کے والد کے بیڈ کے قریب کھڑا تھا۔ سمن کی امی نے احسن کو ہزار دعائیں دے ڈالیں۔ ڈاکٹر اظہار کے ان پر احسانات بہت تھے۔ وہ بہت توجہ سے اس کے ابا کا علاج کر رہے تھے۔
احسن کافی دیر وہاں رکا رہا۔ امی کو تسلی دی۔ چھوٹی بہنوں کو دلاسا دیا اور پھر وہاں سے لوٹ گیا۔
رات ابا کی زندگی کے دن پورے ہوگئے انہوں نے ان سب سے ناتہ توڑ لیا۔ ان کی زندگی میں ایک خلا پیدا ہوگیا۔ نہ پُر ہونے والا خلاء۔ سمن سب کچھ بھول گئی۔ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ابا کے غم نے دل کھول کر ستایا۔ کتنے دن تک خود کو فراموش کیے رہی۔
ہسپتال سے اس نے ایک ہفتے کی چھٹی لے لی تھی۔ اسے تو اپنا ہوش نہ تھا۔ دوسروں کی تیمارداری بھلا کیا کرتی؟
ابا کی موت کے بعد اس کے گھر ڈاکٹر اظہار ان کی بیگم اور احسن بھی آئے۔ ان کو دلاسہ دینے۔
سمن ان کے خلوص سے گنگ سی ہوگئی بھلا کون کسی کی پرواہ کرتا ہے یہ لوگ کتنے اچھے تھے۔ اس کا اظہار کرنا کا دل کر نہ پا رہا تھا۔
وقت کے ساتھ ساتھ صبر آ ہی گیا۔ وہ پھر ہسپتال جانے لگی۔ پورے گھر کی ذمہ داری اس کے ناتواں کاندھوں پر تھی۔ پھر بھی دل کو ڈھارس تو تھی کہ ابا دنیا میں موجود تھے۔
اور اب۔ اب سمن خود کو بے سہارا محسوس کرنے لگی تھی۔
اس شام وہ فارغ تھی۔ یوں بھی گرمیوں کے دن تھے۔ وہ باہر کھلی ہوا میں آ گئی۔ جہاں احسن کار لے کر ڈاکٹر اظہار کو لینے آیا تھا۔
''ارے سمن آپ اتنی کمزور ہو رہی ہیں۔ بھلا دوسروں کی تیمارداری۔ کس طرح کرتی ہوں گی آپ؟''
''یہ میری ذمہ داری ہے' اپنی ذمہ داری نبھانا میں خوب جانتی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔
''لیکن اپنا بھی تو کچھ خیال کیا کیجیے۔'' احسن کے لہجے میں کچھ اپنائیت سی تھی۔ سمن چونک پڑی۔
آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔ احسن کے چہرے پر اشتیاق پھیلا ہوا تھا۔
''آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔'' وہ اندر کی طرف چلی گئی۔
اور احسن سوچنے لگا۔
وہ لڑکی اسے کتنا غلط سمجھ رہی تھی۔ جب ہی تو اس سے کترا رہی ہے۔ اسے دیکھ کر گھبرا جاتی اور فوراً نظروں سے اُوجھل ہونے کی کوشش کرتی ہے۔
احسن اس سے سخت متاثر ہو چلا تھا۔
کچھ اس کی معصوم صورت پھر اس کی مشکلات کا اسے علم ہوا۔ تو اس سے اور متاثر ہوگیا تھا۔ کس قدر ہمت والی لڑکی ہے کس طرح حالات کا مقابلہ کرتی ہے۔
احسن جب بھی اسے دیکھتا۔ دل اس سے بات کرنے کو



چاہنے لگتا۔
وہ ایک قابل انسان تھا۔ پڑھا لکھا دولت مند باپ کا بیٹا۔ بھلا کون سی ایسی خواہش تھی جو اب تک پوری نہ ہوئی تھی اس کی؟ دولت سے انسان سب کچھ خرید سکتا ہے۔ گھومنے پھرنے کا دل چاہا تو دولت کے سہارے لوگ دنیا بھی دیکھ لیا کرتے ہیں۔ احسن نے تقریباً پوری دنیا دیکھی تھی۔ تعلیم کے حصول کے لیے وہ ایک عرصے سے بیرونی ممالک میں رہا تھا۔ کوئی ارمان دل میں نہ تھا اور اب اس کی امی اس کا گھر بسانا چاہتی تھیں۔ ایک سے ایک بڑے گھر کی اعلیٰ دولت مند خاندان کی لڑکیاں اس کے لیے موجود تھیں۔
لیکن اچانک ایک انہونی خواہش احسن کے دل میں جاگی اس غم زدہ سی لڑکی کو اپنانے کی خواہش۔
جو ایک غریب گھر کی تھی۔ غربت میں پلی بڑی تھی۔ پر اس میں اس کا کیا قصور تھا؟ شاید اس کی قسمت میں یہ لکھا تھا۔ احسن گھر جا کر بھی دیر تک سمن میں اُلجھا رہا۔ وہ کیا تھی؟ ایک نرس...... خوش شکل ضرور تھی لیکن کیا وہ اس کی شکل سے متاثر ہوا تھا؟ ''نہیں۔'' دل نے کہا۔ ایک سے ایک حسین صورت کی لڑکیاں اس کی نظروں سے گذری تھیں ان کے اپنے خاندان میں کتنے خوبصورت چہرے موجود تھے۔
اس کے اقرار پر امی اس کے لیے سچ مچ چاند کا ٹکڑا گھر لا سکتی تھیں۔ مگر وہ تو اُلجھا ہوا تھا۔ ایک بے حیثیت لڑکی کے تصور میں' جس کے غم' جس کی اداسی' احسن کے دل کو چھو گئی تھی۔ وہ جو ایک رحم دل انسان تھا۔
جس کے پاس خوشیاں نہ ہوں۔ اس کو خوشیاں دینا' انسانیت ہے۔ اس لڑکی کو میں خوشیاں دوں گا۔ مایوسی کے گہرے کنویں سے اسے میں نکالوں گا۔ اس کا سہارا بنوں گا۔ احسن کی سوچیں عمیق ہوتی گئیں اور اس نے باعزت طور پر سمن کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔
اسے بخوبی علم تھا۔ راہ میں کچھ دشواریاں ضرور آئیں گی۔ گھر والے اس کی مخالفت کریں گے لیکن میں ان کو منا لوں گا۔
کیا سمن مان جائے گی؟ یہ بھی خیال آیا۔ ''ضرور'' دل نے فوراً کہا۔
اور پھر اس نے سمن سے اس سلسلے میں بات کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔
دوسرے دن وہ پاپا کی غیر موجودگی میں ہسپتال پہنچ گیا۔ صرف سمن سے ملنے۔ لیکن وہ اس سے بے حد کتراتی تھی۔ اس کو سامنے پا کر چھپنے کی کوشش کرتی۔
اسے کیا معلوم تھا کہ انجانے میں وہ احسن کے کتنے قریب چلی گئی ہے۔ لیکن اس نے کبھی احسن کے بارے میں کچھ سوچا بھی نہ تھا' بھول کر بھی وہ اس کا خیال دل میں نہ لائی تھی۔ وہ اس کا صرف احترام ڈاکٹر اظہار کے ناتے کرتی تھی۔
وہ اس کے محسن کا بیٹا تھا۔ اس شام سمن فارغ تھی۔ رات اس کی ڈیوٹی تھی اس لیے وہ کچھ ستانے کے لیے کمرے میں آ گئی۔
اسے اطلاع ملی کہ احسن اسے بلا رہا ہے۔ کیوں؟ اس کا دل دھڑکا۔
''اونھ۔ تم نے شاید اس کو بہت لفٹ دی ہے۔ جو تم سے ملنے آتا ہے۔'' سسٹر عالیہ نے بگڑے موڈ سے اس پر الزام لگایا۔
''نہیں۔'' وہ سہم گئی۔ اس نے تو کبھی احسن سے بات بھی نہ کی تھی۔
لیکن احسن کا اس طرح آنا۔ اگر لوگوں میں مجھے بدنام کر دے تو؟ میرے پاس کچھ بھی نہ رہے گا۔ اسے احسن پر غصہ آ گیا۔ وہ کیوں اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔
آج میں اسے بتا دوں گی کہ میں اس سے ملنا پسند نہیں کرتی' وہ یہ منصوبہ بنا کر باہر نکلی۔
لان میں ٹہل ٹہل کر احسن اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ''میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' وہ بے تکلفی سے اس

سے مخاطب ہوا۔

"کیوں؟" ثمن جیسے خواب میں بولی۔

"کیوں؟ اس کا جواب تو میرے پاس بھی نہیں۔" احسن مسکرایا۔

"آپ میرا انتظار نہ کیا کریں۔" ثمن نے برہمی سے کہا۔

احسن چونک پڑا۔

"تمہیں برا لگتا ہے کیا؟"

"میرے پاس کچھ نہیں۔ صرف دکھ ہیں پریشانیاں ہیں۔" اس کی آواز بھر آ گئی۔

"ثمن میں آپ کو ان سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔" احسن نے خلوص سے کہا۔

"میں خود ان سے نجات نہیں چاہتی احسن صاحب۔"

"آپ یہاں آ گئیں تو مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کریں۔ صرف ایک نیک نامی ہی ہے میرے پاس۔ میں اپنی ذات کو آپ کی وجہ سے لوگوں کا نشانہ بنانا نہیں چاہتی۔"

"ثمن۔ میں آپ کو بدنام کرنا نہیں چاہتا۔" احسن کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "کیوں کہ آپ کو میں نے اپنی عزت بنالیا ہے ثمن۔" وہ تیزی سے مڑا۔ کار میں بیٹھا اور پل بھر میں ثمن کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

اور ثمن ساکت کھڑی رہ گئی۔ بالکل خواب کی کیفیت میں' احسن یہ کیا کہہ گیا ہے۔

اسے سماعت پر شبہ ہونے لگا۔ اندر آ کر وہ نڈھال سی ہو کر بیٹھ گئی۔ میں کم پریشان نہیں تھی۔ تم احسن مجھے اور پریشان کر گئے۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

وہ کبھی عشق اور محبت کے چکر میں نہ پڑی تھی۔ اسے فرصت کہاں تھی؟ ان فضولیات میں پڑنے کی۔ واہیات تھیں یہ سب باتیں اس کی نظر میں۔ حقیقت سے دور۔ میں احسن کو یہ احساس دلا دوں گی۔ کہ میں دل بہلانے والی شے نہیں ہوں۔ اگر اس نے مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی تو پھر میں یہ ملازمت چھوڑ دوں گی۔ یہ اس کا فیصلہ تھا۔ دوسری جانب احسن نے دل کا راز ڈھکے چھپے الفاظ میں ثمن پر عیاں کر ڈالا تھا۔ اس کو احساس تھا۔ ثمن اس کو صرف ایک شوقین مزاج انسان سمجھتی ہے۔ وہ جلد ہی کوئی اہم فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔

ان دنوں اس کی امی کی بھی یہ خواہش تھی کہ ان کا بیٹا اب گھر بسائے اور احسن نے امی کو اپنی پسند بتا ہی دی۔ ثمن کا نام اس کے لبوں پر آیا۔

تو امی حیرانی میں ڈوب گئیں۔ "کون ثمن؟" ان کو کیا پتہ تھا کہ ان کا بیٹا زندگی کا ساتھی ایک معمولی لڑکی کو چنے لگا۔

وہ جو پاپا کے ہسپتال میں کام کرتی ہے۔ احسن نے ان کی یہ پریشانی دور کردی۔

"وہ نرس۔ ایک بے حیثیت لڑکی۔ تم اس سے شادی کرو گے؟" امی کو یقین نہ آیا۔

"کیا صرف دولت مند لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے۔ غریب لڑکیوں کی نہیں ہوتی۔" احسن نے امی سے یہ سوال کیا۔

وہ لاجواب ہوگئیں۔ "انسان کو اپنی حیثیت کے مطابق گھر بھی دیکھنا چاہیے۔ جھونپڑیوں میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھے جاتے ہیں جو پورے نہیں ہوتے۔"

"محل میں رہ کر جھونپڑی کے خواب میں نے دیکھے ہیں امی۔ آپ اس کو الزام نہ دیں۔" احسن ثمن کی حمایت پر اتر آیا۔

"امی نہ مانیں۔ ان کے دل میں بہو لانے کی تمنا ضرور تھی' لیکن وہ امیر دولت مند گھرانے کی لڑکی لانا چاہتی تھیں۔

"میں نے اپنی خوشیاں ثمن سے وابستہ کی ہوئی ہیں۔ اگر آپ کو میری شادی کی خواہش ہے تو آپ کو ثمن کے گھر جانا ہوگا۔ ورنہ پھر عمر بھر میں شادی نہیں کروں گا۔"

احسن امی سے روٹھ گیا۔ وہ ثمن کے لیے کافی سنجیدہ تھا۔ امی سوچ میں پڑ گئیں۔

وہ بڑے اچھے دل کی خاتون تھیں۔ اولاد کی خوشیاں ان کو عزیز تھیں۔ پھر بھی دنیا والوں کا خوف ان کو لاحق ہوا۔ لوگ کیا کہیں گے؟ کہ بیٹے کو ایک غریب گھرانے کی لڑکی سے بیاہ دیا۔ لیکن اس میں بیٹے کی رضا شامل تھی۔

بیٹے کی ضد ڈاکٹر اظہار نے سنی تو گم صم ہو گئے۔ ان کو علم تھا۔ ثمن ایک شریف گھرانے کی مصائب میں گھری لڑکی ہے۔

"کیا غریب شرافت نہیں رکھتے۔" ان کو ذرا بھی اعتراض نہ ہوا۔ انہوں نے ذرا بھی احسن کی مخالفت نہ کی۔ بلکہ انہوں نے اپنے دلائل سے احسن کی امی کو بھی راضی کرلیا۔

اور احسن یوں خوش ہوا جیسے نہ جانے اس کیا مل گیا ہو۔ ثمن اس کے جذبات سے لاعلم تھی۔ اس شام احسن اس قدر الجھا گیا تھا کہ وہ اب تک اس بھنور میں ڈوبی ہوئی تھی کہ احسن نے ایسا کیوں کیا؟ سوچ سوچ کر وہ بیمار ہونے لگی تھی۔

اور پھر ان دنوں اس کو ہفتے بھر کی چھٹی مل گئی۔ وہ بھی سکون چاہتی تھی اور یہ سکون اس کو اپنے گھر میں ہی مل سکتا تھا۔

امی اس کا بے حد خیال کرتی تھیں۔ وہ اتنی محنت کر کے بے حد کمزور ہو چکی تھی۔ اس شام وہ دیر تک سوتی رہی۔ شام آنکھ کھلی تو طبیعت اب بھی بوجھل تھی۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ ان کے دروازے پر کار آ کر رکی ہے۔ اس کا دل دھڑک پڑا۔ فوراً احسن کا خیال دل میں آیا۔

"وہ کیوں آیا ہے میرے گھر؟ آج میں اسے مایوس لوٹا دوں گی۔" اس نے پختگی سے فیصلہ کیا۔

وہ بستر سے نکل کر دروازے کے قریب آ گئی۔ وہ احسن کو باہر کے باہر واپس بھیجنا چاہتی تھی۔

لیکن دروازے پر نمودار ہونے والا چہرہ۔ احسن کا نہیں اس کی امی کا تھا۔ ثمن حیرت میں ڈوب کر پل بھر کو ان کو فراموش کر گئی۔ وہ یہاں کیوں آئی ہیں۔ اسے معلوم نہ تھا۔ امی نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ احسن کی امی بڑے خلوص سے ملیں۔ ثمن کو گلے لگایا اور ثمن ان سے کچھ متاثر سی ہوگئی۔

"آج میں آپ سے ایک امانت لینے آئی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے ثمن کی امی سے مخاطب ہوئیں۔

ان کے چہرے پر حیرانی اُمڈ آئی۔ ایسی کون سی امانت تھی ان کے پاس اور احسن کی امی نے ان کا چہرہ پڑھ لیا۔

"آپ کی ثمن کو اپنے بیٹے کے لیے مانگنے آئی ہوں۔" انہوں نے صاف الفاظ میں بتایا۔

کیا؟ امی کا منہ کھلا رہ گیا۔

اور ثمن پھر خواب کی کیفیت میں مبتلا ہوگئی۔

"لیکن کہاں ہم اور کہاں آپ۔" امی نے دھیمے سے کہا۔

"آپ ان سوچوں ان فاصلوں کو ذہن سے نکال دیں بس ہمیں ثمن کی ضرورت ہے اور کسی کی نہیں انہوں نے جیسے التجا کی۔

اور ثمن سے وہاں نہ ٹھہرا گیا۔ وہ صحن میں آ گئی۔

غموں کے گہرے اندھیرے' جو اسے کب سے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھے۔ چھٹ گئے تھے۔ یوں اس طرح پل بھر میں بھی قسمت بدل جاتی ہے۔ وہ پر سکون تھی۔ خوشی ایک عرصے بعد اس کے دل میں سر ابھار رہی تھی۔ تمہیں اپنی منزل مل رہی ہے ثمن۔ تم اب کبھی نہ بھٹکو گی' احسن کتنا مضبوط سہارا مل رہا تھا زندگی گزارنے کا۔

ہم نے تو کبھی خواب میں بھی تمہاری تمنا نہ کی تھی۔ تم تو سچ مچ ہماری دنیا میں چلے آئے۔ اس کی راہ میں اُمید کے جھلملاتے چراغ روشن ہو گئے تھے۔

درد کے بے خواب ستاروں کو آخر نیند آ ہی گئی تھی۔

☆☆☆

# نیا وصیت نامہ

''پھر تو ہماری شادی ہوسکتی ہے۔'' جمیلہ نے پر جوش انداز میں کہا۔ پھر ایک دم جیسے اسے کچھ یاد آ گیا...... اور اس نے بڑے اداس لہجے میں کہا۔ ''مگر نہیں وکی ہماری شادی نہیں ہوسکتی....''

**حیرت اور تجسس سے بھرپور ایک سنسنی خیز تحریر**

اس نے اپنی خالہ کے قتل کی مکمل منصوبہ بندی کر لی تھی...... اس کا خیال تھا کہ اس قتل کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں...... خالہ کے قتل کے بعد ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

اس خالہ سے اس کی ماں کا دور پار کا رشتہ تھا...... خالہ جمیلہ اپنی نوجوانی کی عمر میں ایک شخص کے عشق میں مبتلا ہوگئی تھیں اور پھر وہ شخص انہیں اپنے ساتھ بھگا کر لندن لے گیا تھا۔ دراصل وہ شخص ایک طویل عرصہ سے لندن میں رہائش پذیر تھا۔ اور سال دو سال میں اپنے عزیزوں رشتہ داروں سے ملاقات کرنے کی نیت سے پاکستان آتا تھا اس بار گاؤں میں اچانک خالہ کی ملاقات وکی سے ہوگئی تھی۔ وکی اسکو بہت اچھا لگا۔ 'بر وہ وکی کو بہت اچھی لگی۔ ایک دو ملاقاتوں کے بعد دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ وکی نے ایک دن اس سے کہا جمیلہ مجھ سے شادی کرو گی؟''

''مگر تم تو انگریز ہو۔ جبکہ میں مسلمان۔ تمہارے ساتھ میری شادی کیسے ہوسکتی ہے؟''

''تم سے یہ کس نے کہہ دیا.... میں انگریز ہوں....؟''

''تمہارا نام انگریزوں جیسا نہیں؟''

''میرا نام وقار ہے۔ جو مختصر ہو کر انگلش اسٹائل میں وکی ہوگیا۔''

''پھر تو ہماری شادی ہوسکتی ہے'' جمیلہ نے پر جوش انداز میں کہا پھر ایک دم جیسے اسے کچھ یاد آ گیا...... اور اس نے بڑے اداس لہجے میں کہا۔ ''مگر نہیں وکی...... ہماری شادی نہیں ہوسکتی......''

''کیوں نہیں ہوسکتی جب کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اسی گاؤں کا رہنے والا ہوں؟''

''تم پردیسی بابو جو ہو۔ اس گاؤں کے لوگ اب پردیسی بابوؤں کو اپنی بیٹیاں نہیں بیاہتے...... شہر سے کئی پردیسی بابوؤں نے یہاں آ کر شادی کی...... اور شہر لے جا کر ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا..... اس لیے اب تمام گاؤں والے کسی پردیسی کو بیٹی نہیں دیتے۔''

''مگر میں تو تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا.... گلے میں پھندا ڈال کر مر جاؤں گا۔''

''نہیں وکی نہیں ایسا نہ کرنا.... تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے بغیر زندہ رہ جاؤں گی....؟''

''تو پھر آؤ.... یہاں سے بھاگ چلیں....''

''کہاں....؟''

''لندن.... جہاں میں رہتا ہوں۔''

''مگر....''

''اگر مگر کچھ نہیں.... ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اور جب سماج ہمیں ملنے نہیں دے گا.... تو اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں۔''

جمیلہ ان دنوں کم سن تھی.... ناسمجھ تھی.... نادان تھی.... وکی کے بہلاوے میں آ گئی۔ اور وکی اسے اپنے ساتھ بھگا کر سچ مچ لندن لے گیا۔ یہاں کرائے کا ایک چھوٹا سا فلیٹ لے کر اس میں رکھا۔ اور شادی شدہ لوگوں کی طرح دونوں زندگی بسر کرنے لگے۔ وکی اس فلیٹ میں اس کے ساتھ رہتا نہیں تھا۔ تھوڑا وقت گزار کر چلا جاتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد جمیلہ کو معلوم ہوا کہ وکی شادی شدہ اور کئی بچوں کا باپ ہے۔ اب اسے احساس ہوا کہ وہ شادی کے نام پر کیوں ٹال مٹول کرتا رہتا تھا۔ جب بھی وہ اس سے کہتی۔ ''وکی! یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا۔ تم نکاح خواں کو بلا کر نکاح کیوں نہیں پڑھوا لیتے۔'' وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال دیتا۔

اور پھر جب وکی کا دل اس سے بھر گیا تو اس نے جمیلہ کی طرف آنا جانا ہی ترک کر دیا۔ اس مشکل مرحلے میں اگر ایک شخص ڈیوڈ اسے سہارا نہیں دیتا تو جانے اس کا کیا حشر ہوتا۔ اس نے ایک سچے دوست اور ساتھی کی طرح اس کا ساتھ دیا۔ اور اسے لندن جیسے شہر میں رہنا سکھایا۔ ڈیوڈ اگرچہ اس سے عمر میں خاصا بڑا تھا۔ انگریز تھا مگر اس نے اسے دھوکے میں نہیں رکھا تھا۔ وہ جو کچھ اس کے لیے کرتا۔ اس کا معاوضہ وصول کر لیتا۔ اور جمیلہ بھی اب سمجھ گئی تھی کہ بغیر کسی فائدے کے کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ جمیلہ نے اپنے آپ کو زندہ رکھنے اور خوش حال زندگی بسر کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ بس ایک شادی نہیں کی کہ اب کسی پر اعتماد کرنے کو اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔

بہت عرصہ بعد جب وہ خاصی بوڑھی ہوگئی تو اس نے فیصلہ کیا۔ اسے مر کر اپنی مٹی میں دفن ہونا چاہیے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے وطن واپس جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لندن میں ایک بار پھر اس کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو اس کے گاؤں ہی کا تھا۔ مگر یہ اس کے لندن پہنچنے کے بہت بعد کی بات ہے۔ اس کی زبانی اسے اپنے خاندان اور عزیزوں میں سے بہت سے لوگوں کی بہت سی باتوں کا علم ہوا۔ اور جب وہ وطن لوٹی ہے تو

انہی یادداشتوں کے سہارے اس کے گھر پہنچی تھی .....اور اس سے پوچھا تھا۔ ”اصغری آپا کہاں ہیں....؟“

اس نے اپنی ماں کا نام ایک اجنبی بوڑھی خاتون کے منہ سے سن کر حیرت کا اظہار کیا۔ آپ کون ہیں۔ اور انہیں کیوں پوچھ رہی ہیں؟“

”ارے بیٹا! اصغری آپا میری بہن ہوتی ہیں۔ کیا ایک بہن کو دوسری بہن نہیں پوچھ سکتی....؟“

اس نے خاتون کو سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھا۔ پھر بولا۔ ”آپ کون ہیں۔ میرا مطلب ہے آپ کا کیا نام ہے۔ اور آپ کہاں سے آرہی ہیں۔؟“

”میرا نام جمیلہ ہے.....اور میں لندن سے آرہی ہوں۔ ایک طویل عرصہ تک وہاں رہنے کے بعد اب واپس آئی ہوں۔“

اس نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحوں کے بعد کہا۔ ”میری اماں۔ میرا مطلب ہے آپ کی اصغری آپا کا تو انتقال ہوگیا ہے۔“

”اوہ“ کہہ کر خاتون نے اپنا کلیجہ تھام لیا تھا۔ پھر جب ذرا ان کی طبیعت سنبھلی تو انہوں نے پوچھا۔ ”اور دولھا بھائی کہاں ہیں۔ میرا مطلب ہے تمہارے ابا....؟“

”انہی کے غم میں تو وہ وقت سے پہلے مرگئیں۔ وہ ایکسیڈنٹ میں انتقال کرگئے تھے۔ ان کے سال بھر بعد ہی وہ بھی ہمیں چھوڑ گئیں۔“

ان کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ انہیں خشک کرتے ہوئے کہا۔ بیٹا! تمہارا کیا نام ہے؟“

”کاظم.....کاظم حسین۔“

”اچھا بیٹا کاظم! میں چلتی ہوں۔“

”نہیں خالہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ امی ابو نہیں تو میں تو ہوں۔ آپ اتنی دور سے آرہی ہیں۔ چند روز تو یہاں ٹھہریں۔ پھر یہاں سے چلی جایئے گا۔“

خاتون ذرا ہچکچائیں..... مگر پھر گھر کے اندر داخل ہوگئیں۔ چھوٹا سا گھر تھا تھوڑا سا ساز و سامان تھا۔ مگر اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ اس گھر میں کوئی خاتون نہیں رہتی ہے۔ ذرا دیر بعد کاظم چائے اور بسکٹ لے کر آیا تو خالہ نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ”ارے بیٹا! تم نے کیوں تکلیف کی۔ کیا تمہاری کوئی بہن وغیرہ نہیں.....؟“

”دو بہنیں ہیں دلوں اپنی اپنی سسرال میں ہیں۔ وہ تو ابا نے اپنے مرنے سے پہلے ہی دونوں کو بیاہ دیا تھا۔ ورنہ پتہ نہیں کیا ہوتا۔“

”تم کیا کرتے ہو...؟“

”ایک چھوٹی سی ملازمت ہے۔“

”کیا اس میں تمہارا گزر بسر ہو جاتا ہے...؟“

”اس گھر کا کرایہ دیکر جو بچتا ہے اس سے دال دلیہ کا بندوبست ہو جاتا ہے۔“

چائے پینے کے بعد کاظم خالہ کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ یہ امی کا کمرہ تھا اب جب تک آپ یہاں ہیں اسی کمرے میں رہیں گی....“

اس کمرے کی ایک دیوار پر ایک فوٹو فریم آویزاں تھا۔ جس میں اصغری بیگم اپنے شوہر کے ساتھ نظر آرہی تھیں۔ خالہ جمیلہ تصویر کے پاس جاکر کھڑی ہوگئیں۔ وہ ایک ٹک تصویر کو دیکھے جارہی تھیں۔ پھر ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لکیر بہہ نکلی۔ پھر ان کی لرزیدہ آواز سنائی دی۔ اصغری آپا آپ نے میری واپسی کا بھی انتظار نہیں کیا۔“

کاظم کو ماں سے بہت محبت تھی۔ اسے ماں سے محبت کرنے والی اس کی ایک بہن ملی تو اس سے بھی اسے ایک عجیب طرح کا انس ہوگیا۔ کاظم نے ان کی خاطر مدارات میں کوئی کمی نہیں کی۔ کاظم کو بس ایک بات کا ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں خالہ مجھ چھڑے چھانٹ کے ساتھ رہنے پر آ کور ذلیل نہ کریں۔ مگر خالہ لندن سے آئی تھیں۔ جہاں ایسی باتیں معیوب نہیں سمجھی جاتیں۔ لہذا جلد ہی خالہ کاظم سے بہت فری ہوگئیں تھیں.....اور چند دنوں کی رفاقت کے بعد انہوں نے کاظم کو یہ تک بتادیا تھا کہ لندن کا ایک رہائشی بندہ ان کے گاؤں سے انہیں بھگا کر لندن لے گیا تھا۔ اور کسی اجنبی کے ساتھ بھاگنے والی لڑکیوں کا جو انجام ہونا چاہیے وہ میرا بھی ہوا۔ بہر حال میں اب وہاں سے واپس نہیں آسکتی تھی اسی لیے وہیں کی ہو کر رہ گئی۔ مگر اب جب موت کا فرشتہ پیچھے کھڑا دستک دے رہا ہے تو میں نے سوچا اپنی مٹی میں دفن ہونا چاہیے.... جسے چھوڑ کر میں بھاگ گئی تھی۔“

”خالہ! آپ ایسی بات کیوں کرتی ہیں۔ آپ تو بہت دلوں تک زندہ رہیں گی۔“

”جتنے دن بھی زندہ رہوں۔ دفن میں اپنی ہی مٹی میں ہونا چاہتی ہوں۔“

کچھ ہی دلوں میں خالہ بھانجے بہت مل جل گئے تھے۔ کاظم نے خالہ کی اتنی خدمت کی کہ انہیں اصغری آپا کی کا احساس نہیں ہوا۔ اور انہوں نے سوچا گاؤں جانے میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں شہر میں کچھ دن اور رک جانا چاہیے۔ یہ شہر جب برطانیہ کے گاؤں دیہات جیسا ہے تو یہاں کا دیہات کیسا ہوگا..... ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے گاؤں کا وہی نقشہ تھا جو وہ چھوڑ کر گئی تھیں۔

ایک دن باتوں باتوں میں کاظم نے خالہ کو بتایا کہ امی اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ ابو کے انتقال کے بعد اگر وہ پڑھاتی نہیں تو ہماری گزر بسر بہت دشوار ہوجاتی .... اسکول والے بہت اچھے تھے۔ انہوں نے امی کو ملازمت دیکر ہم پر بہت احسان کیا۔ ایک دن خالہ اسکول کا پتا پوچھتے پاچھتے وہاں پہنچ گئیں.... واپسی پر انہوں نے بتایا۔

”اسکول والے تو واقعی بڑے اچھے لوگ ہیں۔“

”کس اسکول کی بات کر رہی ہیں خالہ....؟“

”ارے بیٹا! جس اسکول میں تمہاری امی پڑھاتی تھیں۔“

”ہاں تو اس اسکول کے بارے میں آپ کیا کہہ رہی تھیں....؟“

”یہی کہ اسکول والے تو بہت اچھے ہیں۔ آپا اصغری کی بہت تعریف کر رہے تھے۔ مگر اسکول کی حالت بہت خراب ہے۔ میں اس اسکول کی بہتری کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔“

”کیا کرنا چاہتی ہیں....؟“

”یہ میں نے ابھی سوچا نہیں ہے۔“

”ایک دن خالہ اس کی دونوں بہنوں کے بارے میں پوچھنے لگیں۔ کاظم نے بتایا۔

”دونوں اپنی سسرال میں خوش ہیں۔“

”ان دونوں کے شوہر کیا کرتے ہیں۔“

”چھوٹی موٹی ملازم کرتے ہیں۔“

”دونوں کے بچے ہیں؟“

”ہاں خالہ۔ دونوں دو دو بچوں کی ماں ہیں۔“

”پھر تو ان کی چھوٹی موٹی ملازمت میں بڑی تنگی ترشی میں بسر ہوتی ہوگی۔؟“

”ہاں خالہ! ایسا تو ہر غریب گھرانے میں ہوتا ہے۔“

خالہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ پھر بولیں۔ ”ان بچیوں کے لیے بھی مجھے کچھ کرنا ہوگا.....کاظم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس دل ہی دل میں سوچتا رہا۔ خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے۔ ان کے دل میں ہمارا درد تو ہوگا۔ مگر پھر اس نے اپنے آپ سے کہا۔ مگر ابھی تک تو بڑی بی نے میرے بارے میں کوئی خیال آرائی نہیں کی ہے۔ اپنی محبت کا اظہار میرے ساتھ نہیں کیا ہے۔ اگرچہ میرے ساتھ رہ رہی ہیں۔ اور میرے حالات سے بخوبی واقف ہو چکی ہیں۔ بجز اس دو مہینے کے کرائے کے۔ جو انہوں نے مالک مکان کو ادا کیئے۔ وہ بھی مالک مکان ان کی موجودگی میں ایک دن ٹپک پڑا۔ اور برا بھلا کہنے لگا کہ پچھلے مہینہ بھی تم نے کرایہ نہیں دیا۔ اور یہ مہینہ بھی ختم ہونے والا ہے ابھی تک ادائیگی نہیں کی۔ اس پر بڑی بی نے اپنا بٹوہ کھول کر پیسے نکالے اور مالک مکان کے ہاتھ پر دو مہینے کے کرائے کے پیسے رکھ دیئے۔ اگرچہ میں نے بہت

روکا۔ بہت منع کیا کہ آپ ایسا نہ کریں۔ میں اگلے مہینے یک مشت تین مہینوں کا کرایہ ادا کردوں گا۔

''ارے بیٹا!'' میں نے دیئے.... یا تم دیتے ایک ہی بات ہے۔''

کاظم سوچ رہا تھا۔ سروری اور مشتری کے بارے میں تو خالہ نے جھٹ کہہ دیا تھا.... ان کے بارے میں بھی مجھے کچھ کرنا ہوگا۔ لیکن مالک مکان کی بک بک جھک جھک کے بعد بھی ان کی زبان سے ایسا کوئی کلمہ نہیں نکلا کہ تمہارے بارے میں بھی مجھے کچھ کرنا ہوگا۔

بڑی بی کاظم کے ساتھ اتنے اطمینان سے رہ رہی تھی۔ جیسے اب یہاں سے ان کے جانے کا ارادہ ہی نہ ہو.... بقول ان کے یہاں سے انہیں بہت سے کام نمٹا کر جانا ہوگا۔ وہ اکثر نکل جاتیں کبھی کبھی کاظم کو بھی ساتھ لے لیتیں۔ ایک دن کاظم سے بولیں.... ''مجھے اس شہر کے کسی اچھے وکیل کے پاس لے چلو....''

کاظم ایک مشہور ایڈوکیٹ کے پاس لے گیا۔ خالہ جمیلہ نے پہلے اپنا تعارف کرایا۔ میرا نام جمیلہ ہے میں ایک طویل مدت کے بعد لندن سے لوٹی ہوں۔ لندن میں میری جائدادیں ہیں۔ اس کے علاوہ کئی بین الاقوامی تجارتی اداروں کے شیئرز میں نے خرید رکھے ہیں.... میں چاہتی ہوں کہ آپ سے ایک وصیت نامہ لکھواؤں۔''

''ضرور لکھوایئے۔''

خالہ جمیلہ نے کچھ کاغذات... کچھ دستاویزات نکال کر ایڈوکیٹ احمد جمیل کے پاس رکھے۔ اور کہا۔ ''دیکھئے..... اس کمپنی کے منافع کا حق دار اب الوہاب سیکنڈری اسکول ہوگا.... اس تجارتی ادارہ کے شیئرز سے جو منافع آئے گا.... اب اس کی حقدار میری بھانجی سروری ہوگی.... اور اس ادارہ کا منافع میری دوسری بھانجی مشتری کو ملے گا۔''

اتنا کہہ کر بڑی بی خاموش ہوئیں۔ پھر ذرا دم لیکر بولیں..... لندن میں میرے کاروباری نگراں اور میرے دوست مسٹر ڈیوڈ ہیں۔ ان سے آپ کو رابطہ رکھنا ہوگا.... میری وصیت کی مدد سے جائداد کی فروخت کے بعد اسکے چوتھائی حصہ کے مقدار مسٹر ڈیوڈ ہوں گے۔ تین حصے میں سے ایک حصہ ایدھی سینٹر۔ ایک حصہ عمران خان کے شوکت خانم میموریل کینسر اسپتال اور ایک حصہ میں سے الوہاب اسکول اور میری دونوں بھانجیوں سروری اور مشتری کو مساوی طور پر ملے گا۔''

اتنا کہہ کر بڑی بی نے ذرا دم لیا.... پھر گویا ہوئیں۔''

وصیت نامہ کی تیاری کی فیس آپ کو اسی وقت ادا کردی جائے گی.... جب کہ لندن کی جائداد کی فروخت اور اس کی رقم کی تقسیم تک آپ کو ان سارے معاملات کی نگرانی کرنی پڑے گی۔ اس کام کی نگرانی کے عوض میں نے یہاں کی ایک تجارتی ادارے کے شیئر خریدے ہیں۔ اور میں بطور معاوضہ آپ کو دینا چاہتی ہوں... جب تک چاہیں اس کا منافع وصول کریں۔ جب چاہیں اسے بیچ دیں۔''

ایڈوکیٹ نے خالہ کی دی ہوئی اس دستاویز کا مطالعہ کیا جو شیئرز سے متعلق تھی۔ مطالعہ کے بعد ان کے چہرے سے اطمینان کا اظہار ہوا۔ انہوں نے خالہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ''ٹھیک ہے میڈم! میں آپ کی ہدایت کے مطابق آپ کا وصیت نامہ تیار کرتا ہوں۔ آپ چند دنوں کے بعد آ کر اس پر دستخط کر دیجئے گا۔''

خالہ جمیلہ نے واپسی سے پہلے ایڈوکیٹ جمیل احمد کو اپنے بٹوے سے کچھ پاؤنڈ نکال کر دیئے..... ''؟ چلیں گے یا انہیں کیش کروا کر آپ کو دوں....؟''

جمیل احمد مسکرائے۔ چلیں گے میڈم! بالکل چلیں گے۔''

اس روز بھی کاظم کے دل و دماغ پر طوفان سا گزر گیا۔ مگر اس نے منہ سے کچھ نہیں کہا۔ نہ اس کا اظہار اس نے اپنی کسی حرکت سے کیا۔ مگر اب خالہ جمیلہ کے بارے میں وہ طرح طرح کی باتیں سوچنے لگا تھا۔ کیوں نہ اس



بڑھیا کو قتل کر دیا جائے۔ آخر اس کے ہونے یا نہ ہونے سے مجھے کیا فرق پڑے گا۔ بڑی احسان فراموش ہے یہ خالہ کی بچی.... میری چھت کے نیچے رہ رہی ہے۔ میرا کھا پی رہی ہے۔ جہاں چاہتی ہے مجھے اپنے ساتھ لیے لیے پھرتی ہے۔ جیسے میں اس کے باپ دادا کا نوکر ہوں۔ میرے احسانات کا بدلہ چکانے کی بجائے.... میری بہنوں کے لئے .... ماں جس اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اس اسکول کے لئے۔ ایدھی سینٹر کے لیے۔ شوکت خانم میموریل کینسر اسپتال کے لیے بڑی بڑی رقوم کی وصیت لکھواتی پھر رہی ہے۔ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ میری لیے ایک گھر ہی کا بندوبست کر دے۔ ایک فلیٹ ہی خرید کر دے دے۔ جی تو چاہتا ہے کہ اسے دھکے دیکر نکال دوں۔ مگر نہیں اس کے لیے یہ سزا کافی نہیں ہوگی۔ اسے تو ایسی سزا دینی چاہیئے کہ.....

اور وہ خالہ جمیلہ کے قتل کا منصوبہ بنانے لگا.... دوسری طرف خالہ کا برتاؤ اس کے ساتھ بڑا مشفقانہ تھا۔ بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اس پر ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بھروسہ کرنے لگی تھیں۔ پونڈ اور ڈالر کے بڑے بڑے نوٹ اس سے کیش کروا کر منگواتیں۔ اپنی اٹیچی کی چابی اسے دیکر کہتیں۔'' بیٹا کاظم! اس کے اندر سے میری لال شال نکال لاؤ.... اسے یہیں سے ڈرائی واش کروا کر گاؤں لے جاؤں گی۔''

ان کی ایک چھوٹی سی صندوقچی تھی.... جو اکثر وہ اپنے ساتھ رکھتی تھیں۔ اس میں ان کے انتہائی ضروری کاغذات یا رقم ہوتی تھی۔ اس کا تالہ کوڈ نمبروں والا تھا۔ ایک دو بار اس کا نمبر بتا کر کاظم سے انہوں نے وہ صندوقچی بھی کھلوائی۔ اور اس میں سے اپنی ضروریات کی چیز نکلوائی.... کاظم نے وہ نمبر یاد کرلیا تھا۔ اور ایک دو بار ان کی عدم موجودگی میں بھی اسے کھول اور بند کر کے دیکھ لیا تھا۔ اور پھر جس صبح کو خالہ کی روانگی ان کے آبائی گاؤں کے لیے تھی۔ اس سے اگلی رات اس نے چپکے سے صندوقچی کھول کر اس کی نچلی تہ میں بڑی کاری گری کے ساتھ ایک چھوٹا سا ٹائم بم فٹ کر دیا تھا۔ اور اس کے بلاسٹ کا وقت وہ سیٹ کیا جو ٹرین کی روانگی کے آدھے گھنٹے بعد کا تھا۔ کیونکہ ریل کا ٹکٹ وہی لایا تھا۔ اس لیے اسے صحیح وقت کا بخوبی علم تھا..... اس کام سے فارغ ہو کر وہ رات بڑے اطمینان سے سویا تھا۔ اس خیال کے ساتھ کہ بڑی بی اپنی روانگی کے آدھے گھنٹے بعد دوران سفر.... سفر آخرت پر روانہ ہو جائیں گی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے کچھ مسافر بھی چیتھڑوں کی صورت میں بکھر جائیں گے یا کچھ زخمی ہو جائیں گے۔ مگر کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے..... گیہوں کے ساتھ گھن بھی تو پیسے جاتے ہیں۔

وہ بے خبر سو رہا تھا کہ خالہ نے اسے جگایا....'' ارے بیٹا کاظم! اٹھو! مجھے اسٹیشن نہیں پہنچانا ہے کیا....؟''

وہ ہڑبڑا کر اٹھا تھا خالہ نے ناشتہ تیار کر رکھا تھا جو ان دونوں نے ساتھ کیا۔ اور پھر تیار ہو کر اسٹیشن پہنچ گئے۔ وہ اسٹیشن پہنچے تو ٹرین روانگی کے لیے کھڑی تھی۔ کاظم نے جلد ہی مطلوبہ ڈبہ تلاش کرلیا جس میں خالہ جمیلہ کی سیٹ ریزرو کروائی گئی تھی۔ خالہ سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ ان کا بستر اور دیگر سامان ان کے برتھ کی ایک جانب رکھ دیا گیا۔ جب کہ وہ اپنی صندوقچی اپنی گود میں رکھ کر بیٹھ گئیں۔ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ کاظم نے کہا۔'' خالہ! گاؤں پہنچ کر مجھے خط تو لکھیئے گا نا....؟''

''ہاں بیٹا! خط بھی لکھوں گی اور مناسب موقع ملا تو تمہیں بلاؤں گی بھی۔''

''اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے کاظم کو احساس ہوا کہ ٹرین کی روانگی کا وقت تو ہوگیا ہے۔ مگر ریل کے چلنے کا کوئی آثار نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے خالہ سے کہا۔

''میں ذرا پوچھتا ہوں... ٹرین چلتی کیوں نہیں۔''

''ہاں بیٹا پوچھو..... یہاں کے لوگ اور ادارے آخر وقت کی پابندی کیوں نہیں کرتے....''

''ذرا دیر بعد کاظم نے آ کر بتایا.... اگلے اسٹیشن پر کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ اس لیے ٹرین ذرا تاخیر سے چلے گی۔''
''کتنی دیر کے بعد چلے گی۔؟''
''کہتے ہیں بس جلد ہی چلنے والی ہے۔''
دونوں پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ٹرین نے روانگی کے سگنل کے طور پر پہلی سیٹی بجائی.... تو کاظم نے خالہ جمیلہ کو خدا حافظ کہا۔ اور اترنے لگا تو خالہ نے آواز دے کر اسے اپنے قریب بلایا۔ ''بیٹا کاظم! تمہاری خدمت.... محبت اور حسن سلوک سے میں بہت متاثر ہوئی ہوں۔ خاص طور میں تمہارے ظرف کی جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔ صبح جب میں اٹھی تو مجھے یہ خیال آیا کہ اگرچہ کاظم بیٹے کو میری مدد یا تعاون کی ضرورت نہیں ہے۔ ہوتی تو ضرور مجھ سے کہتا۔ مگر میرا تو فرض بنتا ہے کہ جہاں میں دوسروں کے لیے اتنا کچھ کر رہی ہوں۔ وہاں اپنے بیٹے کے روشن مستقبل کے لیے کچھ کروں۔ لہذا میں نے ایک نیا وصیت نامہ تیار کیا ہے۔ جس کی رو سے تم اپنی دونوں بہنوں کے شیئر کے منافع میں آدھے آدھے کے مستحق ہو گے.... جب کہ میری لندن کی جائیداد کی فروخت کے بعد اس کا ایک مکمل حصہ تمہیں ملے گا۔ جب کہ ایک حصہ ایدھی اور شوکت خانم میموریل کینسر اسپتال کو مساوی طور پر آدھا آدھا ملے گا۔''
''اتنی دیر میں ٹرین نے دوسری سیٹی بجا کر رینگنا شروع کر دیا تھا۔ خالہ نے جلدی سے صندوقچی اٹھا کر کاظم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''وہ نیا وصیت نامہ میں نے صندوقچی کے اوپری حصے میں رکھ دیا ہے.... تم اسے لے جا کر وکیل صاحب کو کہنا پہلے والا وصیت نامہ کینسل کر کے اس وصیت نامہ کو فائنل کر دیں۔ میں نے ان کے نام بھی ایک پرچی لکھ دی ہے۔ اور ہاں اس صندوقچی میں جو پاؤنڈ ڈالر وغیرہ ہیں۔ وہ تمہاری فوری ضرورت کے لئے ہیں۔ میرے صابر و شاکر بیٹے کے لیے میرا حقیر سا تحفہ۔''
کاظم صندوقچی لیکر چلتی ہوئی ٹرین سے کودا۔ وہ سوچ رہا تھا.... یہ سب کیا ہوگیا.... کیسے ہوگیا.... آخر خالہ کو میرا خیال کیسا آ گیا.... اور انہوں نے مجھے نوازنے کے لیے نیا وصیت نامہ تحریر کر دیا.... اچانک ملنے والی خوشی کی کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ وہ اس خوشی میں ایسا بدمست ہوگیا کہ اسے کوئی اور بات یاد ہی نہیں رہی.... مگر یہ کیفیت زیادہ دیر برقرار نہیں رہی۔ اسے اچانک خیال آیا کہ اس صندوقچی میں تو اس نے ٹائم بم فٹ کر رکھا ہے.... جس کے بلاسٹ میں اب زیادہ دیر باقی نہیں ہے۔ مگر وہ اسے اس حالت میں کہیں پھینک کر اپنی جان بھی بچا نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس میں نیا وصیت نامہ تھا.... جس کی رو سے وہ جلد ہی مالا مال ہونے والا تھا۔ اس نے فوری طور پر یہ فیصلہ کیا کہ کہیں کسی تنہا گوشے میں بیٹھ کر اس صندوقچی کو کھول کر نیا وصیت نامہ اور اس کے اندر سے رقم نکال لے۔ ایسی جگہ کی تلاش میں بھی اسے کچھ وقت لگ گیا....
بہرحال جب اسنے کوڈ نمبر ملا کر تالا کھولنے کی کوشش کی تو اسے وہ نمبر یاد نہیں رہا تھا۔ جلدی میں گھبراہٹ میں وہ نمبر اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ وہ اپنی یادداشت پر زور دیکر ایک ایک نمبر آزمانے لگا۔ وقت بڑی تیزی سے گزر رہا تھا۔ اور اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس نے کوڈ نمبر کہیں لکھ کر بھی نہیں رکھا تھا۔ لکھ کر رکھتا بھی تو اسے لانے کا وقت کہاں تھا۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ نمبر بدل بدل کر آزمانے لگا۔ اور پھر ایک نمبر صحیح ثابت ہوگیا۔ کھٹاک کی آواز آئی۔ اور تالا کھل گیا۔ اور پھر اسنے جیسے ہی بے تابی کے ساتھ صندوقچی کا ڈھکن کھولا۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ اور جب ذرا دیر بعد ارد گرد کے لوگ دھماکے کی جگہ پہنچے تو وہاں کوئی جلی ہوئی چیز تھی اور نزدیک و دور گوشت کے لوتھڑے بکھرے ہوئے تھے۔

☆☆☆

# فرائض منصبی

جیک کا خیال تھا کہ وہ ہر معاملے میں خوش قسمت ہے۔ وہ اپنی پرانی فورڈ سے اترا اور اس نے کار گیرج میں کھڑی کرنے کی بجائے باہر ہی رہنے دی۔ اس لئے کہ وہ بیوی بچوں کے ساتھ رات کا شو دیکھنے کا پروگرام بنائے ہوئے تھا۔

شکیل صدیقی

**ان لوگوں کا قصہ جو غلط فہمی کا شکار ہوگئے**

وہ ایک ہفتے سے ایک قاتل کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی چالاکیوں سے بچ نکلتا تھا۔ تاہم لیفٹیننٹ جیک کو توقع تھی کہ قاتل جلد ہی ، ایک دو روز میں ان کے شکنجے میں ہوگا۔
وہ روز بہ روز اس کے گرد اپنا حلقہ تنگ کر رہے تھے۔ ابھی وہ اس کی صورت سے واقف نہیں تھے لیکن انہیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ اس وقت کس علاقے میں ہے لہذا انہوں نے علاقے کا محاصرہ کر لیا تھا اور ایک ایک گھر کی تلاشی لے رہے تھے۔
لیفٹیننٹ جیک چونکہ مسلسل کام کرنے کی وجہ سے بہت تھکا ہوا تھا اس لئے کیپٹن رابنسن نے اسے چھٹی دے دی تھی تاکہ وہ گھر جا کر تازہ دم ہو جائے اور پھر شام کو اس کے ساتھ قاتل کی تلاش میں نکل سکے۔
جیک کی بیوی اور بچی چھٹیاں گزارنے دوسرے شہر گئی ہوئی تھیں۔ کھانا وہ ہیڈ کوارٹر ہی میں کھا آیا تھا لہذا خوابگاہ میں داخل ہوتے ہی اس نے بستر پر چھلانگ لگا دی۔
تھوڑی دیر بعد وہ خوابوں کی دنیا میں پہنچ چکا تھا۔
مگر پھر دروازے پر دستک سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چونکہ کچی نیند سے جاگا تھا لہذا اسے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سویا ہی نہیں تھا۔
اس نے کسلمندی سے کروٹ بدل لی۔
مگر تھوڑی دیر بعد پھر دستک ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دروازے پر موجود شخص ہچکچا رہا ہو۔
بہرحال جیک اٹھ گیا۔ اس کا سر نیند سے بوجھل تھا اور اس کے قدم فرش پر صحیح طور پر نہیں پڑ رہے تھے۔ وہ کسی نہ کسی طرح سے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو ایک اجنبی کو اپنے سامنے کھڑا دیکھا۔
تم کون ہو۔ اس نے اپنی آنکھیں مچکا کر پوچھا۔
اچھا تو تم مجھے نہیں جانتے۔ اس نے مجھے زور دے کر پوچھا۔ پھر اس نے دروازے کی چوکھٹ پر سے جیک کا

ہاتھ یوں ہٹا دیا جیسے وہ اندر آنا چاہتا ہو۔

جیک نے ایک طرف ہوکر اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا اور غور سے اس کی صورت دیکھ کر سوچنے لگا کہ اسے اس نے کہاں دیکھا ہے۔

تم اتنی جلدی مجھے بھول گئے۔ اجنبی نے طنزیہ لہجے میں کہا پھر پھس پھس کر کے ہنسنے لگا۔

جیک نے اپنی یادداشت کے اوراق پلٹے تو اچانک اسے یاد آیا کہ اجنبی سے وہ پہلی بار کب اور کیسے ملا تھا۔

سراغرساں جیک ہر لحاظ سے خوش تھا۔ وہ پولیس کے محکمے میں دوسرے درجے پر فائز تھا۔ اس کی بیوی سلیقہ مند اور خوش اطوار تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک چھوٹی اور پیاری بچی کا باپ تھا۔

اس کی بچی کو جو شخص بھی دیکھتا بے اختیار گود میں اٹھا کر پیار کرلیتا۔

جیک کا خیال تھا کہ وہ ہر معاملے میں خوش قسمت ہے۔

وہ اپنی پرانی فورڈ سے اترا اور اس نے کار گیرج میں کھڑی کرنے کی بجائے باہر ہی رہنے دی۔ اس لئے کہ وہ بیوی بچوں کے ساتھ رات کا شو دیکھنے کا پروگرام بنائے ہوئے تھا۔

اس کا مکان ایک پہاڑی پر جھیل کے قریب واقع تھا اور وہ گزشتہ چار سال سے وہاں رہ رہا تھا۔

وہ پولیس کے محکمے میں ایک ادنٰی سے عہدے پر فائز تھا اور اسے لیفٹیننٹ بننے کے بعد کیپٹن کے عہدے تک جانا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ محکمے میں اتنی جلدی ترقی نہیں ہوتی تاہم وہ ناامید بھی نہیں تھا کیونکہ اسے اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ تھا۔

اسے یقین تھا کہ وہ ایک روز اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوگا۔

اس نے کار کا ہارن بجایا تو اس کی بیوی اور بچی دونوں دروازے میں ظاہر ہوئے۔ بیوی تو دروازے پر ہی رک گئی البتہ بچی مونا بھاگتی ہوئی آئی اور اس کی گردن میں آکر جھولنے لگی۔

اس نے بچی کو پیار کیا۔

اس کی بیوی نے دور سے کہا۔ جیک ہم لوگوں نے کھانا کھالیا ہے۔ تمہارا کھانا میز پر رکھا ہے اور مونا تم یہاں آؤ یہ اپنا ہیٹ لے لو۔

مونا جیک کے پاس سے واپس گئی اور ماں سے اپنا ہیٹ لے کر کار کی طرف جانے لگی۔ جیک نے اسے ہدایت کی کہ وہ کار کی کسی چیز کو نہ چھوئے اور خاص طور پر ہارن نہ بجائے۔

پھر وہ اندر چلا گیا۔

اس نے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھینچی اور بیٹھ گیا وہ کھانے کے لئے ڈش کی طرف ہاتھ بڑھا ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ دروازے کی طرف اٹھ گئی۔

اپنی کار اسے کہیں نظر نہیں آئی تو اسے گڑبڑ کا احساس ہوا۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے کہ مونا کو کچھ نہ ہوگیا ہو۔

وہ تیزی سے باہر بھاگا۔

جب وہ پورچ میں پہنچا تو اس نے اپنی کار سڑک پر دوڑتے دیکھی۔ چونکہ سڑک کی دونوں جانب لگے ہوئے کھمبوں کے بلب روشن تھے اس لئے تمام چیزیں واضح دکھائی دے رہی تھیں۔

اس کی فورڈ کار سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ چند لمحوں تک ننھی مونا کا ہاتھ کار کی کھڑکی سے باہر نکلا رہا پھر فوراً ہی اندر چلا گیا۔ جیک کو تھوڑی دیر تک اپنے عقب میں سینڈلوں کی کھٹ کھٹ ...... کھٹ سنائی دیتی رہی پھر وہ آواز معدوم ہوگئی جیک نے مڑ کر دیکھے بغیر اندازہ لگالیا کہ اس کی بیوی پاملیا پیچھے آرہی تھی مگر اب وہ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر بیہوش ہوگئی اور فرش پر گر پڑی ہے۔

جیک کی کار جس میں اس کی پیاری اور کومل بچی بیٹھی تھی جھیل کی طرف جارہی تھی۔ جیک نے اندازہ لگالیا تھا کہ مونا نے کار کا ہینڈ بریک ہٹادیا ہے جس کی وجہ سے کار دوڑنے لگی ہے۔ آگے ڈھلان تھی لہذا اسے نشیب میں



دوڑنے میں کوئی مزاحمت پیش نہیں آرہی ہے۔

پھر سارا منظر یکلخت جیک کی آنکھوں کے سامنے ختم ہوگیا۔ اس دہشت ناک منظر کی ہر ایک تفصیل جیک کے پردہ تصور میں محفوظ ہوچکی تھی تاہم وہ منظر غائب ہوچکا تھا۔

وہ پوری قوت سے کار کے پیچھے دوڑنے کے باوجود اس تک پہنچنے سے قاصر رہا تھا۔ پھر کار جھیل کی سمت چلی گئی۔ وہ اچانک فٹ پاتھ پر چڑھ گئی اور سامنے لگی ہوئی تین فٹ ریلنگ کو توڑتی ہوئی نیچے جاکر غائب ہوگئی۔

جیک اسی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔

اچانک اس کے پیروں کے پاس بریک آکر چیخے اور پھر کسی نے اپنی برہمی کا اظہار کیا لیکن جیک کو تو جیسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ جب وہ ریلنگ کے قریب پہنچا تو اسے پانی کی سطح پر بلبلے اٹھتے دکھائی دیئے۔

یہ وہ جگہ تھی جہاں اس کی کار ڈوبی تھی۔ اس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے جھیل میں چھلانگ لگادی۔ اس وقت اسے یاد آیا کہ وہ تیراکی سے ناواقف ہے۔ اس کے پیش نظر صرف یہی ایک خیال تھا کہ اس کی پیاری بچی اس کار میں بیٹھی ہے۔

اس نے چھلانگ غلط انداز سے لگائی تھی۔ یعنی اس کے ہاتھ آگے ہونے کے بجائے اس کا پیٹ اور چھاتی پانی کی سطح سے ٹکرائے تو سینے میں شدید درد ہوا۔

اس نے اپنی تکلیف کو کسی نہ کسی طرح سے برداشت کیا اور نیچے پہنچ گیا۔ مگر پھر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ پانی نے اسے دوبارہ اوپر اچھال دیا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ نیچے دیر تک کیسے رہا جاتا ہے۔

جب وہ اوپر آگیا تو یہ خیال پھر اذیت دینے لگا کہ اس کی کومل سی بچی پانی میں ہے اور وہ یقیناً موت کے منہ میں پہنچنے والی ہوگی۔

اس نے پھر سے پانی میں چھلانگ لگادی اور نیچے ہی نیچے چلا گیا۔ مگر پھر اس کا سانس اکھڑ گیا اور پھیپھڑوں میں پانی بھرنے لگا۔ وہ ایک بار پھر کرب و اذیت کا شکار ہوگیا۔

وہ موت سے ہمکنار ہونے والا تھا کہ دو طاقتور اور مضبوط ہاتھوں نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا اور کھینچتے ہوئے اوپر لے آئے۔

ایک اجنبی شخص نے اسے فرش پر اوندھا لٹادیا اور کمر پر دباؤ ڈالا تو اسکے معدے میں بھرا ہوا پانی باہر نکل گیا۔

جیک کا سانس تیزی سے بحال ہونے لگا۔

وہ آدمی پانی میں شرابور ہو رہا تھا مگر وہ بیحد مطمئن اور پرسکون تھا۔ اس نے گمبھیر آواز میں کہا۔ جب تمہیں تیرنا نہیں آتا تو تم نے جھیل میں چھلانگ کیوں لگائی تھی۔

اس کا لہجہ استہزائیہ اور ہتک آمیز تھا۔

وہ فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ بڑی مشکل سے سیدھا ہوا اور اس نے اٹک اٹک کر کہا۔ میری بچی ...... کار میں ...... پانی میں۔

...... اس نے اپنا مافی الضمیر ابھی نہیں کیا تھا کہ وہ اجنبی پھر غائب ہوگیا۔ جیک نے مضمحل ہوکر اپنا سر ایک طرف ڈال دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مونا کے کھانسنے کی آواز سنی۔

جیک نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

جھیل کے کنارے چند لوگ جمع ہوچکے تھے۔ ایک شخص اس کی بچی کا پیٹ دبا کر پانی نکال رہا تھا۔ مونا سانس لے رہی تھی اور اس کا تنفس بتدریج بحال ہو رہا تھا۔

اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔

دفعتہً اسے اجنبی کا خیال آیا جس نے اس کی بچی کی جان بچائی تھی۔ وہ ...... وہ کہاں گیا۔ وہ جس نے میری بچی مونا کی جان بچائی ہے۔

فوری طور پر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

دفعتہً اسے کسی کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ ٹھہرو ...... سنو ...... وہ چیخا۔

کچھ فاصلے پر ایک کار رکی ہوئی تھی اور اس کے اسٹیئرنگ پر ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس کی آواز سن کر اس نے کار روک لی۔ جیک جب کار کے قریب پہنچا تو اس نے احسان مندی سے اپنے دونوں ہاتھ کار کے دروازے کی طرف بڑھائے مگر اجنبی نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

تب جیک نے اندازہ لگالیا کہ اجنبی اپنا تعارف نہیں کرانا چاہتا اور یہ تاثر بھی نہیں ڈالنا چاہتا کہ اس نے جیک پر کوئی احسان کیا ہے۔ جیک بہرحال اس کا احسان مند تھا اس لئے اس نے اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھادیا جسے اس اجنبی نے لے لیا۔

یہ وہی اجنبی تھا۔

تت ...... تم ...... جیک ہکلایا۔

ہاں۔ میں وہی شخص ہوں جس نے تمہاری بیٹی کی کبھی جان بچائی تھی۔

مگر تم اس وقت یہاں کیسے آگئے۔

پولیس میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے اس لئے کہ میں قاتل ہوں۔ اس نے انکشاف کیا۔

اس انکشاف پر جیک اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

تو تم یہاں کیا کرنے آئے ہو۔ جانتے نہیں ہو کہ میں قانون کا محافظ ہوں اور تم جیسے کسی شخص کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کرسکتا۔

کیا میرے احسان کا بدلہ تم اس طرح چکاؤ گے۔

بکواس بند کرو اور یہاں سے بھاگ جاؤ۔

اجنبی نے مونا کی فریم شدہ تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ تمہاری بچی ہے نا۔ کتنی بڑی ہوگئی ہے۔ جیک تم کتنے خوش قسمت ہو کہ تمہیں اولاد کی محبت ملی ہے۔ تمہاری بچی تمہارے گلے میں بانہیں ڈال دیتی ہوگی۔ گود میں چڑھ کر تمہارے کپڑے خراب کردیتی ہوگی نت نئی فرمائشیں کرکے تمہیں پریشان کرتی ہوگی ......... لیکن مجھے یہ سب کچھ حاصل نہیں ہے۔

تم قاتل اور خونی ہو یہاں سے نکل جاؤ۔ وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

اجنبی کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔ تمہارے پاس سگریٹ ہوگی۔ اس نے کہا۔

جیک نے اسے سگریٹ نکال کردیا۔

جسے رابرٹ سلگا کر کش لینے لگا۔ اس کا نام رابرٹ تھا جو اس نے تھوڑی دیر بعد بتادیا۔ جیک اس اثناء میں خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے۔ رابرٹ کہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔ میں ایک ذمے دار پولیس مین ہوں۔

میں تم سے کچھ کرنے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم صرف مجھے اپنے گھر میں پناہ دے دو اور جب کوئی تلاش کرتا ہوا یہاں تک آئے تو اسے چلتا کردو۔ جب تمہارے کیپٹن اور اس کے عملے کا جوش و خروش کم ہوجائے گا اور وہ ہیجانی کیفیت سے چھٹکارا پالیں گے تو پھر میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔

لیکن تم ایک خونی ہو اور میں تمہیں پناہ نہیں دے سکتا۔

شاید تمہیں یاد نہیں رہا کہ تم میرے مقروض ہو۔ میں نے تمہاری بچی کی زندگی بچائی تھی جو اب اس عالم رنگ و بو میں سانس لے رہی ہے۔ تم مجھے مجرم سمجھ رہے ہو اور قانون کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ مجرم تو میں اس وقت بھی تھا جب میں نے تمہاری بچی کی جان بچائی تھی۔ میں نے جھیل میں چھلانگ لگانے سے پہلے اس عمل کے اچھے اور برے پہلو پر بحث نہیں کی بس چھلانگ لگادی لہذا تم میرے مقروض ہو اور تمہیں ایک زندگی لوٹانا ہے۔

کیا تم کچھ پینا چاہتے ہو۔ جیک نے ناگواری سے پوچھا۔

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلادیا۔

جیک الماری کی طرف بڑھا لیکن دماغ میں انتشار کی وجہ سے اسے یاد نہیں آسکا کہ شراب کی بوتل کہاں رکھی ہے۔



اس نے بوتل نکالی اور دو پیمانوں میں بھر کر ایک اس کی طرف بڑھادیا۔ دونوں چسکیاں لینے لگے۔

میں جانتا ہوں کہ تم دیانت دار اور سچے آدمی ہو، کسی حد تک اصول پرست بھی۔ اس لئے کہ تم میرا کچھ نہیں جانتے تھے لیکن اپنی بچی کی جان بچانے کے لئے تم نے کسی بات کی پروا نہیں کی اور جھیل میں چھلانگ لگادی۔ چونکہ تم اصول پرست ہو لہذا بے ضرر بھی ہوسکتے ہو۔

جیک نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

کیا تمہارے پاس شراب کی ایک ہی بوتل ہے۔ اچانک رابرٹ نے پوچھا۔

ہاں۔

پھر میں یہ کہوں گا کہ ہمیں زیادہ شراب نہیں پینا چاہئے۔ وہ بولا۔ اس لئے کہ حد سے زیادہ شراب سوچ کو متاثر کردیتی ہے۔ اس نے کہا اور اپنے پیمانے کی باقی شراب قالین پر انڈیل دی۔

وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ اس لئے کہ جیک زیادہ شراب پی کر جذباتی کیفیت میں مبتلا ہوجاتا تھا اور اس کیفیت میں کوئی فیصلہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔

اس نے بھی اپنی شراب کا پیمانہ الٹ دیا۔

کیا تمہارے لئے بولنا ضروری ہے۔ جیک نے چڑ کر کہا۔ تمہاری مسلسل کائیں کائیں سے میرا دماغ پریشان ہوگیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم خوابگاہ میں جاکر سوجاؤ تاکہ میں اس مسئلے پر سوچ بچار کرلوں۔

تم درست کہتے ہو۔ رابرٹ نے کہا اور تھکے تھکے سے انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کر خوابگاہ کی طرف بڑھا۔

ٹھہرو تمہارے پاس کوئی ہتھیار تو نہیں ہے۔ جیک نے سوال کیا، تو رابرٹ نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اس کی طرف بڑھادیا۔

جب وہ خوابگاہ میں چلا گیا تو جیک نے پہلے جوتے اتارنے اور اس کے بعد اسپرنگ چرچرانے کی آواز سنی۔ پھر تھوڑی دیر بعد رابرٹ نے خراٹے لینا شروع کردیئے۔

جیک کا اضطراب اب تک کم نہیں ہوا تھا۔ وہ بے چینی سے بیضوی انداز میں کمرے میں ٹہل رہا اور اپنی مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی تو جیک ٹھٹھک کر رہ گیا اس کا دل عجیب انداز سے دھڑکنے لگا۔ اس وقت کون آسکتا تھا۔

وہ دروازے پر گیا اور اس نے دروازہ کھولا تو شعبہ قتل کے دوسراغرساں کھڑے دکھائی دیے۔ ان میں سے ایک بگ تھا اور دوسرا ہرچی۔

ہیلو بگ۔ جیک نے خوابیدہ آواز میں کہا۔ جیسے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ وہ اب تک سوتا رہا ہے اور نیند سے جاگا ہے۔

رابرٹ ایک بار پھر ہمارا گھیرا توڑ کر بھاگ گیا لیفٹیننٹ۔ بگ نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔ وہ بہت چالاک قاتل ہے۔

جیک دروازے سے نہیں ہٹا اور وہ چاہتا بھی نہیں تھا کہ وہ دونوں اس کے مکان میں داخل ہوں۔ اس نے نندا سی آواز میں کہا۔ مگر وہ یہاں نہیں آیا ہے۔

بگ کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ شاید وہ اس کی توقع کررہا تھا کہ جیک اس کو اندر آنے کی دعوت دے گا۔

میں اس وقت ڈیوٹی پر بھی نہیں ہوں۔ جیک نے پھر کہا اور اپنی بات کا ردعمل بگ کے چہرے پر تلاش کرنے لگا۔

اوکے لیفٹیننٹ تو پھر تم آرام کرو۔ وہ پیچھے ہوتا ہوا بولا۔

جب وہ چلے گئے تو جیک نے دروازہ بند کیا اور اطمینان کا سانس لیا۔

اچانک خوابگاہ کا دروازہ کھلا اور رابرٹ نے پرسکون لہجے میں کہا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے اپنے ساتھیوں کو ایک اچھا سا بہانہ بنا کر رخصت کردیا۔

میں اپنے دوستوں کو دھوکا دینے کا قائل نہیں ہوں۔

گویا تم مجھ سے نہیں اپنے ضمیر سے خوفزدہ ہو۔ رابرٹ

نے اسی انداز میں کہا اور دوبارہ خوابگاہ میں چلا گیا۔

☆

رابرٹ جب صبح بیدار ہوا تو اس نے جیک کو ناشتے کی میز پر دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ لیفٹیننٹ جیک اتنی جلد ناشتہ کیوں کر رہا ہے۔

کیا یہ میرا آخری ناشتہ ہے جیک اس لئے تم جلدی کر رہے ہو۔

جیک نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا اور اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

رابرٹ بیٹھ گیا اور اس نے جیک کا گہری نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا' ۔میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم رات بھر سوئے نہیں ہو گے۔

اگر تم کافی پینا چاہتے ہو تو اپنی مدد آپ کرو۔ جیک نے اس سے کہا' ۔ کافی تیار کرنے میں مجھے محنت کرنا پڑی ہے۔

رابرٹ نے سنک کی طرف دیکھا جہاں بہت سی کافی بہہ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جیک پہلی کوشش میں کافی نہ تیار کر سکا ہو۔

جیک نے کیتلی سے اپنے لئے ایک کپ کافی انڈیل لی اور اس کے سامنے بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دونوں دوست ہوں جن کی بیویاں باہر گئی ہوئی ہوں لہذا وہ خود ناشتہ تیار کر کے کھا رہے ہوں۔

اس مکان کا کرایہ تم کتنا ادا کرتے ہو۔۔

تقریباً سو ڈالر۔

میں نے کبھی کسی جگہ اتنا قیام نہیں کیا کہ مجھے کرایہ ادا کرنا پڑے۔ رابرٹ نے کہا' ۔ تمہیں بھی اپنی رہائش گاہ تبدیل کرتے رہنا چاہئے تھی۔

جیک خاموش رہا تو رابرٹ نے کہا' ۔ ارے تم اتنے خاموش کیوں ہو۔ تمہارا چہرہ فق کیوں ہوتا جا رہا ہے۔ شاید تم نے کوئی فیصلہ کر لیا ہے۔

جیک نے اثبات میں سر ہلایا۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اندر جا کر کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ وہ تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ' رابرٹ تم اپنے ہاتھ آگے بڑھاؤ میں ہتھکڑی لگانا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں لے کر ہیڈ کوارٹر جاؤں گا۔

رابرٹ نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے تو جیک کو اس کی کلائی سے کہنی تک زخم کا ایک لمبا اور گہرا نشان دکھائی دیا۔

یہ زخم اس روز لگا تھا جب میں جھیل میں تمہاری بچی کو بچانے کے لئے کار کا شیشہ توڑ رہا تھا۔ میں تمہارا محسن ہوں جیک۔ اس نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا' ۔ کیا تم اب بھی اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کرو گے۔

جیک نے اس کی کلائی میں ہتھکڑی ڈال کر کھٹکا دبا دیا تو ہلکی سی کلک کی آواز آئی۔

تم جس کام کو کرنے کا ارادہ رکھتے ہو وہ کر نہیں سکو گے۔ رابرٹ نے کہا۔

جب وہ کچن سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئے تو جیک نے ہتھکڑی کی چابی کھڑکی سے باہر پھینک دی۔

شاید تم اپنے ضمیر سے اب بھی خوفزدہ ہو اسی لئے الٹی سیدھی حرکتیں کر رہے ہو۔

جیک خاموش رہا اور کچھ نہ بولا۔

جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو رابرٹ کو مونا کی تصویر الٹی پڑی دکھائی دی۔ ' اپنے ضمیر سے بچنے کے لئے تمہیں یہ بھی کرنا پڑا۔ اس نے کہا' ۔ تم اس کی تصویر کی طرف دیکھنے سے تو بچ گئے لیکن یہ بتاؤ کہ جب وہ جیتی جاگتی تمہارے پاس آئے گی تو تم اس کی شوخ آنکھوں سے کیسے بچو گے۔

جب وہ اسے لے کر گھر سے باہر نکلنے لگا تو رابرٹ نے کہا' ۔ تم مجھے بزدل نہ سمجھنا۔ میں رحم کی بھیک مانگنے کے لئے تمہارے سامنے روؤں گڑگڑاؤں گا نہیں۔ تمہارے سامنے آنسو نہیں بہاؤں گا۔

جیک نے دل ہی دل میں اعتراف کیا کہ اس کا مشاہدہ بہت اچھا ہے۔ اگر وہ عام مجرموں کی طرح اس کے پاؤں



پر گر جاتا اور رونے چیخنے لگتا تو وہ غصے میں اسے کھینچتا ہوا پولیس اسٹیشن لے جاتا۔ مگر اس نے اپنا احسان جتانے کے لئے ایک نیا اور منفرد راستہ اختیار کیا تھا۔

جب وہ دونوں پولیس اسٹیشن کی طرف چل رہے تھے تو رابرٹ نے کہا' ۔ جیک اس کارنامے پر تمہیں غیر معمولی شاباش ملے گی۔ ممکن ہے تمغے سے بھی نواز دیا جائے۔ تمہیں ترقی مل جائے اور تم لیفٹیننٹ سے کیپٹن بن جاؤ۔ لیکن جب بات اخلاقیات کی ہوگی تو لوگ کہیں گے کہ تم نے احسان فراموشی کی ہے۔ تم کتوں سے بھی بدتر ہو۔ اگر کسی فاقہ زدہ کتے کو کوئی کھانا کھلا دے تو وہ اسے کبھی نہیں کاٹتا اور اس کا احسان یاد رکھتا ہے۔ لیکن تم تو کتوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے۔

خاموش رہو۔ جیک حلق پھاڑ کر چیخا۔

انہوں نے سست رفتاری سے پہاڑی کی ڈھلوان سڑک طے کی اور پولیس اسٹیشن کے قریب پہنچ گئے۔ اسٹیشن کے دروازے پر سبز رنگ کا بلب روشن تھا۔ جسے دیکھ کر رابرٹ جھجک گیا' ۔ جیک اب بھی وقت ہے سوچ لو۔ اس نے کہا' ۔ ایک بار جب میں اندر پہنچ جاؤں گا تو واپس نہیں آسکوں گا ......زندہ باہر نہیں آسکوں گا۔ وہ لوگ جو قانون کے محافظ ہیں۔ مجھے مار ڈالیں گے۔ یاد کرو۔ میں نے تمہاری بچی کی زندگی بچائی تھی۔ تم میرے احسانوں کا بدلہ چکانا چاہتے ہو تو وقت ہے۔ اپنا حساب بے باق کر لو۔

جیک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گم صم چپ تھا اور خاموشی نے اس کے لبوں پر مہر ثبت کر رکھی تھی۔ اس نے ہتھکڑی والے ہاتھ کو جھٹکا دیا جیسے وہ اسے آگے بڑھانا چاہتا ہو۔

اس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے اور چہرہ پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔

تم ......تم انسان نہیں ......صرف پولیس والے ہو۔ بے حس اور بے رحم ......سفاک ......جذبات سے عاری

رابرٹ نے کہا اور بے خوفی سے پولیس اسٹیشن کی طرف بڑھنے لگا۔

پولیس اسٹیشن کی عمارت میں داخل ہو کر جیک نے ایک لمبی راہداری طے کی اور کیپٹن روجر کی ڈیسک کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

کیپٹن روجر اس وقت کسی سے ٹیلی فون پر بات کر رہا تھا۔ دو منٹ کے بعد اس نے ریسیور رکھا اور جیک کی طرف متوجہ ہوا' ۔ یس لیفٹیننٹ۔

میں مجرم کو لے آیا ہوں۔ اس نے کہا' ۔ یہ قاتل رابرٹ ہے۔

اوہ ......اوہ اس کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

مگر جیک نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ لیکن کیپٹن روجر نے یہ غیر معمولی چیز محسوس نہیں کی۔

اوہ !اس کارنامے پر تو تمہیں ترقی دی جائے گی۔ کیپٹن بولا' ۔ مجھے اس کا یقین ہے۔

لیفٹیننٹ جیک نے اپنی کیپ اتار کر اس کی میز پر رکھ دی۔ اس کے بعد بیج سینے سے کھینچا اور اسے بھی میز پر ڈال دیا۔ پھر اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالا اور کیپٹن روجر کے آگے ڈال دیا۔

یہ کیا ہے۔ کیپٹن نے حیرت سے کہا۔

میرا استعفیٰ۔

یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

کیپٹن میں ایسی ملازمت نہیں کرنا چاہتا جس میں انسان کتوں سے بدتر ہو جاتا ہے اور انسانیت کے دائرے سے خارج ہو کر صرف فرائض منصبی ادا کرتا رہ جاتا ہے۔

وہ مڑا اور پولیس اسٹیشن سے نکل گیا۔ کیپٹن روجر اسے حیرت سے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

# پروفیسر ایڈم

نہیں پہلے میں اوتھیلو کا بند سناتا ہوں۔ وہ بولا۔ جس نے میرا پرس چرایا اس نے چند سکوں کے علاوہ کیا حاصل کیا۔ میں اس کی وجہ سے غریب تو نہیں ہوا، اپنی غربت دور کرنے کے لئے خود مجھے چوری کرنا ہوگا تا کہ میں اپنی شناخت کھو بیٹھوں۔ یہ چوریوں میں سب سے بڑی چوری ہوگی۔

شکیل صدیقی

**اس ذہین شخص کی کہانی جو پروفیسر نہیں تھا**

پروفیسر ایڈم ایک عجیب شخصیت تھا۔

وہ پروفیسر نہیں تھا مگر لوگوں نے اسے کہنا شروع کر دیا تھا مخصوص وجہ سے کہ جب وہ گفتگو کرتا تو بڑے ادیبوں کے حوالے دیا کرتا تھا وہ تعلیم کی اعلیٰ ڈگریاں تو حاصل نہیں کر سکا تھا مگر اس میں تعلیم یافتہ لوگوں جیسی سمجھ تھی اور وہ لوگوں شائستہ اور سلجھے ہوئے انداز میں گفتگو کیا کرتا تھا۔

اسے اپنی گفتگو میں شیکسپئر کے حوالے دینے کا شوق تھا۔ وہ اس کی نظموں یا ڈراموں کے ٹکڑے سنا کر گفتگو کو دلچسپ بنا لیتا تھا اس کے متعلق لوگوں کا کہنا تھا کہ اگر اسے پولیس گرفتار نہ کر لیتی تو وہ اعلیٰ تعلیم ضرور حاصل کر لیتا۔

پروفیسر روگر کے بار میں پابندی سے آتا تھا شاید اس لئے کہ اسے بھی جرائم سے دلچسپی تھی۔ بار میں شہر کے تمام جرائم پیشہ جمع ہوتے تھے اور وہاں اپنے منصوبے بنایا کرتے تھے روگر چونکہ خود بھی جرم کی دنیا کا باسی تھا اس لئے لوگ اس کے سامنے اپنے منصوبے بنانے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے اور اس سے مفید مشورے بھی لے لیا کرتے تھے۔

اس روز جب پروفیسر ایڈم شراب خانے میں داخل ہوا تو اس نے گرد و پیش پر اس طرح سے نظریں دوڑائیں جیسے وہ کسی معقول آدمی کی تلاش میں ہو جسے وہ اپنے منصوبے میں شریک کر سکے۔

ڈگلس اور میری کو ایک گوشے میں بیٹھا دیکھ کر وہ ان کے قریب چلا گیا۔ وہ دونوں اس وقت سستی بیئر پی رہے تھے۔

پروفیسر ایڈم نے بھی اپنے لئے ایک بوتل بیئر منگوائی۔ روگر اس وقت انہی لوگوں کی طرف متوجہ تھا لیکن پروفیسر کو اس کی پروا نہیں تھی اس لئے کہ روگر اسے مفید مشوروں سے نوازتا تھا۔



آج کل تم لوگ کسی منصوبے پر کام تو نہیں کر رہے ہو۔ اس نے ڈگلس اور میری سے پوچھا۔

میری نے اپنے شوہر کی کمر میں کہنی ماری اور شوخی سے بولی۔ ہم لوگ آج چھوٹے موٹے کام کر رہے ہیں ویسے تمہارے پاس کوئی بڑا منصوبہ ہے تو ہم تمہارے ساتھ مل کر اس پر کام کرنے کو تیار ہیں۔

میری اور ڈگلس دونوں خوبصورت تھے۔

میری ڈیپارٹمنٹل اسٹورز میں جا کر چھوٹی موٹی چیزیں اتنی صفائی سے چرا لیتی کہ کسی کو شبہ نہیں ہوتا تھا وہ ایک دلکش عورت تھی اور لوگ اس کے جسمانی نشیب و فراز میں اتنے الجھ جاتے تھے کہ انہیں کسی اور طرف دیکھنے کی مہلت ہی نہیں ملتی تھی۔

ڈگلس بھی ایک خوبصورت آدمی تھا مگر اسے کوئی مناسب کام کاج نہیں آتا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ میرے کام آ سکتے ہو۔ پروفیسر نے مسکرا کر کہا۔

کام کیا ہے۔ ڈگلس نے پوچھا۔

میں آج کل شیکسپئر کو پڑھ رہا ہوں۔ پروفیسر نے کہا۔ اس نے سوال کا براہ راست جواب دینے سے گریز کیا۔ وہ میرا پسندیدہ شاعر ہے۔

مگر میں شیکسپئر کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ ڈگلس نے کہا۔ اس لئے کہ مجھے گھوڑ دوڑ سے دلچسپی ہے۔

میں نے گزشتہ دنوں شیکسپئر کا ایک ڈرامہ اوتھیلو پڑھا ہے اس کا ایک بند مجھے بہت کچھ کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ میں نے ایک منصوبہ بنایا ہے جو کوئی ذہین شخص ہی بنا سکتا ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ تم نے ایک ڈرامہ پڑھ کر منصوبہ بنا لیا۔ میری نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

اچھا اپنا منصوبہ سناؤ۔ ڈگلس نے کہا۔ وہ صاف گوئی سے بات کرتا تھا۔

نہیں پہلے میں اوتھیلو کا بند سناتا ہوں۔ وہ بولا۔ جس نے میرا پرس چرایا اس نے چند سکوں کے علاوہ کیا حاصل کیا۔ میں اس کی وجہ سے غریب تو نہیں ہوا، اپنی غربت دور کرنے کے لئے خود مجھے چوری کرنا ہوگا تا کہ میں اپنی شناخت کھو بیٹھوں۔ یہ چوریوں میں سب سے بڑی چوری ہوگی۔

میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔ میری نے کہا۔

ضروری نہیں کہ جو لوگ خوبصورت ہوں ان کے ذہن بھی اتنے ہی خوبصورت ہوں۔ پروفیسر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

مگر میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔ ڈگلس نے معذرت سے کہا۔

خود میں اس بات کو کئی سال میں سمجھا ہوں۔ پروفیسر بولا۔ تم اتنی جلدی کیسے سمجھ سکتے ہو۔ بہر حال تمہیں اس کا مطلب سمجھاؤں۔

ہوں۔

شیکسپئر کی اس تحریر میں دو باتیں ہیں۔ یعنی پرس اور نام ان دونوں چیزوں سے میرے ذہن میں ایک منصوبہ بن گیا ہے۔

تمہاری باتیں بہت الجھی ہوئی ہیں۔ ڈگلس نے کہا۔

ٹھہرو میں ابھی سمجھاتا ہوں روگر ایک بوتل بیئر اور بھیجنا۔ اس نے کہا روگر وہاں سے ہلنا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے ویٹر کو اشارہ کیا کہ وہ بیئر لائے۔

جب ہم کسی شخص کا پرس چراتے ہیں تو اس سے میں سے کبھی کبھار رقم نکل آتی ہے اور کبھی کچھ نہیں نکلتا۔ مگر پرس میں اس کے مالک کا نام اور پتا ضرور ہوتا ہے۔

ہاں تو پھر۔ ڈگلس بولا۔

ان دونوں چیزوں سے ہم اچھا منافع حاصل کر سکتے ہیں۔ پروفیسر مخصوص انداز میں مسکرایا۔ ہم لوگ پرس چرا کر اس پتے پر طبع آزمائی کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ میں یہاں نہیں بتا سکتا۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو۔

وہ بہت محتاط تھا اور چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

کیا میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔ میری نے پوچھا۔

ہاں ضرور اس لئے کہ ڈگلس سے زیادہ مجھے تمہاری ضرورت پڑے گی۔

وہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور روگر کو اس سی زیادہ کچھ پتا نہیں چل سکا۔ البتہ پروفیسر اور وہ لوگ ایک شکستہ اور مجہول سی کاری میں وہاں آتے جاتے رہے۔ اس کے بعد وہ لوگ بالکل ہی غائب ہوگئے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہوں نے وہ شہر ہی چھوڑ دیا ہو۔

چند ماہ بعد وہ لوگ لوٹ کر آگئے لیکن اس بار ڈگلس اور میری کے حالات بہت بدل چکے تھے ان کے جسموں پر قیمتی لباس تھا اور ہاتھوں میں قیمتی گھڑیاں اور ہیرے کی انگوٹھیاں۔ انہوں نے سستی بیئر منگوانے کے بجائے قیمتی اسکاچ طلب کی۔

شراب خانے میں آنے والے دوسرے گاہک ان کی طرف رشک اور حسد سے دیکھ رہے تھے مگر وہ ان دونوں سے کچھ معلوم نہیں کرسکتے تھے اس لئے کہ یہ شراب خانے کے اصول کے خلاف تھا۔

جہاں تک روگر کا تعلق تھا اسے اتنا ہی معلوم تھا کہ ان لوگوں کی قسمت شیکسپئر کی وجہ سے بدلی ہے۔

پروفیسر اس کے بعد دکھائی نہیں دیا میری اور ڈگلس بھی اپنی حالت پر لوٹ آئے یعنی ان کے جسموں پر وہی لباس آگیا اور انہوں نے سستی بیئر پینا شروع کردی۔

لوگوں نے جب ان سے اشاروں کنایوں میں پوچھا تو انہوں نے آہستہ آہستہ اپنی کہانی سنانا شروع کی۔ مختلف اوقات میں انہوں نے جو کہانی بیان کی اسی جوڑ کر لوگ پوری بات سمجھ گئے۔

ہوا یوں تھا کہ۔

وہ دونوں اور پروفیسر اس کھڑکھڑاتی کار میں بورگو وائل پہنچ گئے جو آبادی اور چہل پہل کے لحاظ سے بڑا تھا۔ وہاں بہت سے متمول لوگ رہتے تھے اس لئے خاصی رونق تھی۔

ان تینوں نے اپنے نام تبدیل کر کے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا۔ وہ چونکہ اپنے کاموں میں ماہر تھے لہٰذا انہیں کسی سے کچھ پوچھنے او رمشورہ لینے کی ضرورت نہیں تھی۔

اتوار کے دن پروفیسر نے اپنی کار نکالی اور بازار کا جائزہ لینے لگا اس کی نظریں کسی اچھے سے ڈیپارٹمنٹل اسٹور کو تلاش کر رہی تھیں تا کہ وہاں آ کر کام کیا جا سکے۔

بالآخر انہیں ایک اچھا ڈیپارٹمنٹل اسٹور نظر آ گیا تو وہ واپس آ گئے پروفیسر کا کہنا تھا کہ آج کا کام ختم ہوگیا۔

پیر کے روز وہ مستعد ہوگئے۔

میری اور ڈگلس اس روز ڈیپارٹمنٹل اسٹور کی طرف روانہ ہوگئے جب کہ پروفیسر آرام کرتا رہا۔ منصوبے کے دوسرے حصے میں اسے مستعد ہونا تھا پھر اس کے ساتھی آرام کرتے۔

میری کے جسم پر ایک خوبصورت اور دلکش سا لباس تھا وہ اپنا پرس جھلاتی ہوئی پاؤڈر روم کی طرف چلی گئی۔ قریب ہی ایک بکسٹال تھا اس کی نظریں بظاہر کتابوں اور رسالوں پر جمی ہوئی تھیں لیکن وہ ان خواتین کا جائزہ لے رہی تھی جو پاؤڈر روم میں اپنا میک اپ درست کرنے جا رہی تھیں۔

ڈگلس کے جسم پر ایک قیمتی لباس تھا اور وہ کسی گاہک کے سے انداز میں ٹہل رہا تھا اور چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

بالآخر تقریباً گیارہ بجے میری کو ایک دولت مند اور شاندار عورت نظر آ گئی جس کے جسم پر لباس فاخرہ تھا وہ پروفیسر کے منصوبے کے مطابق شکار کی جا سکتی تھی۔ وہ عورت پروقار انداز میں چلتی ہوئی پاؤڈر روم میں داخل ہوگئی۔ میری نے دیکھ لیا تھا کہ اس عورت کے پاس ایک وزنی اور شاندار سا پرس ہے۔

وہ پرس چمڑے کا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ باہر کے ملک کا بنا ہے۔ میری اس کے تعاقب میں پاؤڈر روم میں چلی گئی۔

پاؤڈر روم ایک اچھے خاصے ہال پر مشتمل تھا۔ جہاں چاروں طرف دیواروں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پارٹیشن بنے ہوئے تھے۔ وہ پارٹیشن گتے کی دیواروں کو کھڑے کر کے بنائے گئے تھے۔ مگر دیواریں فرش اور چھت سے ملی ہوئی نہیں تھی بلکہ نیچے خلا تھا۔

اس عورت نے ایک پارٹیشن میں جا کر دروازہ بند کر لیا تھا میری اس کے برابر والے پارٹیشن میں چلی گئی اتفاق سے وہ اس وقت خالی تھی اس عورت نے اپنا پرس فرش پر ڈال دیا تھا اور میک اپ درست کرنے میں مصروف ہوگئی تھی۔

میری نے جھک کر پارٹیشن میں ہاتھ ڈال تو اس کی انگلیاں عورت کے پرس سے ٹکرائیں اس نے آہستہ سے اسے اپنی جانب کھینچ لیا۔

پھر وہ تیزی سے کھڑی ہوگئی اور اس پارٹیشن سی نکل آئی وہ جانتی تھی کہ جب عورت اپنے پرس کی طرف متوجہ ہوگی تو اسے پرس نہیں ملے گا اس وقت وہ ہنگامہ مچا دے گی۔

لہٰذا اس نے تیز تیز قدم اٹھائے اور ہال سے باہر نکل آئی لیکن وہاں پہنچ کر اس نے اپنی رفتار سست کردی تا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں۔

وہ کسی معزز عورت کی طرف پروقار انداز میں چلتی ہوئی ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے نکلی اور پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

وہاں وہ کھٹارہ کار کھڑی تھی اس نے دروازہ کھولا اور اس میں بیٹھ گئی اب اسے اپنے شوہر ڈگلس کا انتظار تھا جو ایک گاہک کے انداز میں ٹہل رہا تھا۔

ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں اس وقت ہجوم تھا۔

توقع کے مطابق وہ عورت چنگھاڑتی ہوئی پاؤڈر روم سی نکلی اور اس نے واویلا کرنا شروع کردیا۔ ڈگلس نے منصوبے کے مطابق بڑھ کر اس سے ماجرا دریافت کیا پھر اس عورت کو مشورہ دیا کہ وہ پولیس میں رپورٹ درج کرا دے۔

اس نے نہ صرف یہ کہ مشورہ ہی دیا بلکہ عورت کو ساتھ لے کر مینیجر کے کمرے میں گیا اور اس نے اسے حقیقت حال سے بھی آگاہ کیا۔

مینیجر نے پولیس کو فون کردیا۔

اس موقع پر ڈگلس نے وہاں سے کھسک لینا مناسب سمجھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔ پھر وہ پارکنگ لاٹ میں گیا اور اس نے کار اسٹارٹ کی اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہوٹل کے سامنے کار روک رہا تھا۔

جب وہ ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئے تو پروفیسر سو کر اٹھ چکا تھا اس نے ان دونوں کے چہروں پر مسرت دیکھ کر پوچھا۔ تم لوگوں نے اپنا کام کر ڈالا۔

ہاں پروفیسر۔

اچھا تو پھر پرس کھول کی کیش گنو۔ اس نے حکم دیا۔

میری نے پرس کھول کر کیش گنا اس میں دو ہزار ڈالر تھے۔ دو ہزار ڈالر ہیں۔ اس نے پروفیسر کو بتایا۔

یہ تو کوئی خاص رقم نہیں ہے۔ پروفیسر نے مایوسی سے کہا۔ اور کوئی خاص چیز۔

ایک ڈرائیونگ لائسنس ہے۔ میری نے کہا اور پھر اس پر لکھا ہوا نام پڑھا مسز والکنس الیگزینڈر جونیئر۔

نام سے ایسا لگتا ہے کہ اس کا خاندان اونچا ہے۔ پروفیسر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ اس پر کیا پتا لکھا ہے۔

218 ریو سائیڈ بورگر وائل۔

پروفیسر نے بورگر وائل کا نقشہ نکالا اور اپنی سامنے پھیلا دیا۔ وہ نقشہ اس نے بازار سے ایک روز پہلے ہی خریدا تھا۔ اس نے نقشے پر انگلی رکھی اور اسے حرکت دینے کے بعد بولا۔ یہ رہا ریور سائیڈ۔ یہ 218 یہ رہا۔

اب اس کا ٹیلی فون نمبر تلاش کرو۔

ڈگلس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور اس میں مسز والکنگن کا نمبر تلاش کر کے پروفیسر کو بتا دیا جو اس نے اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیا۔

اب یہ دیکھو کہ اس کے پرس میں چابیاں ہیں یا نہیں۔

میری نے پرس میں ہاتھ ڈال کر اسے ٹٹولا اور پھر چابیوں کا ایک گچھا نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ پروفیسر ڈگلس کو اشارہ کیا جس نے گچھے کی چابیوں کا جائزہ لیا اور پھر ایک چابی اسے دکھاتا ہوا بولا۔ یہ اس کے مکان کی چابی ہو سکتی ہے۔

پروفیسر نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ڈگلس سے بڑی حد تک متفق تھا اس لئے کہ وہ ایسے کاموں میں مہارت رکھتا تھا۔

اس کے علاوہ پرس میں کیا ہے۔ میری اچھی طرح سے تلاشی لے کر بتاؤ۔ بلکہ بہتر ہو گا کہ اسے میز پر الٹ دو۔

میری نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے پرس کو میز پر الٹ دیا تو اس کے خانوں میں موجود چیزیں بکھر گئیں۔ پھر اس نے تفصیل بتانا شروع کر دی۔ ایک گیس کارڈ، کنگھا، لائٹر، دوا کی شیشی، دو چھوٹے رومال، ایک سینٹ کی شیشی اور کلب کا کارڈ ..... اور ہاں اسٹور کا ایک کارڈ بھی ہے۔

اور یہ کیا ہے۔ پروفیسر نے پوچھا۔

سکون دینے والا پتھر۔

یہ کیا ہوتا ہے۔ ڈگلس چونک گیا۔

انگوٹھا رگڑنے پر سکون دیتا ہے۔ پروفیسر نے بتایا۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے صرف نفسیاتی دھوکا ہے۔

دوسرے روز پروفیسر نے کھٹارہ کار میں اس جگہ تک کا سفر کیا اور نقشے کی مدد سے اس مکان کو تلاش کر لیا۔ وہ اچھے علاقے میں تھا مگر نسبتاً "سنسان علاقے میں۔ اس مکان کی حالت دیکھ کر یہ اندازہ قائم کیا جا سکتا تھا کہ اس کی طرح سے دیکھ بھال نہیں ہو رہی ہے۔ ویسے بھی وہ اپنی مالکہ کے نام کی طرح شاندار نہیں تھا۔

پروفیسر نے قیاس لگایا کہ شاید وہاں کوئی ملازم نہیں ہے جو اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ مکان درختوں میں گھرا ہوا تھا اور اس پر مکمل سکوت طاری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں کوئی سکونت پذیر نہیں ہے۔

ہر مکان میں کوئی نہ کوئی بچہ ضرور ہوتا تھا جو اسکول وغیرہ بھی جاتا تھا گرد و پیش کے مکانوں کے بچے اسکول جانے کی تیاری کر رہے تھے اور بس کے انتظار میں دروازوں پر کھڑے تھے۔ مگر مسز والکنگن کے مکان پر کوئی بچہ نہیں تھا۔

اس مکان کے کار کا گیرج کشادہ تھا اور وہاں دو کاروں کی گنجائش تھی مگر ایک ہی کار کھڑی تھی پروفیسر نے اندازہ لگایا کہ ممکن دوسری کار اس کا شوہر لے گیا ہو۔

جب وہ واپس ہوٹل پہنچا تو میری نے پوچھا۔ پروفیسر وہ مکان کیسا تھا۔

مکان کی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی مگر اس سے مالک مکان کی معاشی حالت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

یہ بات درست ہے۔ میری نے سر ہلا کر کہا۔ ایک ایسے ہی مکان کے سلسلے میں ہم سے چوک ہو چکی ہے۔ اس کی ظاہری حالت سے ہم نے یہ تاثر لیا کہ اس میں کچھ نہیں ہو گا لیکن دوسرا گروپ پچاس ہزار ڈالر لے اڑا۔ ہمیں اپنے اندازے پر شرمندگی ہوئی۔

یہ مکان ڈیلاس کے ویرانوں میں پایا جانے والا مکان ہے جہاں ہاتھ مارنا ہمارے لئے بہت آسان ثابت ہوا تھا۔ پروفیسر نے انہیں یاد دلایا۔ ہم اندر گئے تھے اور رقم سمیٹ کر لے آئے تھے۔ ہمیں کہیں الجھن اور دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

اس وقت صبح کے دس بج رہے تھے۔

پروفیسر نے مسز والکنگن کا نمبر ڈائل کیا تو کسی عورت



نے ریسیور اٹھایا۔ پروفیسر نے نام کی تصدیق کی پھر کہا۔ میں جارج مین اسٹور کا سیلز مین بول رہا ہوں مسز والکنگن کل آپ نے شکایت درج کرائی تھی نا کہ آپ کا پرس گم ہو گیا ہے۔

ہاں۔ اسد عور نے جلدی سے کہا۔ کیا ہو مل گیا ہے۔ میرا پرس سیاہ رنگ کا تھا اور چمڑے کا تھا۔

ہمیں ایک سیاہ چرمی پرس ملا ہے۔ ایک عورت اسے کوڑے دان سے اٹھا کر لائی تھی آپ کے ڈرائیونگ لائسنس سے پتا چل گیا کہ یہ آپ ہی کا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ پرس خالی ہو گا۔

پرس ان معنوں میں خالی ہے کہ اس میں رقم نہیں ہے مگر آپ کی باقی چیزیں محفوظ ہیں۔ مثال کے طور پر کلب کارڈ، ڈرائیونگ لائسنس، دوا کی شیشی اور۔

........ میں سمجھ گئی۔ مسز والکنگن نے کہا۔ میں یہ پرس کس وقت آ کر لے سکتی ہوں۔

جب آپ چاہیں۔ پروفیسر نے مودبانہ لہجے میں کہا۔ یہ حفاظت سے رکھا ہے آپ اپنی شناخت کرا کے اسے وصول کر سکتی ہیں۔

میں ابھی آ رہی ہوں۔ مجھے دکان تک پہنچنے میں صرف بیس منٹ لگیں گے۔

آپ گیارہ بجے تک آ جائیں تو بہتر ہو گا اس لئے کہ وہ وقت ذرا سکون کا ہوتا ہے۔ پروفیسر نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

اب میں اپنے مشن پر جا رہا ہوں۔ اس نے پلٹ کر میری سے کہا۔ اگر میں ایک بجے تک واپس نہ آؤں تو تمہیں معلوم ہو گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔

میری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پروفیسر ایڈم نے اپنی کھٹارہ اور کھڑکھڑاتی کار نکالی اور مسز والکنگن کے مکان پر پہنچ گیا۔ اس وقت گیارہ بجنے میں پندرہ منٹ تھے۔

چند منٹ بعد ایک کار وہاں سے نکلی جسے ایک عورت چلا رہی تھی۔ پروفیسر نے قیاس لگایا کہ وہ مسز والکنگن ہی ہو گی۔

اس نے پروفیسر کو کام کرنے کا اچھا موقع دے دیا تھا۔

وہ مکان میں فوراً" ہی داخل نہیں ہوا بلکہ ایک قریب اسٹور پر جا کر اس نے مسز والکنگن کے نمبر پھر ڈائل کئے تا کہ مکان میں اگر کوئی اور ہو تو اس کا پتا چل جائے۔

لیکن فون کی گھنٹی بجتی رہی اور کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا۔

پروفیسر ایڈم نے اپنی کار اسٹارٹ کی اور تھوڑی دیر بعد مکان کے پچھلے حصے میں لے جا کر پارک کر دی پھر چابیوں کا گچھا نکالا اور سیٹی بجاتا ہوا دروازے کی بڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اندر داخل ہو رہا تھا۔

کسی مکان میں داخل ہونے پر وہ بڑی اور وزنی چیزوں پر توجہ نہیں دیتا تھا بلکہ نہایت چھوٹی مگر قیمتی چیزیں اپنی جیبوں میں ڈالنا شروع کر دیتا تھا۔ چیزوں کے قیمتی یا نہ قیمتی ہونے کے بارے میں اسے وسیع تجربہ تھا اور وہ ایک نظر میں اس کی مالیت کا اندازہ کر لیتا تھا۔

جب وہ اندرونی حصے میں داخل ہو رہا تھا تو اسے اپنی ذہانت پر رشک آنے لگا اس کے ساتھ ہی وہ شیکسپئر کا بھی شکر گزار تھا جس نے اسے رہنمائی دی تھی۔

مکان پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے پر پروفیسر ایڈم حیران رہ گیا اس لئے کہ وہاں رکھی ہوئی چیزیں بے حد معمولی تھیں۔ اتنی کہ انہیں فروخت کرنے کے بعد چند ڈالر ہی ہاتھ میں آ سکتے تھے۔

وہ حیران تھا کہ مسز والکنگن کتنی عسرت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ اس نے چند چیزیں الٹی پلٹیں تو اسے مزید مایوسی ہوئی اس لئے کہ وہاں نقد رقم بھی نہیں تھی۔

مزید چھان بین کرنے کے بعد اسے چاندی کے زیورات ملے جن میں مصنوعی موتی جڑے ہوئے

تھے، پروفیسر نے مایوسی سے وہ زیورات اپنی جیب میں رکھ لئے۔

میری کو نائلون کے موزے بہت پسند تھے لہٰذا اس نے موزوں کی دو جوڑیاں رکھ لیں۔ اسے معلوم تھا کہ ڈگلس کو جاسوسی کہانیاں بہت پسند ہیں لہٰذا اس نے ایسا ایک مجموعہ اٹھا کر رکھ لیا۔

اس نے مایوسی سے سانس لیا۔ اس کی یہ مہم اس کی ذہانت کے باوجود ناکامی سے دوچار ہو رہی تھی۔

اس نے اندازہ لگایا کہ اب مسز واٹکنز اسٹور پر پہنچ چکی ہوگی اور اسے پتا چل گیا ہوگا کہ اس کا گمشدہ پرس ابھی دستیاب نہیں ہوا ہے اور اسے کسی فرادِ شخص نے فون کر کے بتایا ہے اور اب وہ کار میں بیٹھ کر واپس آنے کی کوشش کر رہی ہوگی۔

پروفیسر نے چلتے چلتے مایوسی میں تمباکو کا ایک ڈبا اٹھا کر اس کا تمباکو ہتھیلی پر الٹ دیا تو اس کی سانس رکنے لگی اور آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اس لئے کہ اس کی ہتھیلی پر پلاٹینم کا ایک نیکلس جگمگا رہا تھا جس میں اصل ہیرے لگے ہوئے تھے۔ نیلے اور سفید رنگ کے وہ ہیرے بیس قیراط سے کم نہیں تھے۔

پروفیسر ایڈم کو جیسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اس لئے کہ اس کے سامنے ایک بیش بہا نیکلس تھا۔ کافی عرصہ بعد اس کے ہاتھ ایسی چیز لگی تھی جو اس کی قسمت بدل سکتی تھی۔

چند لمحوں پہلے اسے اپنا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آ رہا تھا مگر اب وہ کامیابی سے ہمکنار ہو چکا تھا۔

اس نے پھرتی سے نیکلس کو اپنی جیب میں رکھ لیا اور پچھلے دروازے سے باہر نکل کر اسے لاک کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کار علاقے سے نکل رہی تھی۔ وہ بہت خوش اور فرحاں تھا۔

اپنے ہوٹل تک پہنچنے کے لئے اسے دائیں جانب کی سڑک کی طرف مڑنا تھا لہٰذا وہ اس پر چلا گیا۔ اس سڑک کا سگنل کھلا دیکھ کر اس نے کار کی رفتار تیز کر دی اور یہ اس کی غلطی تھی اس لئے کہ کار کا انجن پرانا تھا اور اس کے پرزے ڈھیلے ہو چکے تھے چنانچہ کار دائیں بائیں جھولنے لگی۔

چند ثانیوں بعد ایک ہولناک دھماکا ہوا اور دائیں جانب کا پہیہ پھٹ گیا۔ یوں کار دائیں جانب جھک گئی۔ اس کے بعد وہ پہیہ نکل گیا اور اس کی کار کے آگے دوڑنے لگا۔

اسٹیئرنگ پروفیسر ایڈم کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور کار ایک طرف کو لڑھکتی چلی گئی۔ فوراً ہی بعد دوسرا ہولناک دھماکا ہوا اور کار ایک درخت سے جا کر ٹکرا گئی۔

پروفیسر اچھل کر کار سے باہر آ گیا۔ وہاں چونکہ ڈھلان تھی اس لئے وہ پھسلتا ہوا کافی نیچے تک چلا گیا۔ اس کا سر ایک پتھر سے ٹکرایا تو اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی۔

جب اس کی آنکھیں کھلیں تو اس نے خود پر دو آدمیوں کو جھکے ہوئے پایا۔ ایک آدمی اس کی نبض دیکھ رہا تھا جب کہ دوسرا اس کی دھڑکن چیک کر رہا تھا۔ جب وہ کسمسایا تو ایک نے کہا۔ یہ ٹھیک ہے صرف معمولی سی چوٹ آئی ہے۔

پروفیسر ایڈم نے آنکھیں کھول دیں تو اسے معلوم ہوا کہ وہ دونوں قانون نافذ کرنے والے ادارے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے اس کے جیکٹ کو تھپتھپایا پھر اس کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ نیکلس نکال لیا۔

ارے رابرٹ یہ کیا ہے۔ اس نے حیرت سے اپنے ساتھی سے کہا۔

نیکلس معلوم ہوتا ہے۔ بہت قیمتی ہے۔ اس نے کہا۔

یہ وہی ہے۔ پہلا بولا۔ اس کی جیکٹ کی جیب سے نکلا ہے۔



یہ وہی نیکلس ہے جس کے بارے میں صبح کے اخبارات میں خبر شائع ہوئی تھی۔ رابرٹ نے کہا۔

ہاں یہ نیکلس ورتھنگٹن خاندان کی ملکیت ہے ایک ہفتہ پہلے کسی پارٹی سے چوری ہوا تھا۔ ہم لوگوں نے اسے حاصل کر کے ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔ ممکن ہے ہم لوگوں کی ترقی ہو جائے۔

اسے اٹھا کر لے چلیں۔ رابرٹ نے کہا۔ ورنہ پولیس کا دوسرا دستہ آ جائے گا تو کام خراب ہو جائے گا۔

وہ دونوں پروفیسر کو اٹھا کر سڑک تک لائے پھر انہوں نے اسے گشتی کار میں ڈال دیا۔ پروفیسر کو معمولی چوٹیں آئی تھیں لہٰذا وہ ہوش میں تھا اس نے کہا۔ یہ ہار ایک ہفتہ پہلے نہیں میں نے ابھی ابھی چرایا ہے اور یہ ورتھنگٹن خاندان کی ملکیت بھی نہیں ہے بلکہ اسے میں نے مسز واٹکنز کے ہاں سے چرایا ہے۔

مگر انہوں نے پروفیسر کی بات نہیں سنی تو وہ مجبوراً خاموش ہو گیا۔ پھر اسے اس جرم میں جیل بھیج دیا گیا جو اس نے نہیں کیا تھا۔

جب پروفیسر ایڈم ایک بجے تک واپس نہیں آیا تو ڈگلس اور میری اس کی ہدایت پر ٹرین میں سوار ہوئے اور بورگووائل سے واپس آ گئے وہ پریشان تھے کہ معاملہ کیسے الجھ گیا۔

پروفیسر بہرحال یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ جمعہ کے روز اس پارٹی میں شریک نہیں تھا جہاں سے یہ نیکلس چرایا گیا تھا بلکہ وہ جمعہ کو بورگووائل ہی میں نہیں تھا۔ ڈگلس بولا۔

اس سے کیا ہوتا ہے چوری کا مال اس کے پاس سے برآمد ہوا تھا اور نیکلس اس نے منگل کو چرایا تھا۔ میری نے کہا۔ اسے سزا تو ملے گی۔

مگر پروفیسر نے ایسا نیکلس کیوں چرا لیا جو پہلے سے چوری کیا گیا تھا۔

وہ دونوں اس وقت شراب خانے میں بیٹھے تھے اور روڈگر کے سامنے صورتِ حال پر تبصرہ کر رہے تھے۔

وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ اس نے نیکلس چوری نہیں کیا ہے اور اس نے اسے تلاش کیا ہے ایسی صورت میں پولیس اسے انعام سے نوازتی۔ روڈگر نے کہا۔

مگر اس سوال کا جواب پروفیسر ہی دے سکتا تھا جب وہ لمبی سزا کاٹ کر واپس آیا اور ایک شام شراب خانے میں داخل ہوا تو ڈگلس اپنی مخصوص میز پر بیٹھا تھا وہ اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور اس نے پروفیسر کو اپنے قریب بلایا اور سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کی درخواست کی۔

جب پروفیسر بیٹھ گیا اور اس نے بیئر کا ایک جام حلق سے اتار لیا تو ڈگلس نے اس سے یہی سوال کیا۔

تم نے یہ کیوں نہیں بتایا کہ وہ چوری شدہ ہار تھا اور تم نے اسے بازیاب کرایا ہے۔

میں خاموش نہیں رہا تھا ڈگلس۔ پروفیسر نے کہا۔ میں نے اس پر آواز اٹھائی تھی۔

اس اثنا میں شراب خانے کے بہت سے لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے انہوں نے پروفیسر کی زبان سے یہ سنا تو وہ بہت حیران ہوئے۔

تم نے یہ سب بتایا تھا اور خاموش نہیں رہے تھے۔ ڈگلس نے اس کی بات دہرائی۔

ہوں عدالت نے میرے لئے ایک وکیل مقرر کیا تھا میں نے اسے ساری بات بتا دی تھی تاکہ وہ میرا مقدمہ آسانی سے لڑ سکے مگر حیرت کی بات یہ کہ اس نے عدالت میں اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ صحیح طریقے سے میرا مقدمہ نہیں لڑ رہا ہے۔

مگر اس نے ایسا کیوں کیا۔ ڈگلس نے پوچھا۔

یہ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ وکیل مسز واٹکنز کا بھائی تھا اس نے یہ مقدمہ غلط انداز سے پیش کیا تاکہ اس کی بہن کی گردن بچ جائے۔ پروفیسر ایڈم گہرا سانس لے کر بولا۔

☆☆☆

# مرحلہ ناتمام

رات کا معلوم نہیں کون سا پہر تھا کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ خواب گاہ میں ہلکی روشنی ہورہی تھی۔ میں نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر وہ فون سے ٹکرا گیا اور فون فرش پر گر پڑا۔ ہلکا سا دھماکا ہوا تو مونیکا نے بے چینی سے کروٹ بدلی۔

نصرت جہاں

**اس عورت کی کہانی جو اپنے شوہر سے بے وفائی کررہی تھی**

بیگ کھلتے ہی میری نگاہ استر والی جیبوں پر پڑی۔ اس میں سے چار پانچ موٹے لفافے جھانک رہے تھے۔ میں نے ان لفافوں کو کھولا تو اندر ہرے رنگ کے کرنسی نوٹ رکھے دکھائی دیئے۔ وہ سب بڑی مالیت کے ڈالر نوٹ تھے۔ اس لئے انہیں ہاتھ میں لیتے ہی میری ہتھیلیوں سے پسینہ پھوٹنے لگا۔

اس کا بیگ جہاز میں کسی دوسرے کے بیگ سے تبدیل ہوگیا......اور پھر۔

مجھے ساؤتھ بینڈ جانا تھا لہٰذا میں نے کلیولینڈ سے طیارہ تبدیل کرلیا۔ یہ طیارہ کلامازو اور جیکسن کے ہوائی اڈے پر رکتا ہوا جاتا تھا۔ طیارے میں بیٹھتے ہوئے مجھے بہت کوفت ہوئی اس لئے کہ اس میں سے استقبال کرنے والا عملہ غائب تھا۔

بات یہیں ختم ہوجاتی تو بہتر تھا مگر اس سفر کا اذیت ناک پہلو یہ تھا کہ وہاں تمباکو نوشی اور سگریٹ نوشی بھی ہورہی تھی اس کے علاوہ ایئر ہوسٹس بھی لوگوں کی صورتوں سے بیزار تھیں۔ ان سے کوئی چیز مانگی جائے تو وہ جھڑک دیتی تھیں یا پھر منہ بنالیتی تھیں۔

طیارہ جب جیکسن ایئرپورٹ پر اترا تو نیند کے خمار سے میری آنکھیں بوجھل ہورہی تھیں اور دماغ چکرا رہا تھا۔ اس لئے میں نے اپنی سیٹ پیچھے کی اور نیم دراز ہوکر بیلٹ کھول لیا۔

تھوڑی دیر بعد ایئر ہوسٹس نے مجھے آکر تنبیہ کی کہ میں اپنا بیلٹ باندھ لوں اس لئے کہ طیارہ پرواز کرنے والا ہے۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو اسے مسکراتے دیکھا۔ میں صورت حال سے اتنا بیزار ہوچکا تھا کہ میں نے اس کی طرف جوابی مسکراہٹ اچھالنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

اب پندرہ منٹ کے بعد طیارے کو کلامازو ایئرپورٹ پر اترنا تھا۔ میں جھنجلاہٹ میں سوچنے لگا کہ میں بھی کتنا احمق ہوں کہ کلیولینڈ سے رات کو طیارے میں بیٹھ گیا۔ مجھے چاہئے تھا کہ میں رات کو وہیں ٹھہر جاتا۔

اس سے کم از کم میری نیند تو خراب نہ ہوتی۔ اب کل میں آفس جاؤں گا تو وہاں اونگھتا رہوں گا اور نیند سے میری آنکھیں جلتی رہیں گی۔

میں ایئر ہوسٹس کی ہدایت پر سیدھا ہوکر بیٹھ گیا اور میں نے بیلٹ باندھ لیا۔ مگر پھر میں اسی حالت میں سوگیا۔



کلامازو کب آیا مجھے اس کا احساس نہیں ہوسکا۔ البتہ جب طیارہ ساؤتھ بینڈ پر اترا تو میری آنکھ کھل گئی۔

میں نیند میں کھڑا ہوگیا۔ مگر چونکہ میں نے بیلٹ باندھا ہوا تھا لہٰذا میں کھڑے ہونے سے باز رہا۔ میں نے بیلٹ کھولا پھر اپنا بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت ایئر ہوسٹس ایک شخص سے دلآویز انداز میں گفتگو کررہی تھی۔ اس لئے اس نے میری طرف توجہ نہیں دی۔

یہ ساؤتھ بینڈ ہے نا۔ میں نے خشک اور کھردرے لہجے میں ایک ایئر ہوسٹس سے پوچھا۔

ہوں......!

میں......دراصل سوگیا تھا۔

یہ تو آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ کو کوفت نہیں اٹھانا پڑی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

اس کا جواب سن کر میرا حلق تلخ ہوگیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر میری آنکھ نہ کھلتی تو میں شکاگو پہنچ جاتا۔

میں جھنجلایا ہوا طیارے سے اترا تو مونیکا نے میرا استقبال کیا۔ اسے دیکھ کر میری ساری کوفت دور ہوگئی۔

ساؤتھ بینڈ سے جاتے وقت میرا اس سے جھگڑا ہوگیا تھا مگر وہ تمام رنجشوں کو بھلا کر آگئی تھی اور اس وقت اس کے ہونٹوں پر ایک والہانہ مسکراہٹ تھی۔

اس نے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور اپنے مرطوب لب میری طرف بڑھا دیئے۔ میں نے گرم جوشی سے اس کا ساتھ دیا۔

رات کا معلوم نہیں کون سا پہر تھا کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ خواب گاہ میں ہلکی روشنی ہورہی تھی۔ میں نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر وہ فون سے ٹکرا گیا اور فون فرش پر گر پڑا۔ ہلکا سا دھماکا ہوا تو مونیکا نے بے چینی سے کروٹ بدلی۔

میں نے ریسیور کان سے لگایا تو ایک دبی دبی سی آواز سنائی دی۔

تم روجر بیکر بول رہے ہونا۔ دوسری طرف سے کسی نے تصدیق کرنا چاہی۔

میں آواز سے شناخت نہ کرسکا کہ وہ کون ہوسکتا ہے۔ وہ لہجہ نہ تو میرے کسی دوست کا تھا اور نہ ہی کسی رشتے دار کا۔ اس لئے میں الجھن کا شکار ہوگیا۔

تم کلیولینڈ کی فلائٹ 701 سے ساؤتھ بینڈ آئے ہونا۔

ہاں مگر تم کون ہو۔

تمہارا ٹریولنگ بیگ میرے پاس ہے لہٰذا میرا تمہارے پاس ہونا چاہئے۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

لیکن میرا بیگ تو میرے پاس ہے۔ میں نے ناگواری سے کہا۔

دونوں بیگ چونکہ ملتے جلتے ہیں اور ایک ہی کمپنی کے بنے ہوئے ہیں لہٰذا دھوکا ہوگیا ہے تمہیں۔ اس شخص نے کہا۔

ٹھہرو...... میں دیکھ کر بتاتا ہوں۔ میں نے کہا۔ جب میں واپس آیا تو میں نے اس بیگ کو ڈرائنگ روم کی کھونٹی سے لٹکا دیا تھا۔

میں ڈرائنگ روم کی طرف جانے لگا تو مونیکا ایک بار پھر کسمسائی۔ اس کی نیند میں خلل پڑ رہا تھا۔ لہٰذا میں نے ڈرائنگ روم کی کھونٹی سے بیگ اتارا اور اسے باتھ روم میں لے جاکر کھولا۔ وہاں روشنی سے مونیکا کی نیند ڈسٹرب نہیں ہوسکتی تھی۔

میں نے بیگ پر لگی ہوئی چٹ پڑھی۔ اس میں فریڈرک لکھا تھا۔ بیگ کھولنے پر احساس ہوا کہ وہ واقعی میرا نہیں ہے۔ میں نے خواب گاہ میں پہنچ کر ریسیور اٹھایا اور کہا۔ تمہارا نام کیا ہے۔

فریڈرک پال۔ اس نے جواب دیا۔ میرا بیگ تمہارے پاس ہےنا۔ اس کے لہجے میں اضطراب جھلک رہا تھا۔

ہاں۔ معاف کرنا میں نیند میں تھا اس لئے میں نے طیارے سے اترتے وقت تمہارا بیگ اٹھالیا۔

اوہ، مجھے اس بیگ کی اشد ضرورت ہے۔ اس نے جھنجلا کر کہا۔

مجھے بھی اپنا بیگ چاہئے تھا اس لئے کہ میرا نیا سوٹ اس میں تھا جس کی سلائی میں نے چار سو ڈالر ادا کی تھی۔

مگر اب میں یہ بیگ تمہیں کیسے واپس کروں۔

نہایت آسان طریقہ ہے۔ اس نے کہا۔ تم ڈکا کو جانے والی فلائٹ پر اسے بک کرادو۔ میں ڈکا گو سے تمہارا بیگ بھیج دوں گا۔

طریقہ بے حد آسان تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ وہ میرے لئے نہایت اذیت ناک ہے۔ اس لئے کہ مجھے دو گھنٹے کے بعد ہی وہ بیگ بک کرانے کے لئے ایئرپورٹ جانا پڑے گا۔ دو گھنٹے کے بعد بستر نکلنا میرے لئے سوہان روح تھا۔

بہرحال مجھے بیگ لے کر جانا تھا۔ میں نے اس سے اپنے طرز عمل کی معافی الگ مانگی۔

بیگ مجھے ہر طرح سے کل مل جانا چاہئے۔ تم اسے فلائٹ سے بک کر دینا۔ اس نے خشک اور کھردرے لہجے میں کہا۔

میں نے ریسیور کریڈل کر دیا اور تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کرلیں مگر نیند جیسے اب مجھ سے روٹھ گئی تھی۔

میرا دل و دماغ جھنجلا رہا تھا کہ میں غلط بیگ کیوں لے آیا۔ اگر میں نے ہوشمندی سے کام لیا ہوتا تو اس وقت آرام سے بستر پر لیٹا ہوتا۔

فریڈرک نے مجھ سے انتہائی رکیک لہجے میں گفتگو کی تھی لیکن ایسا کرنے کا اسے حق تھا۔

کاش کہ میں کلیولینڈ ہی میں ٹھہر گیا ہوتا۔

جب نیند نہیں آئی تو میں بستر سے اٹھ گیا۔ میں نے سوچا اگر میں ایک گلاس دودھ پی لوں تو ہوسکتا ہے میرے کشیدہ اعصاب پرسکون ہوجائیں۔

میں دبے پاؤں اٹھا اور خواب گاہ سے نکل آیا۔ سونیا پرسکون انداز میں سورہی تھی۔ اگر اس عالم میں اسے ڈسٹرب کردیا جائے تو وہ بہت برہم ہوتی تھی۔

میں نے باتھ روم میں پہنچ کر بیگ اٹھایا اور نیچے چلا گیا۔ کچن میں پہنچ کر میں نے فریج سے ایک دودھ کی بوتل نکالی اور ساس پین میں ڈال کر اسے چولھے پر چڑھادیا۔

پھر میں نے فریڈرک کے بیگ کو میز پر رکھا اور اس کی زپ کھول دی۔ رات کے تین بجے مجھے ایسا کرتے ہوئے قطعی شرمندگی نہیں ہورہی تھی۔ اس لئے کہ میں تھکن اور بیزاری کا شکار تھا۔

بیگ کھلتے ہی میری نگاہ استر والی جیبوں پر پڑی۔ اس میں سے چار پانچ موٹے لفافے جھانک رہے تھے۔ میں نے ان لفافوں کو کھولا تو اندر ہرے رنگ کے کرنسی نوٹ رکھے دکھائی دیئے۔ وہ سب بڑی مالیت کے ڈالر نوٹ تھے۔ اس لئے انہیں ہاتھ میں لیتے ہی میری ہتھیلیوں سے پسینہ پھوٹنے لگا۔

میں نے اپنے دماغی کمپیوٹر سے جانچ لیا کہ وہ بہت بڑی رقم ہے۔ دولت ایسی شے ہے جو خاص و عام کے استعمال میں رہتی ہے اور کسی کے قبضے میں بھی رہ سکتی ہے۔ چاہے نوٹ نئے ہوں یا پرانے۔

اچانک میرے دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوئی کہ انہیں میں اپنے پاس رکھ لوں۔ ایک خیال یہ آیا کہ ہر ایک گڈی میں سے ایک ایک نوٹ کھینچ کر رکھ لوں مگر اس رقم کا حساب لگایا تو وہ ساڑھے پانچ سو ڈالر بنتے تھے۔

میں نے چونکہ چولھے پر دودھ چڑھایا ہوا تھا اور اس کی طرف سے غافل ہوگیا تھا لہذا وہ ابل کر ساس پان سے باہر آگیا اس کے بو سے میں اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

میں نے اس دودھ کو ساس پان سمیت سنک میں ڈال دیا اور فریج سے بربن کی بوتل نکالی۔ پھر میں نے ایک گلاس میں بوتل انڈیلی اور گلاس کو چند سانسوں میں خالی کردیا۔

اس کے بعد میں نے سوچنا شروع کردیا کہ میں اس



رقم کو اپنے قبضے میں کیسے رکھ سکتا ہوں۔ بربن پینے سے میرا ذہن جگمگانے لگا تھا۔ لہذا میں نے ایک منصوبہ بنانا شروع کردیا۔ تھوڑی دیر بعد میں اس کی جزئیات مکمل کرچکا تھا۔

میں نے غور کرلیا یہ منصوبہ ہر لحاظ سے بے داغ تھا۔

میں چاہتا تو یہ تاثر دے سکتا تھا کہ فریڈرک کا بیگ کلا مازو یا جیکسن میں کہیں کھوچکا ہے اور اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ اسے ساؤتھ بینڈ میں تلاش کرے۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ مجھے فون کرکے اس کی تصدیق کرچکا تھا۔

تاہم اس کے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں تھا کہ وہ مجھ سے ٹیلی فون پر گفتگو کرچکا ہے جس طرح کہ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا کہ میں نے حقیقی فریڈرک سے بات کی ہے۔

میں نے سوچا اگر میں اس کے بیگ سے ساری رقم نکال کر اسے ڈکا گو روانہ کردوں گا تو اسے کیا پتا چلے گا اسی طرح سے وہ مجھے میرا بیگ روانہ کردے گا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہوگا کہ یہ بیگ اسی نے بھیجا ہے۔

مجھے فضائی کمپنی کے عملے کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کچن کی گھڑی میں اس وقت پانچ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے اور آٹھ بجنے میں کافی دیر تھی۔ اس وقت تک کا انتظار کرنا ایک عذاب تھا۔

پھر خیال آیا کہ آٹھ بجے تک انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے چاہئے کہ میں ابھی اور اسی وقت ایئرپورٹ چلا جاتا اور فریڈرک کے بیگ کو کارگو کے علاقے میں ڈال دیا۔ اس طرح کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ میں نے وہاں بیگ لے جاکر ڈالا ہے۔

اس کے متعلق یہی خیال کیا جاتا کہ وہ کسی ایسے مسافر کا ہے جو اسے غلطی سے وہاں چھوڑ گیا ہے۔

میں نے کپڑے تبدیل کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور انہی کپڑوں پر ایک برساتی پہن لی۔ پھر میں نے بیگ اٹھایا اور دبے پاؤں وہاں سے نکل آیا اور کار پورچ میں جاکر اسٹارٹ کی۔

میں دعا مانگ رہا تھا کہ اس کی آواز دور تک نہ گونجے تاکہ کوئی مجھے اپنے گھر سے نکلتے نہ دیکھ سکے اور میرے خلاف کوئی ثبوت نہ پیش کرسکے۔ احتیاط کے پیش نظر میں نے کار کی ہیڈ لائٹس نہیں جلائی تھیں۔

میں گھر سے نکلتے وقت خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔

اس لئے کہ میں نے رقم چرائی تھی۔ یہ سوچ کر میں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ لوٹ کے مال کو لوٹنا کوئی جرم نہیں ہے۔ وہ رقم فریڈرک نے یقیناً کہیں سے چرائی تھی اس لئے کہ اتنی رقم لے کر کوئی یونہی بیگ میں نہیں لئے گھومتا ہے۔

ایئرپورٹ اس وقت سنسان پڑا تھا۔ وہ متحرک بیلٹ جس پر مسافر اپنا سامان رکھ دیتے تھے اور جو اندر تک چلا جاتا تھا اس وقت ساکت تھا۔ میں نے بیگ کو اس پر پھینکا اور وہاں سے واپس آگیا۔ شکر ہے کہ اس وقت مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔

گھر پہنچ کر میں نے کار کو پورچ میں پارک کیا اور دبے پاؤں خواب گاہ میں گیا۔ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں سونیا کی آنکھ نہ کھل گئی ہو۔ الماری کھول کر میں نے رقم کے لفافے کپڑوں کی تہہ کے نیچے چھپادیئے۔

جب میں بستر پر لیٹنے لگا تو آہٹ سے سونیا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کسمسا کر کہا۔ تم کہاں گئے تھے۔ شراب پینے۔

ہاں آنکھ نہیں لگ رہی تھی۔ میں نے پژمردہ آواز میں کہا۔ میں ڈر رہا تھا کہ وہ اسے بنیاد بنا کر لڑائی جھگڑا نہ شروع کردے۔

مگر اس نے کروٹ لے لی اور گہرے خراٹے لینے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میری طرف سے لاتعلق ہوچکی ہو۔

میں اس رقم کے بارے میں سوچتا ہوا سوگیا کہ اس سے

میں اپنے حالات میں خوشگوار تبدیلی لاسکتا ہوں۔

دوسری صبح جب میں بیدار ہوا تو میں نے فضائی کمپنی کو فون کیا اور بتایا کہ میرا نام فریڈرک ہے اور میرا بیگ کلیولینڈ سے ڈکا کو جانے والا تھا۔ تحقیق کریں کہ اس وقت بیگ کہاں ہے۔

جب میں ریسیور کریڈل کرکے مڑا تو مونیکا کو اپنے سامنے کھڑے پایا۔ اس نے حیرت سے کہا۔ تم کسے فون کررہے تھے۔

ایئرلائن کو۔ گزشتہ رات کو میں اپنا بیگ طیارے میں ہی بھول گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ ڈکا کو پہنچ گیا ہوگا۔ میں نے سادہ لہجے میں کہا۔

اچھا رات کو تم کسے فون کررہے تھے۔

کسی کو بھی نہیں۔ وہ کوئی رانگ نمبر تھا۔

مگر تم تو بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔

تمہیں نیند میں ایسا معلوم ہوا ہوگا۔ میں نے بات بنائی۔

میں اخلاقی طور پر خود کو مجرم سمجھ رہا تھا کہ میں اپنی بیوی مونیکا سے جھوٹ بول رہا ہوں۔ اگر میں نے فریڈرک کو دھوکا دیا تھا تو یہ دوسری بات تھی مگر مجھے مونیکا کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بہرحال میں اس رقم سے اپنی ازدواجی زندگی میں ایک خوشگوار انقلاب لانے والا تھا۔

فریڈرک کو لوٹ کر میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ چوروں کو بہرحال ایسی سزا ملنا چاہئے۔

مونیکا نے میز پر سے شراب کی بوتل اٹھائی اور اسے فرج میں رکھتی ہوئی بولی۔ گزشتہ رات تم نے واقعی شراب پی ہی۔ آخر اتنی ... ت گئے تمہیں نشہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

گو میں کلیو ... سے یہاں تک نہایت واہیات طریقے سے آیا تھا اس لئے مجھے بوریت ہورہی تھی۔ میں نے ہونٹ سکیڑ کر کہا۔

جب میں آفس پہنچ گیا تو میں نے اپنی سیکرٹری پیٹریشیا کو ہدایت دی کہ وہ ایئرپورٹ جا کر میرا اسٹری بیگ لے آئے۔

> امریکہ کے شہر لیک سٹی میں کاٹھ کباڑ کی خرید و فروخت والی ایک بہت بڑی دوکان کے باہر لگے ہوئے بورڈ پر یہ تحریر درج تھی تاکہ گاہک متوجہ ہوسکیں۔
>
> ”بلا تکلف اندر تشریف لائیے اور یادگار کے طور پر رکھنے والی وہ چیزیں خرید لیں جو آپ کے دادا جان نے بے کار سمجھ کر پھینک دی تھیں۔“
>
> اس تحریر سے متاثر ہوکر ایک نوجوان گاہک دکان کے اندر داخل ہوا تو پہلی یادگار چیز جو اُسے ملی وہ اس کی اپنی دادی تھی۔

تمہارا بیگ۔ مگر وہ ایئرپورٹ کیسے پہنچ گیا۔

بیگ ڈکا گو سے آنے والا ہے۔ مگر ایئرپورٹ جانے سے پہلے فون کرکے معلوم کرلینا۔ ایسا نہ ہو کہ وہاں تک دوڑ لگانا زحمت کا باعث بن جائے۔

مجھے معلوم تھا کہ پیٹریشیا کو ٹائپنگ سے نجات مل جائے تو وہ کتنی خوش ہوتی ہے۔ اسے ایئرپورٹ جانے میں کوئی کوفت نہیں ہوگی۔

مجھے اپنے بیگ اور اس میں رکھے ہوئے سوٹ کی اب زیادہ پرواہ نہیں رہی تھی۔ مگر یہ ظاہر کرنے کے لئے میں پریشان ہوں میں اسکے حصول کی کوشش کررہا تھا۔

اگر میرا بیگ نہیں ملے گا تو میں فضائی کمپنی پر ہرجانے کا دعویٰ کردوں گا۔

پیٹریشیا نے ایئرپورٹ فون کیا تو پتا چلا کہ میرا بیگ ڈکا گو سے آچکا ہے لہذا وہ ایئرپورٹ کی طرف چلی گئی۔

اس کے تقریباً ایک گھنٹے کے بعد فون کی گھنٹی بجی تو میں نے ریسیور اٹھایا۔ مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا اس لئے کہ میری سیکرٹری ایئرپورٹ کی طرف گئی ہوئی تھی۔

دوسری طرف سے مونیکا کی خوف و ہراس میں ڈوبی ہوئی



آواز سنائی دی۔

روجر مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہاں ایک آدمی مجھ سے ..... وہ اچانک خاموش ہوگئی جیسے اس کے منہ پر اچانک کسی نے ہاتھ رکھ دیا ہو۔

ابھی تذبذب میں گرفتا تھا کہ پھر ایک سفاکانہ مردانہ آواز آئی۔ روجر یہ تو تم جانتے ہی ہوگے کہ میں تم سے کیا چاہتا ہوں۔ اگر تم اپنی بیوی کو زندہ دیکھنے کے خواہش مند ہو تو پھر اس کے بارے میں بتادو۔

میں نے فریڈرک کی آواز پہچان لی تھی۔ جس کے بیگ سے رقم کے لفافے نکال کر میں نے کپڑوں کی تہہ کے نیچے چھپادیئے تھے۔

کس کے بارے میں بتادوں۔ میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔ تم کون ہو۔

انجان مت بنو اور یہ بتاؤ کہ رقم کہاں ہے۔ اس کی پھنکارتی ہوئی آواز آئی۔

پس منظر میں مونیکا کی آواز آرہی تھی وہ شاید رو رہی تھی اور سسکیاں لے رہی تھی۔

تم شاید کوئی ڈاکو ہو۔ اگر تمہیں رقم کی ضرورت ہو تو بینک سے نکلوا کر دے سکتا ہوں۔ میری بیوی کو پریشان مت کرو۔ تمہیں کتنی رقم چاہئے۔

میں تمہاری رقم نہیں اپنی چاہتا ہوں۔ وہ بولا۔ جس کا بیگ غلطی سے تمہارے پاس آگیا تھا اور جسے تم جہاز سے اٹھالائے تھے۔

جہاز سے۔ مگر میں تو کسی جہاز سے نہیں آیا۔ میں نے دروغ گوئی سے کام لیا۔

لیکن تمہاری بیوی کچھ اور کہہ رہی ہے۔ اس نے دانت کچکچا کر کہا۔ پھر مجھے اپنی بیوی مونیکا کی آوازیں سنائی دیں وہ ... رہا نہیں چیخیں تھیں۔

ا... ، ر، د، ورنہ تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ میں نے برہمی سے کہا۔

تمہارے پاس ہے۔ اس نے ... لہجے میں پوچھا۔

ہاں۔ یہیں آفس میں۔

یہاں لے آؤ۔

میرا خیال ہے کہ تم یہاں آجاؤ۔ میرے آفس میں۔

میں تمہارے آفس میں نہیں آؤں گا۔

پھر......!

ایئرپورٹ پر، میں ایئرپورٹ پر رقم وصولنا چاہتا ہوں۔

میں نے اسے رقم دینے پر آمادگی ظاہر کردی۔ اسکے بعد پولیس کو فون کردیا کہ ایک ڈاکو میرے گھر پر موجود میری بیوی کو رقم کے لئے پریشان کررہا ہے اس وقت وہ گھر پر ہی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری بیوی کو زدوکوب کرے گا۔

پولیس آفیسر نے یقین دلایا کہ وہ اس معاملے کو فوراً دیکھے گا۔ پھر میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ جب میں دروازے پر پہنچا تو میری سیکرٹری پیٹریشیا مجھے دکھائی دی۔ وہ ایئرپورٹ سے بیگ لے آئی تھی۔

میں نے کہا میں بیگ لے کر گھر جارہا ہوں۔ وہ اپنے شانے اچکا کر اپنے پارٹیشن کی طرف چلی گئی۔ غالباً اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں صبح سے ایسا پراسرار انداز کیوں اختیار کئے ہوئے ہوں۔

سڑکوں پر بہت ٹریفک تھی لہذا مجھے اپنے گھر تک پہنچنے میں دیر لگ گئی۔ حالانکہ میں اس سے کم وقت میں ایئرپورٹ پہنچ سکتا تھا۔

گھر کے گیٹ سے لے کر پختہ روش تک کے راستے پر مونیکا کی کار کھڑی تھی۔ لہذا میں گھوم کر عقبی گلی میں پہنچ گیا۔ میں نے وہاں اپنی کار کھڑی کردی اور اس کا انجن بند کرکے اتر آیا۔

پیچھے ایک پارک تھا۔ میں نے اسے عبور کیا اور پام کے ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ میں نے سوچا آنے سے پہلے مجھے مونیکا کو فون کردینا چاہئے تھا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ فریڈرک ایئرپورٹ کی طرف چلا گیا ہو اور وہاں میرا انتظار کررہا ہو۔

میں نے پارک کو عبور کیا اور اپنے مکان کے پچھلے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازے کے ہینڈل کو گھمانے پر معلوم ہوا کہ وہ لاک ہے۔ میں نے چابی جیب سے نکال کر لاک میں گھمائی تو دروازہ کھل گیا میں نے اندر پہنچ کر برقی گھنٹی کا بٹن دبایا۔

یہ گویا ایک اشارہ تھا کہ اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں گھر پہنچ چکا تھا۔ لیکن اس کی طرف سے کوئی ردعمل کا اظہار نہیں ہوا۔ جب اس کی طرف سے جواب نہیں آیا تو میں نے آواز دی۔ مونی۔

مونیکا نے جواب نہیں دیا اور گھر پر بدستور سناٹا طاری رہا۔

میں آگے بڑھا تو پہلی منزل پر مونیکا کہیں نظر نہیں آئی۔

میں نے تیزی سے گھوم کر چاروں طرف کا جائزہ لیا وہ کہیں بھی نہیں تھی۔

میں نے اوپر منزل پر پہنچ کر آواز دی لیکن وہاں بھی کچھ دکھائی نہیں دیا۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا لہٰذا میں اس طرف چلا گیا۔ مجھے امید تھی کہ وہ غسل خانے کے ٹب میں لیٹی نظر آئے گی اور اس کا جسم پانی میں ڈوبا ہوا ہوگا۔ مگر اس وقت مایوسی ہوئی جب وہ وہاں نظر نہیں آئی۔ میں خواب گاہ میں چلا گیا۔

وہاں بھی کوئی نہیں تھی۔ میں نے کپڑوں کی الماری کھولی اور کپڑوں کی تہہ کے نیچے ہاتھ ڈالا تو وہاں میری انگلیاں رقم کے لفافوں سے نہیں ٹکرائیں۔ مجھے مایوسی ہوئی۔ میں نے تیزی سے دوسری تہوں کے نیچے ہاتھ ڈالا لیکن وہاں بھی کچھ نہیں تھا۔

پھر میں نے تیزی سے الٹا پلٹا اور کپڑے نکال دیئے مگر رقم وہاں نہیں تھی۔ میرا دل بیٹھنے لگا۔

میرا دماغ سنسنا رہا تھا۔ اس لئے میں بستر پر بیٹھ گیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ مثال کے طور پر یہ کہ اگر فریڈرک کو رقم مل گئی تھی تو وہ مونیکا کو اپنے ساتھ کہاں لے گیا۔ وہ بہرحال میری بیوی تھی۔ اس لئے مجھے اس کے بارے میں تشویش تھی۔

میرا دل بھر آیا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی تو میں اچھل پڑا۔ اس وقت کس کا فون آسکتا تھا۔ چوتھی گھنٹی پر میں نے ریسیور اٹھایا تو ساؤتھ بینڈ کے سارجنٹ میکنا کی آواز سنائی دی۔

میں سارجنٹ میکنا بول رہا ہوں۔ مسٹر روجر ہم نے فریڈرک کو گرفتار کرلیا ہے۔

مونیکا تو خیریت سے ہے نا۔ میری بیوی۔

تمہاری بیوی۔ اس نے حیرت سے کہا۔

ہاں۔ وہ اسے یہاں سے لے گیا ہے کیا مونیکا وہاں نہیں ہے۔

نہیں فریڈرک کے ساتھ کوئی اور نہیں تھا ہم نے اسے تنہا گرفتار کیا ہے مگر ایک مسئلہ یہ اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ ہمیں رقم نہیں مل رہی ہے۔

کون سی رقم۔

جو اس نے چرائی تھی۔ اگر وہ صرف تمہاری بیوی کو دھمکی دے رہا تھا تو اس بنا پر اسے گرفتار نہیں کیا جاسکتا تھا البتہ جب تم نے اس کا نام لیا تو ہمیں یاد آیا کہ اس نے کلیولینڈ کے ایک بینک میں ڈاکا مارا تھا۔

میں نے ریسیور رکھ دیا اور کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔ اور روش کی طرف دیکھنے لگا جہاں مونیکا کی کار کھڑی تھی۔ مگر وہ کار اب وہاں نہیں تھی۔ گویا میں عقبی دروازے کے بجائے سامنے والے دروازے سے داخل ہوتا تو۔

میں کچھ سوچ کر الماری کی طرف گیا تو وہ خالی دکھائی دی۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے تمام کپڑے اور رقم غائب تھی۔

مونیکا بھی غائب تھی۔

میں نے کچن میں جا کر ایک گلاس میں بربن انڈیلی اور اس کی چسکیاں لینے لگا۔ یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مونیکا مجھ سے بے وفائی کرسکتی ہے۔

☆☆☆

Pakistanipoint
Waqar Azeem

# دیدہ ور

الف صدیقی

سائنسی موضوع پر اس جنوں صفت ولولہ انگیز سے بھرپور سلسلہ وار کہانی

الف صدیقی

# دیدہ ور

**سائنسی موضوع پر اس جنون جنبش و ولولہ انگیز سے بھرپور سلسلہ وار کہانی**

پچاس ہزار ڈالر ڈاکٹر نے ژوآن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

ایک لاکھ ڈالر سے کم میں بات نہیں بنے گی ژوآن نے کہا۔ اس سے پہلے تم ایک لاکھ ڈالر کی بات کر چکے ہو۔ کیا تمہارے خیال میں یہ رقم بہت زیادہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔ وہ خالص کاروباری انداز میں گفتگو کر رہا تھا جس میں دھمکی کا شائبہ تک موجود نہیں تھا۔

جو معلومات تمہیں درکار ہیں ان کی نوعیت کے لحاظ سے یہ رقم زیادہ نہیں ہے ژوآن نے کہا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ زرد نسل کی برتری کی تحریک ایک بڑی اور مضبوط تنظیم ہے۔ اس تنظیم کے اندر صرف چند ہی لوگ ایسے ہیں جو باس سے واقف ہیں۔ تنظیم کے لوگوں کی اکثریت باس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور خوش قسمتی سے میں ان چند لوگوں میں سے ایک ہوں جو باس سے واقفیت رکھتے ہیں۔

گو کہ یہ رقم بہت زیادہ ہے تاہم معاملے کی اہمیت کے پیش نظر ہمارے پاس تمہارا مطالبہ منظور کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے ڈاکٹر نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ لیکن ہماری طرف سے ایک شرط ہوگی۔

وہ کیا۔ ژوآن نے پوچھا۔

وہ یہ کہ اگر تم نے غلط معلومات فراہم کیں یا ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کی تو اس صورت میں تمہیں جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے ڈاکٹر نے کہا۔ یہ بات واضح رہے کہ غلط اطلاع کی صورت میں ہمیں جلد ہی آپ کا علم ہو جائے گا۔

اطمینان رکھو ژوآن نے کہا۔ مجھے مرنے کی کوئی جلدی نہیں ہے اور پھر ایک لاکھ ڈالر لے کر آدمی جھوٹ بولنا پسند نہیں کرے گا۔

---

یہ تھا گزشتہ قسط کا خلاصہ

اب آگے پڑھیے

ٹھیک ہے ڈاکٹر نے کہا۔ اب شروع ہو جاؤ

نہیں ژوآن نے کہا۔ مجھے پہلے رقم چاہیے

اوہ تم بہت بے صبرے آدمی معلوم ہوتے ہو ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنا بریف کیس اٹھا کر اسے تھما دیا

اس میں پورے ایک لاکھ ڈالر کی رقم موجود ہے ڈاکٹر نے کہا۔ تم چاہو تو اسے گن سکتے ہو۔ گو کہ اس میں وقت لگے گا۔ تاہم ہم لوگ انتظار کر سکتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہاری پورے طور پر تشفی ہو جائے

مجھے تم پر اعتبار ہے ژوآن نے بریف کیس کو اپنے قبضے میں کرتے ہوئے کہا۔ میں رقم گننے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا

ٹھیک ہے ڈاکٹر نے کہا۔ اب ہم تمہارے انکشافات کے منتظر ہیں

میں بتاتا ہوں ژوآن نے کہنا شروع کیا۔ ڈاکٹر لی ایک عورت ہے

عورت۔ ڈاکٹر نے حیرت سے کہا۔ اسے ایک دم فیتھ یاد آ گئی تھی

ہاں ژوآن نے کہا۔ ایک چینی نژاد امریکی عورت جوڈو کراٹے نشانہ بازی اور لڑائی بھڑائی کے بہت سے طریقوں کی زبردست ماہر چاقو اور خنجر پھینک کر مارنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ نہایت سخت گیر اور سخت دل عورت اور اس کے ساتھ ہی ایک نہایت قابل اور ذہین ڈاکٹر

اس کا پورا نام۔ ڈاکٹر نے پوچھا

فی الحال تو میڈم لی کہا جاتا ہے ژوآن نے جواب دیا۔ لیکن ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد وہ مسز چنگ کہلانے لگے

کیا وہ شادی کرنے والی ہے۔ ڈاکٹر نے پوچھا

ہاں۔ ژوآن نے جواب دیا۔ وہ چنگ کے ساتھ شادی کرنے والی ہے۔ چنگ ایک اہم آدمی ہے اور میڈم لی نے اسے اپنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے

کیا تم اس سے شادی کے خواہشمند تھے۔ ڈاکٹر نے پوچھا

میڈم لی کی محبت کی خاطر ہی تو میں اس کی تنظیم میں شامل ہوا تھا ژوآن نے جواب دیا۔ ورنہ مجھے اس قسم کے دھندوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو ایک انشورنس ایجنٹ تھا۔ ایک نہایت کامیاب انشورنس ایجنٹ اور میں نے اس بزنس سے اچھی خاصی کمائی کر لی۔ اسی بزنس کی کمائی سے میں نے ایک خوبصورت سا گھر بھی خرید لیا۔ میڈم لی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں اس کی تنظیم میں شامل ہو جاؤں اور اس کے لیے کام کروں تو وہ میرے ساتھ شادی کر لے گی۔ دراصل بات یہ ہے کہ وہ بے حد حسین عورت ہے اور میں اسے بہت زیادہ پسند کرنے لگا تھا۔ میں اس کی تنظیم میں شامل ہو گیا۔ بظاہر میں تھوڑا بہت انشورنس کا کام بھی کرتا رہا۔ لیکن میرا اصل کام اب تحریک کے ساتھ تھا مگر میڈم لی نے اپنا وعدہ وفا نہ کیا

چنگ بیچ میں کہاں سے کود پڑا۔ ڈاکٹر نے پوچھا

چنگ پہلے سے تحریک میں موجود تھا ژوآن نے جواب دیا۔ اور اس کا اور میڈم لی کا معاشقہ بھی کافی عرصے سے چل رہا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے صرف استعمال کرنا چاہا

لیکن جیسا کہ تم نے کہا کہ اس قسم کے دھندوں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں تھا اور تم محض ایک انشورنس ایجنٹ تھے۔ پھر تمہارے اندر ایسی کون سی خاص بات تھی جس کی بنا پر ڈاکٹر لی تمہیں اپنی تنظیم میں شامل کرنا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر نے پوچھا

میں تائیوان کا رہنے والا ہوں ژوآن نے کہا۔ میرا خاندان وہاں کے ثروت مند طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ میرے خاندان کے بہت سے لوگ وہاں کی حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں میڈم لی چاہتی تھی کہ میں اس کے اور تائیوان کی حکومت کے درمیان روابط کا کام کروں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب میں نے اپنے بعض رشتہ



داروں سے اس سلسلے میں بات کی تو انہوں نے اس پورے نظریے کو سختی سے مسترد کر دیا۔ میں نے یہ بات میڈم لی کو بتا دی۔ وہ کافی بددل بھی ہوئی۔ لیکن اس نے کہا کہ اس کا مشن جاری رہے گا

تو کیا اسی لیے میڈم لی نے تم سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ ڈاکٹر نے پوچھا

ہاں ژوآن نے افسردگی کے ساتھ کہا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ چنگ کے ساتھ شادی کرے گی۔ کیونکہ اس کے خیال کے مطابق وہ اور چنگ ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہ سکتے ہیں۔ اس نے معذرت خواہانہ انداز میں مجھ سے کہا کہ وہ ہزار کوشش کے باوجود مجھ سے شادی کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکی

کیا میڈم لی نے یہ نہیں سوچا کہ تمہیں ناراض کر کے وہ خطرہ مول لے رہی ہے۔ ڈاکٹر نے پوچھا۔ تم اس کے خلاف بغاوت بھی کر سکتے تھے۔

اگر اس احمق عورت نے یہ سوچا ہوتا تو آج میں تم سے اس کے نام کے بارے میں سودے بازی نہ کر رہا ہوتا ژوآن نے مسکرا کر کہا۔ آخر اپنی ہونے والی بیوی کو کون نقصان پہنچا سکتا ہے۔

> چنگ کے ناقابل یقین اور حیرت انگیز رویے کی وجہ اب پورے طور پر ڈاکٹر کی سمجھ میں آ چکی تھی۔ زرد نسل کی برتری کی تحریک کی باس میڈم لی چنگ کی محبوبہ تھی اور وہ اپنی محبوبہ کو کسی قیمت پر بھی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے شدید ترین اذیت جھیلی اور بالآخر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا لیکن اس نے میڈم لی کا نام لینا گوارا نہیں کیا۔ ڈاکٹر کو اندازہ ہوا کہ چنگ کے دل میں میڈم لی کے لیے کس قدر گہری محبت کے جذبات موجود تھے۔ جب کہ اس کے مقابلے میں ژوآن ایک نہایت گھٹیا لالچی اور فریبی آدمی ثابت ہوا تھا۔ ڈاکٹر دل ہی دل میں میڈم لی کی اس بات کو سراہ رہا تھا کہ اس نے ژوآن جیسے نامعقول آدمی سے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنگ واقعی ایک بہادر اور مخلص آدمی تھا

چنگ اور میڈم لی کی شادی کب ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر نے مکاری سے پوچھا

بہت جلد ژوآن نے جواب دیا۔ چنگ نے مجھے خود یہ بات بتائی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ لاس اینجلز کی مہم کو کامیابی کی ساتھ سر کر لینے کے بعد اس کی اور میڈم لی کی شادی ہو جائے گی

لاس اینجلز کی مہم سے کیا مراد ہے۔ ڈاکٹر نے پوچھا

سچ تو یہ ہے کہ اس کی پوری تفصیلات کا علم صرف میڈم لی ہی کو ہے ژوآن نے کہا۔ یا ممکن ہے کہ چنگ کو بھی ساری تفصیلات معلوم ہوں۔ مجھے تو اس بارے میں صرف اتنا معلوم ہے کہ یہاں کسی ڈاکٹر جوزف کا انسٹی ٹیوٹ ہے جس میں کوئی نوجوان ڈاکٹر انسانی دماغ کی تسخیر کے موضوع پر کام کر رہا ہے۔ ڈاکٹر لی چاہتی ہے کہ اس نوجوان ڈاکٹر کی تحقیقات کے اب تک کے نتائج سے واقفیت حاصل کر لے اور اس کے آئندہ کے منصوبے کے بارے میں بھی جان لے۔ اس کا خیال ہے کہ زرد نسل کی برتری کی کوشش میں انسانی دماغ کی تسخیر کا نسخہ بہت زیادہ کارآمد ثابت ہوگا میڈم لی خود ایک بہت لائق اور تجربہ کار ڈاکٹر ہے۔ میں تو ان چیزوں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ انسانی دماغ کی تسخیر کبھی ممکن ہو سکتی ہے یا نہیں

یہ سراسر احمقانہ بات ہے ڈاکٹر نے زور دے کر کہا۔ یہ بات وہ ژوآن کو نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں کو سنانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ یہ صرف افسانوی باتیں ہیں۔ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے

خیال تو میرا بھی یہی ہے ژوآن نے کہا۔ لیکن میڈم لی کو اس بات سے بہت دلچسپی ہے اور وہ اپنی تحریک کے کئی آدمیوں کے ساتھ اسی سلسلے میں یہاں آئی ہوئی ہے۔ مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ یہاں سے چلی جائے گی

یہ ڈاکٹر ژوآن کی باتیں سن رہا تھا اور اس کے دماغ پر جیسے ہتھوڑے بج رہے تھے۔ میڈم لی اور اس کی تحریک کے قائدین کا خاتمہ ایک نہایت ضروری امر بن گیا تھا۔ ان لوگوں کی تباہی میں ہی ڈاکٹر کے منصوبوں کی بقا مضمر تھی

میری صرف ایک خواہش ہے ژوآن نے آہستہ سے کہا

وہ کیا۔ ڈاکٹر نے پوچھا

چنگ اور میڈم لی کی شادی نہ ہونے پائے ژوآن نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ میں یہ نہیں برداشت کرسکتا کہ میڈم لی میرے بجائے چنگ کی بیوی بنے

لیکن میڈم لی تو تم سے شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہے ڈاکٹر نے کہا

کوئی پروا نہیں ژوآن نے جوشیلے انداز میں کہا۔ اگر میں نہیں تو پھر چنگ بھی نہیں

میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ چنگ اور میڈم لی کی شادی نہیں ہوسکے گی ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ میڈم لی کہاں رہتی ہے۔ اس کا پتا کیا ہے۔

اس کا مستقل قیام تو ڈھاکو میں ہے ژوآن نے کہا۔ لیکن ان دنوں وہ لاس انجلز میں ہی موجود ہے

وہ لاس انجلز میں کہاں مقیم ہے۔ ڈاکٹر نے پوچھا۔ ژوآن نے اس مکان کا پتا بتادیا جہاں میڈم لی قیام پذیر تھی

وہ لاس انجلز کی خصوصی مہم کے سلسلے میں یہاں آئی ہوئی ہے۔ ژوآن نے کہا۔ تنظیم کے صرف چند لوگ ایسے ہیں جو اسے باس کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا ہی پسند کرتی ہے یہاں لاس انجلز میں میرے اور چنگ کے علاوہ صرف دو افراد اور ہیں۔ جو میڈم لی کو باس کی حیثیت سے جانتے ہیں

وہ کون ہیں۔ ڈاکٹر نے پوچھا

ان میں سے ایک کا نام ساؤ اور دوسرے کا لاؤچی ہے

ژوآن نے جواب دیا

کیا یہ دونوں میڈم لی کے ساتھ مقیم ہیں۔ ڈاکٹر نے پوچھا

نہیں صرف ساؤ اس کے ساتھ مقیم ہے ژوآن نے جواب دیا۔ لاؤچی دوسری جگہ مقیم ہے

☆☆☆☆

بہت بہت شکریہ ژوآن ڈاکٹر نے کہا۔ اب یہ رقم تمہاری ہے اور عنقریب اس رقم کے ساتھ تمہیں باہر جانے کی اجازت ہوگی

کیا مطلب۔ ژوآن نے ایک دم چونک کر پوچھا۔ عنقریب سے تمہاری کیا مراد ہے۔ میں نے اپنا کام پورا کردیا ہے اور اب میں یہاں رکنا نہیں چاہتا

بے شک بے شک ڈاکٹر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ تمہیں رکنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہماری طرف سے تم بالکل آزاد ہو۔ صرف تھوڑی سی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہم میڈم لی پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے تمہارا باہر جانا مناسب نہیں سمجھتے اور اگر غور کرو تو یہ بات تمہارے حق میں بھی ہے

کیا میرے حق میں ہے اور کیا میرے حق میں نہیں ہے یہ بات میں تم سے زیادہ بہتر طور پر جانتا ہوں ژوآن نے تلخ لہجے میں کہا۔ تمہیں اپنے وعدے کا پاس کرنا ہوگا۔ میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے جانا چاہتا ہوں

جذباتی مت بنو ژوآن ڈاکٹر نے دھیمے لہجے میں کہا۔ صرف ایک دو دن کی بات ہے۔ اس کے بعد تم جاسکتے ہو۔ ہمارا تمہارا رابطہ تو آئندہ بھی برقرار رہے گا۔ یہ تعاون تو قائم رہنے کے لیے وجود میں آیا ہے

میں پہلے بھی یہ کہہ چکا ہوں کہ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی ژوآن نے غصے کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ تم مجھ سے بعد میں رابطہ قائم کرسکتے ہو۔ یانگ کو میرا ٹھکانہ معلوم ہے۔ فی الحال میں جانا چاہتا ہوں



اور اس کے ساتھ ہی ژوآن رقم کا بریف کیس ہاتھ میں پکڑے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا

ژوآن کو بلیو ہاؤس میں پہنچادو ڈاکٹر نے اسمتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اسمتھ آگے بڑھا اور اس نے سیاہ ٹوپا جو قریب ہی ایک کرسی پر پڑا ہوا تھا۔ اٹھا کر ژوآن کے چہرے پر چڑھانے کی کوشش کی۔ ژوآن مزاحمت پر آمادہ ہوگیا اور اسمتھ کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرنے لگا۔ ڈاکٹر نے رچمنڈ کو اشارہ کیا۔ رچمنڈ نے آگے بڑھ کر ایک ایسا زوردار تھپڑ ژوآن کے منہ پر رسید کیا کہ ژوآن کا سر چکرا گیا۔ اسمتھ نے فوراً ٹوپا اس کے سر پر چڑھادیا۔ رچمنڈ اور اسمتھ مل کر اس کے دونوں ہاتھوں کو پشت کے پیچھے لے جاکر باندھنے لگے

یہ سراسر دھاندلی ہے ژوآن ٹوپے کے اندر سے چلایا۔ تم لوگ میرے ساتھ زیادتی کررہے ہو

بچے نہ بنو ژوآن ڈاکٹر نے بدستور دھیمے لہجے میں کہا۔ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہورہی ہے۔ یہ سب کچھ تمہارے اپنے ہی مفاد کے لیے ہے۔ دو ایک روز تک روپوش رہنا تمہارے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس کے بعد ہم تمہیں مع رقم کے جانے دیں گے

یانگ کہاں ہے۔ ژوآن نے زور سے چلا کر کہا۔ میں یانگ سے بات کرنا چاہتا ہوں

یانگ سے اس وقت تمہاری ملاقات کی ضرورت نہیں ڈاکٹر نے خشک لہجے میں کہا۔ لیکن بہت جلد تمہاری اس سے ملاقات کرادی جائے گی

ژوآن مسلسل احتجاج کرتا رہا۔ لیکن رچمنڈ اور اسمتھ دونوں نے مل کر اس کے ہاتھ پشت کے پیچھے لے جاکر باندھ دیے۔ اب وہ بالکل بے بس ہوچکا تھا

اور تب ژوآن کو احساس ہوا کہ وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھا ہے۔ شاید اپنی زندگی بھی۔ اسے یقین آگیا کہ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔ اسے یانگ نے فون کرکے بلایا تھا اور اب یانگ اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یانگ بھی غالباً ان کی قید میں ہے اور انہوں نے یانگ کو طاقت کے ذریعے مجبور کیا تھا کہ وہ اسے فون کرکے بلائے۔ اس کے بار بار کہنے کے باوجود یانگ کی اس سے ملاقات نہیں کرائی گئی تھی۔ معلوم نہیں یانگ اب زندہ بھی ہے یا نہیں۔ ژوآن اپنے آپ پر افسوس کرنے لگا کہ وہ کیوں اتنی آسانی سے ان لوگوں کے دام میں آگیا۔ اس کے دل میں چنگ اور میڈم لی کے خلاف اتنا غبار بھرا ہوا تھا کہ اس نے بھاری رقم کے لالچ میں سب کچھ ان لوگوں کے سامنے اگل دیا۔ اب اس کے پاس کوئی بھی ترپ کا پتہ موجود نہیں تھا۔ وہ اپنے سارے پتے کھول چکا تھا

اس نے اپنے جوش کے عالم میں کوئی بات بھی تو چھپا کر نہیں رکھی تھی

ژوآن کا دل بیٹھنے لگا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ وہ مکمل طور پر ان لوگوں کے رحم و کرم پر تھا۔ شاید اسے غصے اور برہمی کا اظہار کرکے ان لوگوں کو ناراض نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بلکہ نرم اور دوستانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے

مجھے یہ بتاؤ کہ آخر یہ عذاب مجھے کب تک جھیلنا پڑے گا۔ ژوآن نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ تم نے گفتگو کے دوران ایک بار بھی مجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم مجھے قیدی بنا کر رکھو گے

ہم تمہیں قیدی بنا کر نہیں رکھ رہے ہیں ژوآن ڈاکٹر نے کہا۔ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ تم بہت زیادہ بے صبری کا مظاہرہ کررہے ہو۔ زیادہ سے زیادہ دو دن بعد رقم سمیت تم آرام سے اپنے گھر جاسکو گے

ژوآن نے اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اب یہ لوگ اسے اتنی آسانی سے نہیں چھوڑیں گے اور اگر چھوڑیں گے بھی تو اس وقت جب وہ میڈم لی اور چنگ وغیرہ کا خاتمہ کردیں گے۔ ژوآن کو اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ چنگ پہلے ہی ان لوگوں کی

ایذا رسانی کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکا ہے اور اس کی لاش کو بھی ٹھکانے لگایا جا چکا ہے

ژوآن کو باہر لے جانے کے لیے تیار کیا جا چکا تھا۔ اب صبح ہونے میں ذرا سی دیر باقی تھی۔ گزشتہ چند گھنٹے زبردست واقعات اور ہنگاموں سے پر رہے تھے۔ انھی گھنٹوں کے دوران چنگ کو اغوا کیا گیا اور وہ پوچھ گچھ کے دوران ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد ژوآن کو اغوا کیا گیا اور اس نے پیسے کے لالچ میں ساری باتیں بتا دیں۔ ڈاکٹر کو اب واپس جانے کی جلدی تھی۔ وہ پوری طرح دن نکلنے سے پہلے پہلے اپنی رہائش گاہ پر واپس پہنچ جانا چاہتا تھا۔ صبح ہوتے ہی اسے اسپتال کے سلسلے میں اپنے کام کا آغاز کر دینا تھا

باس یانگ کا کیا کرنا ہے۔ اسمتھ نے ڈاکٹر کے کان میں پوچھا تا کہ ژوآن اس کی بات نہ سن لے

بلیو ہاؤس ڈاکٹر نے آہستہ سے جواب دیا۔ ہاروے کو یا کسی اور کو بھی ساتھ لے لو

> ہاروے نے فوراً گردن ہلا دی

یانگ اور ژوآن کو خاص طریقے کی ایک بند گاڑی میں ایک دوسرے سے الگ الگ بٹھا کر بلیو ہاؤس پہنچا دیا گیا۔ ان دونوں کے چہروں پر سیاہ ٹوپے چڑھے ہوئے تھے اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انہیں سختی کے ساتھ ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ کوئی گفتگو نہ کریں۔ اور خاموشی سے گاڑی میں بیٹھے رہیں۔ ویسے بھی ان دونوں کی نشستوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا

اس دوران ڈاکٹر اپنے لوگوں کو ضروری ہدایات دے کر وہاں سے روانہ ہو چکا تھا۔ آج کی ساری رات زبردست سرگرمیوں اور ہنگاموں کی نذر ہو گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر بہت خوش اور مطمئن تھا۔ ڈاکٹر لی اور اس کے گروہ کے بارے میں نہ صرف یہ کہ نہایت اہم معلومات حاصل ہو گئی تھیں بلکہ ان کے ایک اہم آدمی چنگ کو ہلاک بھی کیا جا چکا تھا۔ ژوآن ان کے قبضے میں تھا

ڈاکٹر ژوآن اور یانگ کے بارے میں سوچ کر دل ہی دل میں ہنسنے لگا

احمق کہیں کے اس نے دل میں سوچا۔ بھلا یہ لوگ کسی تحریک کے رکن بننے کے قابل ہیں۔ ان میں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے کہ ایک مخالف تنظیم کے ہاتھوں گرفتار ہو جانے کے بعد اپنے مقدر کے بارے میں جان سکیں۔ دونوں بیوقوف اس امید اور یقین کے حامل تھے کہ انہیں رہا کر دیا جائے گا اور وہ آرام سے اپنے اپنے گھروں کو واپس جا سکیں گے۔ چنگ کے علاوہ شاید ہی ان میں کوئی ہوشیار آدمی موجود ہے۔ بہر حال اب تو ان کی تباہی یقینی ہو گئی ہے۔ چنگ کی لاش کو تو مکمل طور پر ٹھکانے لگایا جا چکا تھا اور اب ان لوگوں کی بھی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ ایک آدھ روز میں ان کا بھی قصہ پاک کر دیا جائے گا۔ ان کی لاشوں کو بھی ٹھکانے لگا دیا جائے گا

> اچانک ایک عجیب و غریب خیال ڈاکٹر کے ذہن میں آیا۔ اس خیال کے آتے ہی اس کا چہرہ جیسے کھل اٹھا اور آنکھیں روشن ہو گئیں

اس سے عمدہ اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔ دو زندہ انسان

ڈاکٹر صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ اور اسے تھوڑی دیر آرام کرنے کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد وہ اسپتال کے کاموں میں معروف ہو گیا۔ مریضوں کی آمد اسپتال میں داخل مریضوں کا معائنہ وہی روزمرہ کے معمولات۔ دوپہر تک وہ اپنے کام سے فارغ ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے گاڑی نکالی اور باہر نکل گیا

ژوآن نے میڈم لی کا جو پتا بتایا تھا۔ وہ ایک ایسی جگہ کا پتا تھا جہاں بڑے بڑے مکانات واقع تھے۔ یہ علاقہ مالدار لوگوں کی آبادی تھی۔ ڈاکٹر اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ جلد ہی وہ وہاں پہنچ گیا اور اسے اپنا مطلوبہ مکان تلاش کرنے میں دقت بھی نہیں پیش آئی

مکان کے قریب ایک بغلی سڑک پر اس نے اپنی گاڑی



کھڑی کر دی اور پھر اپنی دوربین اور دردوں بین نظروں کا زاویہ مکان کی جانب درست کر دیا

یہ ایک کافی وسیع مکان تھا۔ لیکن ڈاکٹر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس میں کسی بھی قسم کے حفاظتی انتظامات موجود نہیں تھے لیکن فوراً ہی اس کی سمجھ میں اس کا سبب آ گیا۔ میڈم لی کی شخصیت سے چونکہ چند افراد کے علاوہ کوئی واقف نہیں تھا اس لیے اسے کسی سے ڈرنے کی اور حفاظتی انتظامات کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر کو فیتھ یاد آ گئی جو تنظیم کی باس ہونے کے باوجود ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتی تھی۔ جہاں کسی بھی قسم کے حفاظتی انتظامات موجود نہیں تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ فیتھ کی اصل شخصیت سے بھی معدودے چند لوگوں کے علاوہ اور کوئی واقف نہیں تھا۔ فیتھ کے ساتھ اس کی خاص ملازمہ میکی رہتی تھی۔ جو اس تنظیم کی ایک رکن تھی

ڈاکٹر کی نظریں پورے مکان کا جائزہ لینے میں معروف ہو گئیں۔ اسے ایک کمرے میں مصروف دو افراد نظر آئے۔ ان میں اسے ایک مرد تھا اور ایک عورت۔ دونوں چینی نژاد معلوم ہوتے تھے۔ عورت کے جسم پر نہایت خوبصورت اور قیمتی پھولدار گاؤن تھا۔ وہ خود بھی بہت خوبصورت اور صحت مند عورت تھی۔ اس کی عمر کوئی تیس پینتیس سال کے قریب تھی۔ عام چینی عورتوں کے مقابلے میں اس کا قد بھی اچھا خاصا تھا جس کی وجہ سے اس کی شخصیت میں اور بھی زیادہ دلکشی پیدا ہو گئی تھی

مرد پستہ قد لیکن مضبوط تن و توش کا آدمی تھا۔ اس کا سر گھٹا ہوا تھا اور آنکھیں چھوٹی اور تیز تھیں۔ مرد ٹیلی فون پر کسی کا نمبر ملا رہا تھا۔ عورت ایک صوفے پر خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ پریشانی کے آثار تھے۔ ڈاکٹر اس آدمی کو پہچانتا تھا۔ یہ ساؤ تھا۔ جس نے روفس کے قتل میں حصہ لیا تھا

ڈاکٹر نے اندازہ لگایا کہ جس جگہ مرد نے فون کیا ہے وہاں گھنٹی بج رہی ہے۔ لیکن کوئی ریسیور نہیں اٹھا رہا ہے۔

مرد ریسیور ہاتھ میں پکڑے ہوئے خاموش کھڑا تھا۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح کھڑا رہا۔ عورت اسے دیکھتی رہی۔ اس کے بعد مرد نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور اس نے عورت سے کچھ کہا۔ ڈاکٹر اس کی آواز نہیں سن سکا تھا۔ صرف اس کے ہونٹوں کو ہلتے ہوئے دیکھ سکتا تھا

عورت نے جواب میں کچھ کہا۔ مرد تقلیما" جھکا اور دوبارہ کوئی نمبر ملانے لگا۔ اس بار بھی دوسری طرف سے کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ اور کافی دیر تک مرد نے انتظار کرنے کے بعد ریسیور واپس رکھ دیا

عورت اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ اب خاصی پریشان لگ رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے۔ اور وہ آہستہ آہستہ کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ مرد خاموش کھڑا ہوا عورت کو دیکھ رہا تھا

یہ دونوں فون غالبا" چنگ اور ژوآن کو کیے گئے ہیں ڈاکٹر نے دل میں سوچا دونوں ہی اپنے اپنے ٹھکانوں سے غائب ہیں اور فون اٹھانے والا کوئی نہیں ہے۔ ان دونوں کی اچانک گمشدگی سے میڈم لی پریشان ہو رہی ہے

تمہاری اصل پریشانی تو اب شروع ہو گی۔ میڈم لی ڈاکٹر دل ہی دل میں ہنسا۔ تم پرلے درجے کی احمق ہو جو تم نے مجھ سے ٹکر لینے کی حماقت کی۔ تم نے خود اپنی موت کو دعوت دی ہے

> ان دو نفوس کے علاوہ ڈاکٹر کو پورے مکان میں صرف ایک انسان اور نظر آیا۔ وہ ایک سن رسیدہ چینی عورت تھی جو باورچی خانے میں کام کر رہی تھی۔ باقی پورے مکان میں کوئی اور شخص موجود نہیں تھا۔ گیراج میں دو کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک بیڈ روم میں تمام اشیاء زنانہ استعمال کی تھیں۔ ڈاکٹر نے سمجھ لیا کہ یہ بیڈ روم میڈم لی کے استعمال میں ہے۔ اس کے بعد دو کمرے چھوڑ کر ایک بیڈ روم کسی مرد کے استعمال میں تھا۔ ڈاکٹر کے اندازے کے مطابق اس بیڈ روم میں ساؤ رہ رہا تھا۔ میڈم لی اور ساؤ دونوں کے کمروں میں کئی قسم کے جدید ترین

ہتھیار موجود تھے۔ ان کمروں کے علاوہ گھر کے کسی اور کمرے میں کوئی ہتھیار موجود نہیں تھا

سارے گھر کا اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد ڈاکٹر نے اپنی نگاہیں ایک بار پھر سجے سجائے ڈرائنگ روم کی طرف مرکوز کردیں۔ جہاں میڈم لی اور ساؤ موجود تھے۔ اس وقت میڈم لی ساؤ سے کچھ بات کر رہی تھی اور ساؤ بار بار گردن کو خم کر رہا تھا

اس کے بعد ساؤ ایک بار پھر ٹیلی فون کی طرف بڑھا اور کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس بار ذرا سے وقفے کے بعد کسی نے دوسری طرف سے فون اٹھایا۔ ڈاکٹر نے ساؤ کے ہونٹوں کو ہلتے دیکھا۔ وہ فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ کوئی دو منٹ تک بات کرنے کے بعد ساؤ نے فون کا ریسیور واپس رکھ دیا اور میڈم لی سے بات کرنے لگا۔ میڈم لی نے اپنے ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔ ڈاکٹر نے اندازہ لگایا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ یا تو وہ لوگ کہیں جا رہے تھے اور یا پھر کوئی آنے والا تھا۔ انہیں کسی کا انتظار تھا

لیکن وہ لوگ کہیں نہیں گئے۔ میڈم لی دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی اور ساؤ کمرے سے باہر نکل گیا۔ ڈاکٹر نے ساؤ کو باورچی خانے کی طرف جاتے دیکھا۔ اس نے باورچی خانے میں جا کر معمر باورچن سے کوئی بات کی۔ شاید وہ اسے کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ اس کے بعد وہ واپس اسی کمرے میں آ گیا اور ایک دوسرے صوفے پر میڈم لی کے قریب بیٹھ گیا۔ دونوں آپس میں ایک بار پھر باتیں کرنے لگے

دونوں کے چہروں پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ چنگ اور ژوآن دونوں کی بیک وقت گمشدگی نے انہیں واقعی پریشان کر دیا ہوگا

ذرا دیر کے بعد میڈم لی نے ایک بار پھر اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی اور ساؤ سے کچھ کہا۔ ساؤ نے گردن ہلا کر کوئی جواب دیا۔ انہیں یقیناً کسی کا انتظار تھا۔ بے چینی سے انتظار

اور اس کے ذرا ہی دیر بعد ڈاکٹر نے مکان کے دروازے پر ایک کار کو رکتے ہوئے دیکھا۔ اس میں صرف ایک ہی شخص تھا اور وہ خود گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ بھی شکل سے چینی معلوم ہوتا تھا

میڈم لی سے ملنے کے لیے آنے والا شخص لاؤچی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا ڈاکٹر نے سوچا۔ ژوآن نے بتایا تھا کہ ساؤ اور لاؤچی دو آدمی یہاں ایسے ہیں جو باس کی اصل شخصیت سے واقف ہیں۔ ساؤ تو میڈم کے ساتھ ہی رہ رہا ہے اور لاؤچی دوسری جگہ ٹھہرا ہوا ہے۔ آنے والا شخص یقیناً لاؤچی ہوگا جسے میڈم لی نے موجودہ پریشان کن صورت حال پر بات چیت کرنے کے لیے بلایا ہے

چینی نے کار گیٹ کے باہر روک دی اور نیچے اتر کر بیل بجائی

ڈاکٹر نے ساؤ کو چونکتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ اٹھ کر باہر کی طرف چلا۔ گیٹ کے پاس جا کر اس نے گیٹ کو کھولا جو اندر سے بند تھا اور پھر آنے والا چینی اپنی گاڑی کو اندر لے آیا

گویا واحد حفاظتی انتظام جو اس مکان میں تھا وہ یہ تھا کہ مکان کا گیٹ اندر سے بند رہتا تھا

آنے والا شخص ساؤ کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اندر کی طرف چلا اور دونوں اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں میڈم لی بیٹھی ہوئی تھی۔ آنے والے شخص نے میڈم لی کو دیکھ کر اپنے سر کو تعظیماً" جھکایا اور میڈم لی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ شخص خاموشی سے بیٹھ گیا

اب میڈم لی بول رہی تھی اور وہ دونوں مرد خاموش تھے

اس اثناء میں چینی باورچن ایک ٹرے میں چینی چائے اور بہت سی کھانے پینے کی چیزیں لے کر کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی اور خاموشی سے کمرے باہر چلی گئی



وہ تینوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ڈاکٹر کے دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوئی کہ کسی طرح وہ ان کی باتیں سن لے۔ اس کا آلہ سماعت اس کی جیب میں موجود تھا۔ لیکن دن کے وقت مکان کے اندر داخل ہونا کسی طرح بھی خطرے سے خالی نہ تھا اور اس وقت وہ یہ خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ صرف ان لوگوں کو دیکھ ہی سکتا تھا۔ ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا

چائے کی ایک پیالی ختم کرنے کے بعد نووارد آہستہ سے اٹھا اور فون کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کوئی نمبر ڈائل کیا اور کسی سے بات کرنے لگا۔ گفتگو ختم کرنے کے بعد وہ پھر صوفے پر آ بیٹھا

جب نووارد وہاں سے جانے کے لیے اٹھا تو ڈاکٹر نے بھی اپنی گاڑی چلا دی۔ دراصل وہ اس امر کا یقین حاصل کرنا چاہتا تھا کہ نووارد لاؤچی ہی ہے یا کوئی اور شخص ہے۔ جس وقت نووارد کی گاڑی گیٹ سے باہر نکلی۔ اس وقت ڈاکٹر کی گاڑی اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر موجود تھی۔ ڈاکٹر نے اپنی دوربین اور دردوں بیں نظروں سے نووارد کی جیبوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ جلد ہی اس نے اس کا ڈرائیونگ لائسنس تلاش کر لیا۔ وہ لاؤچی ہی تھا

ڈاکٹر نے ایک خاص فاصلے سے لاؤچی کا پیچھا کرنا شروع کر دیا

لاؤچی کی سب سے پہلی منزل چنگ کا مکان تھا۔ وہ بلڈنگ میں داخل ہو کر لفٹ میں گیا۔ ڈاکٹر نے اپنی گاڑی عمارت کے باہر روکی۔ اور اپنی دوربیں اور دردوں بیں نظروں سے لاؤچی کی سرگرمیوں کو دیکھنے لگا۔ لاؤچی اس فلیٹ کے دروازے پر پہنچا جس میں چنگ مقیم تھا۔ اس نے کال بیل بجائی۔ ڈاکٹر دیکھ رہا تھا کہ چنگ کا فلیٹ بالکل خالی پڑا ہوا تھا۔ کئی بار گھنٹی بجانے کے بعد بھی دروازہ نہیں کھلا۔ لاؤچی نے اپنے چاروں طرف غور سے دیکھا۔ پھر اس نے جلدی سے اپنی جیب میں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور ذرا سی کوشش کے بعد وہ تالا کھولنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا

لاؤچی نے پورے فلیٹ کا جائزہ لیا۔ چنگ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ لاؤچی مایوس ہو کر وہاں سے باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ اب وہ ژوآن کے مکان کا رخ کرے گا۔ اس کا خیال بالکل صحیح ثابت ہوا۔ لاؤچی کا رخ اب ژوآن کے فلیٹ کی طرف تھا۔ وہاں بھی وہی کچھ ہوا جو اس سے پہلے چنگ کے فلیٹ پر ہو چکا تھا۔ لاؤچی وہاں سے بھی بے نیل و مرام واپس آ گیا

ڈاکٹر نے ایک خاص فاصلے سے لاؤچی کا تعاقب جاری رکھا۔ کچھ دیر کے بعد لاؤچی کی گاڑی ایک بڑے خوبصورت مکان کے دروازے پر جا کر رک گئی۔ ڈاکٹر اس مکان اور یہاں کے مکینوں سے ناواقف تھا لیکن جب اس نے اپنی دوربیں اور دردوں بیں نگاہوں کو ادھر ادھر دوڑایا تو اس کی یہ ناواقفیت واقفیت میں بدل گئی۔ اس نے مکان کے گیٹ پر لگی ہوئی نام کی تختی کو پڑھ لیا۔ یہ یانگ کا مکان تھا

لاؤچی نے بیل بجائی اور ڈاکٹر مکان کے اندر کا جائزہ لینے لگا۔ مکان کے اندر موجود ساز و سامان اور آرائش و زیبائش سے مکینوں کی خوشحالی اور امارت کا اندازہ ہوتا تھا۔ ایک ادھیڑ عمر کی چینی عورت ایک سجے سجائے بیڈ روم میں بستر پر خاموش لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں خلا میں گھور رہی تھیں۔ وہ بڑی اداس نظر آ رہی تھی۔ ڈاکٹر کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ مسز یانگ ہوگی

اس نے بیل کی آواز سنی اور چونک اٹھی۔ اپنے قیمتی گاؤن کو سنبھالتی ہوئی وہ اٹھی اور گیٹ کے پاس جا پہنچی۔ اس نے گیٹ کھول دیا۔ لاؤچی نے اسے دیکھ کر گردن جھکا کر تعظیم دی اور کچھ کہا۔ مسز یانگ نے لاؤچی کو اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ وہ دونوں ایک کمرے میں داخل ہو کر آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اور باتیں کرنے لگے

مسز یانگ بار بار دوران گفتگو اپنی گردن نفی میں ہلا رہی

تھی اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ لاؤچی اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا اور اس کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر تھپتھپا" اسے تسلی دینے لگا۔ مسز یانگ مسلسل رو رہی تھی اور کچھ کہہ رہی تھی

کچھ دیر تک وہاں رکنے کے بعد لاؤچی وہاں سے واپس آ گیا

اس کے بعد لاؤچی تین مختلف جگہوں پر اور گیا یہ سب چینیوں کے ٹھکانے تھے۔ لاؤچی نے ان لوگوں سے کیا باتیں کیں یہ تو ڈاکٹر نہیں جان سکا۔ لیکن اس کے لیے یہ سمجھنا بہت آسان تھا کہ تحریک والوں کو اب خطرے کا احساس ہو گیا ہے اور وہ چوکنے اور ہوشیار ہو گئے ہیں۔ انہیں تین آدمیوں کی گمشدگی کا علم ہو چکا ہے۔ اور وہ انکی تلاش میں شہر کا کونہ کونہ چھان ماریں گے۔ ڈاکٹر کے پاس اب زیادہ وقت نہیں تھا

بس آج کی رات ڈاکٹر نے دل میں سوچا۔ آج کی رات بڑی کارروائی کرنے کی رات ہے۔ آج اصل قصے کو نمٹا دینا ضروری ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے کچھے لوگوں کو تو بعد میں بھی ٹھکانے لگایا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو میڈم لی کا حساب چکانا تھا

کئی گھنٹے کی بھاگ دوڑ کے بعد لاؤچی اپنے گھر واپس چلا گیا۔ ڈاکٹر نے اسے اپنے گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔ اور اس کے بعد وہ وہاں سے واپس روانہ ہو گیا۔ اب اس کا رخ اپنی رہائش گاہ کی طرف تھا

اچانک ڈاکٹر کو نہ جانے کیا خیال آیا کہ اس نے جاتے جاتے اپنا راستہ بدل دیا۔ اور اب وہ ایک بار پھر میڈم لی کے شاندار مکان کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ چلتے چلتے ایک نظر میڈم کے مکان پر ڈال لی جائے۔ شاید وہاں کوئی اور شخص موجود ہو۔ کوئی اور نیا آدمی جس کی شکل سے ڈاکٹر واقفیت حاصل کر لے

جب ڈاکٹر کی دوربیں اور دوروں بیں نظروں نے میڈم لی کے مکان کو اپنی گرفت میں لیا تو اس وقت اسے احساس ہوا کہ اس نے دوبارہ یہاں آ کر بڑی عقل مندی کا مظاہرہ کیا ہے

میڈم لی کے مکان کے اندرونی مناظر میں بڑی اہم تبدیلیاں آ چکی تھیں

ڈاکٹر کی دوربیں اور دوروں بیں نگاہوں نے گیٹ کے پیچھے دو مسلح چینیوں کو دیکھا۔ وہ دونوں پستہ قد لیکن بہت مضبوط جسموں کے مالک تھے اور ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے سردمہری اور سفاکی عیاں تھی۔ گیٹ کے پیچھے اب کئی کرسیاں رکھ دی گئی تھیں۔ اور دونوں چینی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ ڈاکٹر نے ان کے اسلحہ کا جائزہ لیا۔ ان دونوں کے پاس ہلکی سب مشین گنیں تھیں

ڈاکٹر کی نگاہوں نے اپنا سفر جاری رکھا اور اب وہ مکان کے اندرونی حصے کا جائزہ لے رہا تھا۔ سامنے والے برآمدے میں جو ایک طویل برآمدہ تھا اور جو میڈم لی اور ساؤ کے بیڈ روموں کے ساتھ ملحق تھا۔ دو مزید مسلح چینی موجود تھے۔ ایک برآمدے کے اس سرے پر تھا اور دوسرا دوسرے سرے پر۔ ان دونوں کے پاس بھی ہلکی سب مشین گنیں تھیں اور وہ اس وقت کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے

خطرے کے احساس کے ساتھ ہی حفاظتی اقدامات کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ڈاکٹر نے دل ہی دل میں سوچا۔ پھر اس کی نظریں میڈم لی کو تلاش کرنے لگیں۔ میڈم لی اس وقت اپنے بیڈ روم میں تھی۔ وہ بستر پر نیم دراز تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ اور میڈم لی اسے کسی کسی وقت اٹھا کر ایک گھونٹ لے لیتی تھی۔ ڈاکٹر کی آنکھیں میڈم لی کے بیڈ روم کا جائزہ لینے لگی

بیڈ روم میں دو بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں۔ ایک پیچھے کے رخ پر اور ایک بائیں جانب۔ کھڑکیوں میں لوہے کی جالی موجود نہیں تھی۔ البتہ شیشے کافی موٹے موٹے تھے۔ پچھلی کھڑکی کی پشت پر ایک عقبی برآمدہ تھا۔ اس برآمدے میں اس وقت کوئی مسلح محافظ موجود نہیں تھا۔ برآمدے کے



آگے لان تھا اور اس کے بعد مکان کی اونچی چار دیواری تھی

اگر عقبی برآمدے میں کوئی مسلح پہرے دار موجود نہ ہو تو اس بیڈ روم میں داخل ہونا بہت آسان ہے ڈاکٹر نے سوچا لیکن اسے یقین تھا کہ رات کے وقت اس برآمدے کو خالی نہیں چھوڑا جائے گا۔ کوئی نہ کوئی پہریدار یہاں ضرور موجود ہو گا

ڈاکٹر نے ساؤ کو تلاش کیا۔ اس کی نظریں سارے گھر میں بھٹکتی پھریں لیکن اسے ساؤ کہیں نظر نہیں آیا۔ شاید وہ کہیں گیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کی نظریں باورچی خانے کی طرف مڑیں مسز باؤ۔ جن بھی وہاں موجود نہیں تھی لیکن ڈاکٹر کی نظروں نے اسے تلاش کر لیا۔ وہ اپنا کام ختم کر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں آرام کر رہی تھی

ڈاکٹر نے ہتھیاروں کے ذخیرے کو اچھی طرح تلاش کیا۔ لیکن ان سب مشین گنوں کے علاوہ جو ان چار چینی محافظوں کے پاس تھیں اور میڈم لی اور ساؤ کے بیڈ روم میں موجود اسلحے کے علاوہ جسے وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ اور کوئی ہتھیار کہیں بھی موجود نہیں تھا

میڈم لی کے کمرے کی دونوں کھڑکیاں اندر سے اچھی طرح بند تھیں۔ مکان میں سامنے والے گیٹ کے علاوہ ایک عقبی دروازہ بھی تھا جو اندر سے بند تھا۔ یہ لوہے کا جالی دار دروازہ تھا۔ ڈاکٹر نے اس کا اچھی طرح جائزہ لیا اور دل ہی دل میں اپنے منصوبے کی کڑیاں ملانے لگا

ابھی ڈاکٹر جائزے میں ہی مصروف تھا کہ اس نے ساؤ کو ایک گاڑی میں آتے دیکھا۔ گاڑی گیٹ پر رکی اور غالباً" ساؤ نے ہارن بجایا۔ کیونکہ اندر موجود ایک چینی نے فوراً اٹھ کر گیٹ کھولا اور گردن نکال کر باہر دیکھا۔ ساؤ کو دیکھ کر اس نے پورا گیٹ کھول دیا۔ اس کی گاڑی اندر آ گئی۔ محافظ نے فوراً گیٹ دوبارہ بند کر دیا۔ ساؤ نے گاڑی گیراج میں بند کر دی اور برآمدے میں سے گزر کر میڈم لی کے دروازے پر جا پہنچا۔ اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ میڈم لی کے ہونٹ ہلے۔ ساؤ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے اور ساؤ بولنے لگا

ڈاکٹر صرف ساؤ کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ ساؤ اس وقت میڈم لی کو یہ بتا رہا تھا کہ اس نے اور لاؤچی نے چنگ ژوآن اور یانگ کو ہر ممکن جگہ پر تلاش کر ڈالا ہے لیکن ان تینوں کا کہیں پتا نہیں چلا

وہ تینوں ضرور کسی مشکل کے شکار ہو چکے ہیں میڈم لی نے کہا۔ ناممکن ہے کہ وہ اس شہر میں موجود ہوں اور ہم سے ان کا رابطہ ٹوٹ جائے۔ چنگ اور ژوآن کو آج صبح میرے پاس آنا تھا۔ ہمیں اگلے چند دن کے پروگراموں کو آخری شکل دینی تھی۔ لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں آیا

اور یانگ تو گزشتہ چار دن سے لاپتا ہے ساؤ نے کہا

ہمیں اپنے دشمن گروپ کے ایک ایک فرد کا خون پینا ہو گا میڈم لی نے دانت پیس کر کہا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچ سکے۔ اب تمہیں اور لاؤچی کو اس ساری مہم کی منصوبہ بندی کرنی ہو گی

ڈاکٹر نے ان دونوں کو باتیں کرتا چھوڑا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ انکی گفتگو وہ سن تو نہیں سکا۔ لیکن میڈم لی کو دانت پیستے دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ سخت غصے میں ہے اور اپنے دشمنوں کو پیس کر رکھ دینا چاہتی ہے

ڈاکٹر نے واپسی میں ایک فون بوتھ سے ہیڈ کوارٹر فون کیا اور اسمتھ سے بات کی۔ اس نے اسمتھ کو حکم دیا کہ وہ اس کے پرانے گھر پہنچے۔ وہ خود بھی اسی طرف روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اور اسمتھ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے

یہ ہے وہ مکان جہاں میڈم لی مقیم ہے ..... ڈاکٹر نے پنسل سے کاغذ پر ایک نقشہ بنانے کے بعد کہا۔ اور پھر وہ اسمتھ کو تفصیل سے بتانے لگا کہ ان لوگوں کو کیا کیا کرنا تھا

آدھی رات سے ذرا پہلے ڈاکٹر بدلے ہوئے حلیے میں

اپنی گاڑی میں بیٹھا ہوا جا رہا تھا۔ اس کی ہدایت کے مطابق اس کے پیچھے آنے والے لوگوں کی گاڑی اس سے دو میل کے فاصلے پر تھی۔ پیچھے آنے والی گاڑی میں جو لوگ موجود تھے۔ ان میں سے ڈاکٹر کو جاننے والا صرف جیمس تھا۔ جیمس کے علاوہ اس میں صرف تین آدمی تھے۔ لیکن تینوں کے تینوں ماہر اور چالاک قاتل اور بڑے ہوشیار لوگ تھے۔ جیمس نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق انہیں اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے

ڈاکٹر نے مکان کے قریب پہنچ کر اپنی نظر کا زاویہ درست کیا اور پورے مکان کی اندرونی صورت حال کا جائزہ لیا۔ ڈاکٹر کا خیال درست تھا۔ اس وقت میڈم لی کے بیڈ روم کے پچھلے برآمدے میں بھی ایک مسلح محافظ موجود تھا۔ ایک مسلح محافظ اگلے برآمدے میں تھا اور دو محافظ گیٹ کے پیچھے موجود تھے۔ صورت حال تقریباً "ویسی ہی تھی۔ جیسی کہ ڈاکٹر کے ذہن میں تھی

میڈم لی اپنے کمرے میں بے خبر سو رہی تھی۔ ساؤ اپنے بیڈ روم میں تھا۔ ڈاکٹر نے سارے منظر کو غور سے دیکھا۔ پورے مکان کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ اس کی نگاہیں باورچن کو تلاش کر رہی تھیں۔ لیکن وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ اس نے ایک منزلہ مکان کے گوشے گوشے کو کھنگال ڈالا۔ اور تب اس نے سوچا کہ شاید باورچن رات کو اس گھر میں نہیں رہتی۔ کہیں اور رہتی ہے اور صرف دن کے وقت کام کرنے آتی ہے

ڈاکٹر نے جیمس کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آدھی رات کے قریب اس کے خصوصی ذرائع اسے مکان کی اندرونی صورت حال کے بارے میں ٹھیک ٹھیک اطلاع دیں گے اور پھر جیمس اور اس کے ساتھیوں کو اسی اطلاع کے مطابق طے شدہ پروگرام کی روشنی میں عمل کرنا چاہئے

ڈاکٹر نے اپنے پاس موجود ٹرانسمٹر آن کیا اور جیمس سے رابطہ قائم کیا

صورت حال بالکل وہی ہے جیسا کہ میرا خیال تھا ڈاکٹر نے کہا۔ طے شدہ ہدایات کے مطابق عمل کیا جائے

عمل کیا جائے گا جیمس نے جواب دیا۔ ہم لوگ تیار ہیں

>ڈاکٹر نے اپنی گاڑی ایک ایسی محفوظ جگہ پر کھڑی کر دی جہاں سے اس کا نظر آنا دشوار تھا۔ اور اب وہ جیمس کی گاڑی کو میڈم لی کے مکان کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر مکان پر ڈالی۔ اس کے اندرونی مناظر میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی

جیمس کی گاڑی کی روشنیاں بند تھیں اور نیم تاریکی میں معمولی رفتار سے چلی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر کی نظریں اس کی حرکت کو صاف طور پر دیکھ رہی تھیں۔ جیمس کی گاڑی میڈم لی کی قیام گاہ کی پشت پر آ کر آہستہ سے رک گئی جیمس گاڑی میں ہی بیٹھا رہا۔ باقی تینوں آدمی تیزی سے گاڑی سے نیچے اترے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں پر ربڑ کے دستانے پہنے ہوئے تھے اور ان کی جیبوں میں وہ سارا سامان موجود تھا جس کی انہیں ضرورت تھی اور اس سامان میں ڈاکٹر کی فراہم کردہ خصوصی اشیاء بھی شامل تھیں

وہ لوگ خاموشی سے عقبی دروازے کے پاس پہنچے جو لوہے کی جالی کا بنا ہوا تھا اور جس میں اندر کی طرف سے تالا پڑا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک نے اپنے کوٹ کی جیب میں سے ایک چھوٹی سی مشین نکالی جو طاقتور بیٹری سے چلتی تھی۔ اس میں ایک مضبوط تیز اور باریک آری لگی ہوئی تھی۔ عقبی دروازے کی طرف اندھیرا تھا۔ ویسے بھی عقبی دروازہ برآمدے سے کافی فاصلے پر تھا اور برآمدے میں موجود مسلح محافظ کی نظروں میں نہیں آ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ ایک سرے پر واقع تھا۔ اس شخص نے آری لوہے کے کنڈے پر رکھ کر مشین کا بٹن دبا دیا۔ بہت ہی ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز پیدا ہونے لگی اور دو منٹ سے بھی کم وقفے میں وہ کنڈا کٹ کر الگ ہو گیا۔ کنڈا کٹ جانے کے بعد اس نے دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ وہ تینوں خاموشی سے اندر داخل ہو گئے



دور اپنی گاڑی میں بیٹھا ہوا ڈاکٹر نیم تاریکی میں رونما ہونے والے ان واقعات کی دھندلی دھندلی تصویریں دیکھ رہا تھا

اب وہ تینوں کھلی جگہ کو عبور کر کے بلی کی چال سے عقبی برآمدے کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں مسلح محافظ سب مشین گن گلے میں لٹکائے برآمدے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہل رہا تھا

برآمدے کے قریب پہنچ کر دو آدمی رک گئے۔ صرف ایک آدمی بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سائلنسر لگا ہوا ریوالور تھا

برآمدے کے قریب پہنچ کر وہ شخص زمین پر لیٹ گیا۔ برآمدے کے فرش کی اونچائی زمین سے تقریباً" چار فٹ تھی۔ وہ شخص برآمدے کے سامنے والے حصے سے بالکل چپک کر زمین پر لیٹا تھا۔ اس طرح برآمدے میں ٹہلنے والا محافظ اسے اس وقت تک نہیں دیکھ سکتا تھا جب تک کہ وہ برآمدے کے فرش کے بالکل قریب آ کر نیچے کی طرف نہ دیکھے۔ اس شخص کے لیے یہ بالکل محفوظ پوزیشن تھی۔ وہ آہستہ آہستہ سرکتا رہا۔ اس کے کان مسلح محافظ کے قدموں کی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ محافظ اسی طرف آ رہا تھا۔ وہ شخص زمین سے چپکا ہوا۔ دم سادھے پڑا رہا

محافظ کے قدموں کی آواز بالکل قریب آ گئی اور پھر آہستہ آہستہ دور ہونے لگی۔ اس شخص نے احتیاط کے ساتھ اپنا سر اوپر اٹھایا۔ محافظ برآمدے کے دوسری سمت میں جا رہا تھا۔ محافظ کی پشت اس کی طرف تھی۔ اس شخص نے ایک لمحے سے بھی کم عرصے میں اپنا ریوالور والا ہاتھ اٹھایا اور گولی چلا دی۔ وہ شخص تنظیم کے بہترین نشانہ بازوں میں سے ایک تھا اور اس کے بارے میں یہ بات کہی جاتی تھی کہ وہ اڑتی ہوئی بہت چھوٹی سی چڑیا کو بھی بالکل صحیح طور پر اپنا نشانہ بنا سکتا ہے

کلچ کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی محافظ کا بدن ایک طرف ' ' ا اور پھر فرش پر ڈھیر ہو گیا

وہ شخص فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے ہاتھ ہلا کر اپنے بقیہ دو ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لیا

ان تینوں نے آپس میں کوئی گفتگو نہیں کی۔ ان میں سے ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسے کیا کام کرنا ہے۔ ڈاکٹر کی منصوبہ بندی ہمیشہ مکمل اور بے عیب ہوتی تھی

پہلے والا شخص برآمدے میں ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں میں ریوالور ہنوز موجود تھا۔ زمین پر پڑے ہوئے محافظ کی پشت سے خون کا فوارہ پھوٹ رہا تھا اور جسم میں ہلکی ہلکی لرزش تھی۔ اس شخص نے محافظ کے بدن پر دوسری گولی چلانے کی ضرورت نہیں محسوس کی

دو آدمیوں میں سے ایک میڈم لی کے بیڈ روم کی عقبی کھڑکی کی طرف اور دوسرا شخص ساؤ کے بیڈ روم کی کھڑکی کی طرف لپکا۔ کھڑکیوں کے قریب پہنچتے ہی انہوں نے اپنی اپنی جیبوں میں سے موٹا شیشہ کاٹنے والے اوزار نکالے اور تیزی سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ پانچ منٹ کے اندر اندر وہ شیشہ کاٹ چکے تھے

دونوں نے کمال مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اپنے کاٹے ہوئے شیشے کو اندر گرنے سے روک دیا۔ اور اسے پکڑ کر آہستہ سے دیوار کے ساتھ ٹکا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد دونوں آہستہ سے کھڑکی کو کھول کر اندر کود گئے

میڈم لی اپنے کمرے میں بے خبر سو رہی تھی کہ موت نے اسے آ لیا۔ آنے والے شخص نے بالکل آسانی کے ساتھ اسے اپنے سائلنسر لگے ہوئے ریوالور کے نشانے پر لے لیا۔ ایک گولی چلی اور میڈم لی کا سویا ہوا بدن بڑے زور سے اچھلا۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ ابلنے لگا۔ قاتل بڑے غور سے اس کے پھڑکتے ہوئے جسم کو دیکھ رہا تھا۔ چند منٹ کی کشمکش کے بعد اس کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا

دوسرے کمرے میں بھی کم و بیش اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ ساؤ کا سویا ہوا جسم سوتا ہی رہ گیا۔ قاتل کی ایک گولی نے اس کا کام تمام کر دیا تھا

ڈاکٹر نے میڈم لی اور ساؤ دونوں کو قتل ہوتے ہوئے

دیکھا اور اس کے چہرے پر ایک مطمئن مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ جیمس ان سارے واقعات سے بے خبر باہر گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا

میڈم لی کو قتل کرنے والا شخص اسی خاموشی سے کھڑکی سے باہر کود گیا جس خاموشی سے وہ اندر آیا تھا۔ وہاں ستون سے لگا ہوا اس کا ساتھی کھڑا ہوا تھا۔ دونوں نے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ میڈم لی کے قاتل نے آہستہ سے گردن ہلائی اور اس کا ساتھی مسکرا دیا

ساؤ کو قتل کرنے والے شخص نے چند منٹ تک انتظار کیا۔ اس کے بعد اس نے آہستہ سے سامنے والی کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکا۔ محافظ اس وقت کمرے کے سامنے ہی تھا۔ چند لمحوں کے بعد محافظ مڑا اور برآمدے کے دوسری طرف جانے لگا۔ اب محافظ کی پشت اس طرف تھی

اس شخص نے تیزی سے ساؤ کے کمرے کا دروازہ کھولا اور قبل اس کے کہ محافظ چونک کر پلٹ سکے اس کے سائلنسر لگے ہوئے ریوالور نے محافظ کی پشت میں سوراخ کر دیا

محافظ چکر کھا کر گھوما اس نے آخری لمحوں میں اپنی سب مشین گن سے فائر کرنا چاہا لیکن قاتل کے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی اتنی ہلاکت آفریں تھی کہ وہ پورے طور پر گھوم بھی نہ سکا اور سب مشین گن کو پکڑے ہوئے زمین پر گر گیا۔ سب مشین گن پھسل کر فرش پر گر گئی۔ قاتل خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر برآمدے میں آیا۔ اس نے سب مشین گن پر ساؤ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس نے سب مشین گن اٹھالی۔ سب مشین گن اٹھا کر وہ دوبارہ کمرے میں آیا جہاں بستر پر ساؤ کی لاش کے اوپر رکھ دی اور دوبارہ کھڑکی کے پاس آ گیا۔ وہاں وہ شخص اس کا منتظر تھا۔ جس نے میڈم لی کو ہلاک کیا تھا۔ اور وہ خود بھی کھڑکی کے راستے اندر آ گیا۔ وہ دونوں کمرے کے اندر موجود تھے۔ اس وقت بھی ان دونوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی

دونوں کے ہاتھوں میں سائلنسر لگے ہوئے ریوالور موجود تھے اہم کامیابیوں کے بعد ان کے حوصلے اور زیادہ بلند ہو گئے تھے۔ انہوں نے مکان میں موجود کل چھ افراد میں سے چار کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ جن میں سے دو تو محافظ تھے اور دو وہ اصل افراد تھے جن کو قتل کرنے کی خاطر محافظوں کو بھی قتل کرنا پڑا تھا۔ اب انہیں ان دو باقی محافظوں کو بھی ٹھکانے لگانا تھا جو گیٹ کے اندر ڈیوٹی دے رہا تھے

برآمدے سے گیٹ تک کا فاصلہ کافی تھا۔ اور برآمدے سے گیٹ نظر بھی نہیں آتا تھا۔ ان دونوں کو کھلی جگہ میں آنے کا خطرہ مول لینا تھا۔ لیکن انہیں پہلے ہی تمام ضروری ہدایات دی جا چکی تھیں کہ کس طرح وہ یقینی کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ ڈاکٹر نے مکان کی ایک ایک تفصیل کو اپنے ذہن میں رکھا تھا اور اس طرح پروگرام ترتیب دیا تھا کہ اگر اس پر ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ عمل کیا جائے تو ناکامی کے بہت کم امکانات تھے۔ وہ دونوں ہوشیار آدمی تھے اور ان ہدایات پر پوری طرح عمل کر رہے تھے۔ جو انہیں دی گئی تھیں

دونوں برآمدے سے اتر کر نیچے آ گئے۔ اب انہیں یہاں سے لان تک پہنچنا تھا جس کے اردگرد پھولوں کی کیاریاں تھیں دونوں اس وقت تک آہستہ آہستہ احتیاط سے چلتے رہے جب تک گیٹ ان کی نظروں کے سامنے نہیں آ گیا۔ گیٹ کے نظروں میں آنے سے پہلے ہی وہ زمین پر لیٹ گئے اور رینگتے ہوئے لان کی طرف بڑھنے لگے۔ اب وہ دونوں محافظوں کو بھی دیکھ سکتے تھے

دونوں محافظ صورت حال سے خاصے مطمئن نظر آ رہے تھے۔ وہ دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں کرسیوں کے بیچ میں ایک چھوٹی سی میز رکھی ہوئی تھی۔ میز پر دو بوتلیں دو گلاس سگریٹ کا پیکٹ اور تاش رکھے ہوئے تھے۔ دونوں محافظ تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دونوں خطرے



کے ہر احساس سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ ان کی سب مشین گنیں البتہ ان کے کندھوں سے لٹکی ہوئی تھیں

دونوں آدمی آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے لان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انہوں نے لمبا راستہ اختیار کیا تھا اور خود کو نیم تاریکی میں کافی حد تک محفوظ پا رہے تھے۔ ان کے جسموں پر لباس بھی سیاہ رنگ کے تھے

دور کھڑا ہوا ڈاکٹر اس سارے منظر کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ مکان کے عقب میں اپنی گاڑی میں بیٹھا ہوا جیمس ایک ایک لمحہ گن رہا تھا۔ اور اپنے ساتھیوں کی کامیابی کے ساتھ واپسی کا بے چینی سے منتظر تھا۔ اسے کچھ نہیں معلوم تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے

دونوں آدمی کامیابی کے ساتھ وسیع لان میں داخل ہو گئے۔ اب ان کا کام کافی آسان ہو گیا تھا۔ لان کے چاروں طرف اچھی خاصی اونچی ہیجز لگی ہوئی تھیں اور ہیجز کے ساتھ ساتھ اندر کی طرف پھولوں کی طویل کیاریاں چلی گئی تھیں۔ یہ ہیجز ان کے لیے بہترین حفاظتی دیواروں کا کام دے سکتی تھیں

ان دونوں کے رینگنے کی رفتار میں اب تیزی آ گئی۔ وہ جلد از جلد لان کے آخری سرے کے قریب پہنچ جانا چاہتے تھے۔ جہاں سے وہ محافظوں کا با آسانی نشانہ لے سکتے تھے۔ محافظ اطمینان سے تاش کھیلنے میں مصروف تھے

اچانک محافظوں نے کھیل ختم کر دیا۔ دونوں نے اپنے اپنے تاش میز پر ڈال دیئے۔ ایک محافظ نے انگڑائی لی اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسرا محافظ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ لان میں موجود دونوں آدمی اپنی جگہ پر رک گئے۔ ہیجز کی اونچائی کی وجہ سے انہیں اپنا سر تھوڑا سا اوپر اٹھا کر محافظوں کو دیکھنا پڑ رہا تھا۔ انہوں نے اپنی کہنیاں زمین پر ٹکا رکھی تھیں اور محافظوں کی نقل و حرکت کو دیکھ رہے تھے

دونوں محافظ اپنی اپنی سب مشین گنیں سنبھالے ہوئے اپنی جگہ سے چل پڑے۔ انہوں نے گیٹ کی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک چکر لگایا۔ لان میں موجود آدمیوں کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ اگر یہ دونوں سامنے والے برآمدے کی طرف نکل گئے تو انہیں وہاں اپنے ساتھی کی پڑی ہوئی لاش نظر آ جائے گی اور یہ ہوشیار ہو جائیں گے

اور بالکل یہی ہوا۔ وہ دونوں شاید اپنے تیسرے ساتھی سے بات کرنا چاہتے تھے۔ سامنے کے حصے کا ایک پہرا لگا کر وہ برآمدے کی طرف چلے۔ لان میں موجود آدمیوں کے لیے یہی بڑا نازک لمحہ تھا کیونکہ دونوں محافظ ان سے دور جا رہے تھے۔ جس جگہ وہ موجود تھے وہاں سے وہ محافظوں کا نشانہ نہیں لے سکتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ برآمدے تک پہنچنے کی صورت میں پھر ان کے لئے محافظوں پر قابو پانا مشکل ہوگا۔ وہ دونوں برآمدے سے کافی دور آ چکے تھے

اس صورت حال سے بچنے کا ان کے پاس ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ وہ جان پر کھیل جانے کا خطرہ مول لیں پہلی بار دونوں نے آپس میں کچھ بات کی اور اس کے ساتھ وہ اس طرح زمین سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ان کی کمریں جھکی ہوئی تھیں۔ دونوں تیزی سے لیکن آواز پیدا کیے بغیر لان کے اس حصے کی طرف دوڑنے لگے جدھر محافظ جا رہے تھے

محافظ آپس میں باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ جا رہے تھے

اچانک دونوں محافظوں میں سے ایک چلتے چلتے رک گیا۔ اور غور سے نیم تاریکی کی طرف دیکھنے لگا۔ دونوں آدمی دم بخود ہو کر ہیجز کے ساتھ چپک گئے۔ اپنے اپنے ریوالوروں پر ان کی گرفت سخت ہو گئی

کیا ہوا۔ دوسرے محافظ نے پہلے محافظ سے پوچھا

میں نے لان میں ایک سایہ سا دیکھا تھا دوسرے محافظ نے اپنی نظریں لان میں دوڑاتے ہوئے کہا

ہم مسلسل گیٹ پر موجود ہیں پہلے محافظ نے کہا۔ کوئی شخص گیٹ سے گزرے بغیر لان تک کس طرح پہنچ سکتا

ہے

ہوسکتا ہے میرا وہم ہو دوسرے محافظ نے کہا اور وہ پھر چل پڑے

دونوں آدمی اب اور زیادہ محتاط ہوگئے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھنے میں جلدی نہیں کی۔ وہ ہیجز کے ساتھ چپکے ہوئے کھڑے رہے۔ محافظوں کو انہوں نے کافی آگے نکل جانے کا موقع دیا۔ محافظ اب برآمدے سے زیادہ دور نہیں رہے تھے۔ تاہم دونوں آدمیوں سے ان کا فاصلہ اتنا تھا کہ نشانہ لیا جاسکتا تھا۔ لیکن دونوں آدمی اب زیادہ احتیاط سے کام لینے پر مجبور تھے۔ محافظوں کے پاس سب مشین گنیں موجود تھیں۔ دونوں محافظ تھوڑا اور آگے بڑھ گئے

ہمیں گیٹ سے زیادہ دور نہیں جانا چاہیے ایک محافظ نے دوسرے سے کہا

ٹھیک ہے دوسرے نے کہا۔ وانگ برآمدے میں ہوگا اسے یہیں سے آواز دے کر بلاؤ

وانگ پہلے محافظ نے زور سے آواز دی۔ لیکن کوئی جواب نہیں آیا

دونوں آدمی سمجھ گئے کہ وہ اپنے تیسرے ساتھی کو آواز دے کر اپنے پاس بلانا چاہتے ہیں۔ صورت حال قابو سے باہر ہوتی نظر آتی تھی۔ انہیں فوری طور پر عملی قدم اٹھانا تھا۔ دونوں محافظ اب ان کے نشانے کی زد سے تھوڑا سا آگے نکل گئے تھے

ان دونوں نے آپس میں پھر کچھ بات کی اور وہ دونوں ایک ساتھ جھکے جھکے تیزی سے ہیجز کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے آگے بڑھے۔ فوراً ہی ایک محافظ پلٹا اور غور سے لان کی سمت میں دیکھنے لگا۔ اور اسی کے ساتھ ان دونوں آدمیوں کے سائلنسر لگے ہوئے ریوالوروں نے شعلے اگل دیئے

ایک محافظ تو فوراً ہی ڈھیر ہوگیا۔ لیکن دوسرا محافظ جس نے لان کی طرف دیکھا تھا۔ زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ وہ خطرے کی بو پاتے ہی تیزی سے نیچے بیٹھ گیا تھا اور گولی اس کے سر پر سے سنسناتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اس نے فوراً ہی سب مشین گن سے فائر کھول دیا

دور بیٹھے ہوئے ڈاکٹر نے یہ منظر دیکھا اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہوگئے۔ وہ نیم تاریکی میں اپنی نظروں کی ساری قوت سے کام لے کر سب کچھ دیکھنا چاہتا تھا۔ پھر ہیجز کے پیچھے دونوں آدمی گھاس پر گر پڑے تھے۔ وہ فائر سے زخمی ہو کر نہیں گرے تھے بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ کو گرایا تھا۔ سب مشین گن کی زیادہ تر گولیاں گھنی ہیجز میں پھنس کر ناکارہ ہوگئی تھیں۔ وہ دونوں اپنے جسم کو زمین سے چپکائے ہوئے پڑے تھے۔ لیکن ان کے سر ذرا سے اوپر اٹھے ہوئے تھے۔ مگر اس پوزیشن میں وہ محافظ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اور خود محافظ تو انہیں بالکل ہی نہیں دیکھ سکتا تھا

محافظ چند سیکنڈ تک ہکا بکا اور پریشان کھڑا رہا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ لان کے اندر ہیجز کے پیچھے کتنے آدمی ہیں اور ان میں سے کوئی اس کی گولی کا نشانہ بنا ہے یا نہیں۔ وہ لان کے اندر داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس کا ساتھی زمین پر گرا پڑا تھا اور اس کے جسم سے خون بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ محافظ کی نظریں مسلسل لان کی جانب لگی ہوئی تھیں اور وہ نیم تاریکی میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا

دونوں آدمیوں نے زمین پر لیٹے لیٹے آپس میں کچھ باتیں کیں اور پھر ان میں سے ایک پیٹ کے بل رینگتا ہوا دوسری طرف جانے لگا۔ محافظ اپنی جگہ سے آہستہ آہستہ آگے آ گیا تھا اور اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نظریں لان کی طرف سے نہیں ہٹائی تھیں۔ دراصل وہ اس وجہ سے بھی پریشان تھا کہ سب مشین گن کی فائرنگ کی آواز سن کر بھی برآمدے میں موجود محافظ وانگ، پچھلے برآمدے کا محافظ اور دونوں کمروں میں سونے والے لوگوں میں سے کوئی بھی اس طرف نہیں آیا تھا۔ حالانکہ



رات کے سناٹے میں فائرنگ کی آواز بڑے زور سے گونجی تھی۔ اسے اس کا احساس ہو رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی بڑی گڑبڑ ہوگئی ہے

دوسرا آدمی رینگتا رینگتا کافی آگے نکل گیا۔ پھر اس نے اپنے اردگرد کی زمین ٹٹولی۔ اسے اپنی مطلوبہ چیز نہیں ملی۔ اس کا ہاتھ نرم نرم گھاس میں دھنس رہا تھا۔ تاہم اس نے اندھیرے میں اپنی تلاش جاری رکھی لیکن اسے کوئی پتھر کوئی لکڑی کا ٹکڑا یا کوئی سوکھی ہوئی شاخ نہیں ملی۔ وہ رینگتا ہوا ذرا سا آگے بڑھا اور چاروں طرف ہاتھ مارنے لگا۔ لیکن اسے ناکامی ہوئی

آخر اس نے ایک اور خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنی جیب میں سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ بیس سگریٹوں کا پورا ابھرا ہوا پیکٹ اس کی جیب میں تھا اور وہ مطلوبہ حد تک وزنی بھی تھا۔ اس نے احتیاطاً" سگریٹ کے پیکٹ کو چھ طرف سے گھاس پر اچھی طرح رگڑا۔ تاکہ اس پر اس کی انگلیوں کے جو نشانات پہلے سے موجود ہیں وہ مٹ جائیں۔ اس وقت تو وہ ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے تھا اس لیے نشانات آنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا

اس نے سگریٹ کے پیکٹ کو ہاتھ میں پکڑ کر زور سے آگے کی طرف کافی دور پر اس طرح اچھال دیا کہ وہ ہیجز کے ساتھ جا ٹکرایا۔ سنسان اور خاموش رات میں پیکٹ کے شاخوں کے ٹکرانے سے ایک ہلکی سی آواز پیدا ہوئی محافظ جو بے حد چوکنا تھا۔ فوراً آواز کی سمت میں گھوم گیا اور اس نے ادھر اپنی سب مشین گن سے فائر کھول دیا

اس آدمی کے لیے جو پیچھے رہ گیا تھا۔ اتنا موقع کافی تھا جیسے ہی محافظ آواز کی سمت میں گھوما اور اس نے فائرنگ شروع کی۔ وہ شخص برق رفتاری سے اپنی جگہ سے اچھلا اور اس نے آن واحد میں محافظ کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ سائلنسر لگے ہوئے ریوالور سے نکلنے والی گولی محافظ کے سر پر لگی اور اس کی کھوپڑی کئی ٹکڑوں میں منقسم ہوگئی۔ وہ زمین پر گر گیا اور سب مشین گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی

پیکٹ پھینکنے والے شخص نے سب مشین گن اور محافظ کے زمین پر گرنے کی آواز سنی۔ وہ سمجھ گیا کہ کام ہوگیا ہے۔ اس دوران اس کا ساتھی تیزی سے دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اب وہ جھک کر نہیں دوڑ رہا تھا۔ بلکہ سیدھا کھڑا ہو کر دوڑ رہا تھا

کام ہوگیا اس نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا۔ اب جلدی سے بھاگو

ٹھہرو دوسرے شخص نے کہا۔ پہلے مجھے اپنا سگریٹ کا پیکٹ اٹھا لینے دو مجھے پتھر کے بجائے اسے استعمال کرنا پڑا تھا۔ ہمیں کوئی نشانی نہیں چھوڑنی چاہیے

جلدی کرو پہلے شخص نے کہا

باہر کافی فاصلے پر ڈاکٹر نے یہ سارے مناظر دیکھے۔ اور اس کے چہرے پر فتحمندانہ مسکراہٹ دوڑ گئی

جیمس نے دو مرتبہ فائرنگ کی آواز سنی اور اس کا دل سخت مضطرب ہوگیا

عقبی برآمدے میں کھڑے ہوئے شخص نے فائرنگ کی آواز سنی اور مستعد ہوگیا

اس شخص نے اپنی جیبی ٹارچ کی مدد سے ہیجز میں پھنسا ہوا اپنا سگریٹ کا پیکٹ تلاش کر لیا اور پھر وہ دونوں وہاں سے بھاگ نکلے

مکان میں اب کوئی شخص زندہ نہیں بچا ہے ایک نے کہا

ہم نے بڑی کامیابی سے اپنا کام پورا کیا دوسرے نے کہا۔ جیمس یہ جان کر بہت خوش ہوگا

>وہ دونوں تیزی سے برآمدے میں آ کر میڈم لی کے بیڈ روم میں داخل ہوئے اور میڈم لی کی لاش پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کھلی ہوئی کھڑکی سے عقبی برآمدے میں کود گئے۔ جہاں ان کا تیسرا ساتھی ان کا منتظر تھا۔ اپنے دونوں ساتھیوں کو زندہ دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ سارا منصوبہ کامیاب رہا ہے

تینوں بجلی کی سی تیزی سے عقبی دروازے کی طرف

بڑھے

ان تینوں میں سے کسی کو خبر نہیں تھی اور خود جیمس کو اور ڈاکٹر آرتھر کو بھی اس بات کی خبر نہیں تھی کہ دو مرتبہ فائرنگ کی آواز سننے کے بعد پڑوس کے ایک آدمی نے پولیس کو فون کر دیا ہے اور پولیس کی ایک گشتی پارٹی کو جو اسی علاقے میں موجود تھی۔ وائرلیس کے ذریعے اس جگہ پہنچنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ خود ڈاکٹر اپنے آدمیوں کی کارروائی کو دیکھنے میں اتنا زیادہ محو تھا کہ اس نے آس پاس کے مناظر پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ورنہ شاید وہ اس شخص کو پریشانی کے عالم میں فون کرتے ہوئے دیکھ کر یہ اندازہ لگا لیتا کہ وہ پولیس کو فون کر رہا ہے

وہ تینوں آدمی تیزی سے گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ جب ان سب نے بیک وقت پولیس کی گاڑی کے سائرن کی آواز سنی۔ وہ چاروں گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے

جلدی کرو۔ جیمس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ شاید کسی طرح پولیس کو خبر ہو گئی ہے۔ سائرن کی آواز اسی طرف آ رہی ہے

وہ تینوں تیزی سے گاڑی میں گھس گئے اور جیمس نے گاڑی دوڑا دی۔ وہ اس علاقے سے جلد از جلد باہر نکل جانا چاہتا تھا

عین اسی وقت جیمس کو ٹرانسمٹر پر سگنل موصول ہوا۔ ڈاکٹر اسے پیغام دے رہا تھا

پولیس کی گاڑی تمہارے سر پر پہنچنے والی ہے ڈاکٹر نے کہا۔ وہ لوگ مکان کی عقبی سڑک پر ہی آ رہے ہیں۔ بتیاں بند رکھو اور تیزی سے اگلی سڑک پر نکل کر جلدی جلدی موڑ کاٹتے جاؤ۔ تم لوگ خطرے میں ہو جیمس نے جلدی سے ڈاکٹر کو مطلع کر دیا کہ کام ہو چکا ہے

اس کے ساتھ ہی ٹرانسمٹر بند ہو گیا۔ جیمس نے بتیاں روشن کیے بغیر گاڑی کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ پولیس کی گاڑی کی آواز لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہی تھی اور عین جس وقت جیمس کی گاڑی سڑک کے اگلے سرے پر موڑ کاٹ رہی تھی۔ اسی وقت پولیس کی گاڑی پچھلے سرے سے سڑک پر داخل ہوئی

پولیس کی گاڑی نے جیمس کی گاڑی کو بھاگتے دیکھ لیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی پولیس کی گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی

ڈاکٹر نے جیمس کو بہت سوچ سمجھ کر ہدایات دی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ اگر پولیس کی گاڑی جیمس کی گاڑی کو اس سڑک پر دیکھ لے گی تو لازما" اسے رکنے کا حکم دے گی۔ کیونکہ اس وقت سڑک پر موجود وہ واحد گاڑی تھی اور پولیس دریافت حال کے لیے اسے ضرور روکتی۔ ایک بار روک لیے جانے کی صورت میں ان لوگوں کے لیے بڑے مسائل پیدا ہو جاتے۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ اس گاڑی کی نمبر پلیٹ جعلی تھی۔ انتہائی خطرناک مہمات کے دوران وہ لوگ عموما" جعلی نمبر پلیٹوں والی گاڑیاں استعمال کرتے تھے۔ تاکہ اگر اتفاق سے کوئی نمبر نوٹ بھی کر لے تو اس سے پولیس کو کوئی مدد نہ ملے۔ دوسری بات یہ تھی کہ ان لوگوں کے پاس ایسے آلات و اوزار اور ہتھیار وغیرہ موجود تھے جن کی موجودگی کا یہ کوئی معقول جواز پیش نہیں کر سکتے تھے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ان کا جائے واردات سے فرار ہونا بہت ضروری تھا

ڈاکٹر نے دیکھا کہ پولیس کی گاڑی نے جیمس کی گاڑی کی ایک جھلک دیکھ لی ہے اور وہ اس کے پیچھے لگ گئی ہے۔ یہ صورت حال سخت خطرناک تھی۔ پولیس کی گاڑی میں وائرلیس موجود تھا۔ وہ لوگ اپنی مدد کے لیے دوسری گاڑی کو بھی بلا سکتے تھے جو آگے سے جیمس کی گاڑی کا راستہ روک لیتی اور وہ گھیرے میں آ جاتی۔ ڈاکٹر نے فورا اپنی گاڑی پولیس کی گاڑی کے پیچھے ڈال دی۔ اور رفتار بڑھا دی

جیمس اور اس کے تینوں ساتھیوں کو پتا چل گیا کہ پولیس کی گاڑی ان کے پیچھے لگ گئی ہے۔ پکڑے جانے



کی صورت میں مکمل تباہی تھی۔ جیمس نے اپنی گاڑی کی رفتار اور زیادہ تیز کر دی۔ پولیس کی گاڑی آندھی اور طوفان کی رفتار سے آ رہی تھی۔ اس کے سائرن رات کے سناٹے میں گونج رہے تھے

تم لوگوں کے پاس زہریلے کیپسول موجود ہیں۔ جیمس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا

ان سب نے اثبات میں جواب دیا۔ اس قسم کی مہمات پر روانگی سے قبل کارروائی میں حصہ لینے والے تمام لوگوں کے لیے زہریلے کیپسول ساتھ رکھنا ضروری تھا۔ تاکہ پولیس یا دشمنوں کے ہاتھوں پکڑے جانے کی صورت میں وہ فورا کیپسول نگل کر اپنا خاتمہ کر لیں اور ان سے کوئی معلومات حاصل نہ کی جا سکیں

پولیس کے ہاتھوں پکڑے جانے سے قبل ہمیں کیپسول نگل لینے ہیں جیمس نے بوجھل آواز میں کہا۔ یاد رکھو ہمیں کسی قیمت پر گرفتار نہیں ہونا

ہمیں معلوم ہے جیمس ان میں سے ایک بولا۔ اگر ہم گرفتار ہو گئے تو بجلی کی کرسی ہمارا مقدر ہو گی اور اس سے پہلے طرح طرح کی اذیتیں۔ اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں۔ یا پولیس کی گولی سے مر جائیں

شاید یہ ہماری زندگی کی آخری رات ہو دوسرے نے کہا۔ مگر پولیس اس معاملے میں کچھ یہ جان سکے گی۔ وہ صرف ہماری لاشوں کو حاصل کر سکے گی

اور لاشیں بولتی نہیں ہیں تیسرے شخص نے کہا

۔اتنا ناامید ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے جیمس نے گاڑی کی رفتار بڑھا کر ایک موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں

اسی وقت پیچھے سے ایک فائر کی آواز سنائی دی۔ لیکن جیمس کی گاڑی فائر کی رینج سے آگے تھی

اب انہوں نے فائرنگ شروع کر دی ہے ایک بولا۔ کسی لمحے بھی ہماری گاڑی کا ٹائر پھٹ سکتا ہے

جیمس کیا یہ بہتر ہو گا کہ ہم کار کے حادثے میں اپنی ہڈیاں تڑوانے کے بجائے کیپسول نگل لیں۔ دوسرا بولا

ابھی نہیں جیمس نے بھاری آواز میں کہا۔ میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں اور جیمس نے تیزی سے ایک اور موڑ کاٹا۔ اگر مہلت مل گئی تو ہم مقابلہ بھی کر سکتے ہیں

ڈاکٹر دانت بھینچے ہوئے تیزی سے پولیس کی گاڑی کے پیچھے اپنی گاڑی دوڑا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے اس موقع پر ذرا بھی کمزوری دکھائی تو اسے ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا ہو گا۔ وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ پولیس کی گاڑی کو اپنے نشانے کی زد میں لے آئے۔ پولیس والوں نے شاید پیچھے آنے والے خطرے کو نہیں محسوس کیا تھا۔ ویسے بھی ڈاکٹر کی گاڑی پولیس کی گاڑی سے ابھی کافی دور تھی۔ لیکن جو ہتھیار وہ پولیس والوں کی گاڑی پر آزمانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے کم فاصلے کی ضرورت نہیں تھی

ڈاکٹر نے اپنی گاڑی میں سے ایک خاص قسم کا ریوالور نکالا جس میں گولی کی جگہ ایک خاص طریقے سے تیار کردہ طاقتور بم رکھا ہوا تھا۔ اس نے بہت آگے بھاگتی ہوئی پولیس کی گاڑی پر نظریں جمائیں اور اپنا ہاتھ دبا کر ٹریگر دبا دیا۔ ریوالور کی نال سے چھوٹے سے راکٹ جیسی ایک شے نکلی اور اگلے لمحے ایک زوردار دھماکا ہوا۔ پولیس کی گاڑی کے پرخچے اڑ گئے اور اس کے ٹکڑے دور دور تک پھیل گئے۔ ان ٹکڑوں میں انسانی جسموں کے ٹکڑے بھی شامل تھے

جیمس کو یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ لوگ نہیں بچ سکیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس والوں نے اپنی مدد کے لیے مزید گاڑیاں بھی طلب کر لی ہوں۔ اور وہ دوسری طرف سے آ رہی ہوں۔ وہ جانتا تھا کہ مقابلہ کرنا بھی تقریبا" بے سود ہی ہو گا۔ تاہم یہ بات طے تھی کہ ان میں سے کسی کو بھی پولیس کے ہاتھوں گرفتار نہیں ہونا ہے

اسی وقت دوسرا فائر ہوا۔ جیمس نے تیزی سے گاڑی کو

ایک طرف کا ٹا۔ کوئی کھڑکی کے برابر سے گزر گئی

کیوں نہ ہم گاڑی روک کر ہتھیار سنبھال لیں۔ ان میں سے ایک بولا

ابھی جیمس اس کی بات کا جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ ان کے پیچھے کان پھاڑ دینے والا ایک زبردست دھماکا ہوا۔ جیمس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر لرز گئے اور گاڑی ایک دم ایک طرف جھول گئی۔ جیمس نے فوراً اسٹیئرنگ سنبھالا

یہ کیا ہوا۔ یہ کیا ہوا۔ جیمس نے بوکھلا کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا

پتا نہیں کیا ہوا وہ سب کے سب ایک ساتھ بول رہے تھے۔ پولیس کی گاڑی دھماکے سے تباہ ہوگئی ہے۔ اس کے تباہ شدہ ڈھانچے کے ٹکڑے چاروں طرف پھیل گئے ہیں اور ان میں آگ لگی ہوئی ہے

یوں لگتا ہے کسی نے ایک طاقت ور بم گاڑی پر مار دیا ہے ایک بولا

پیچھے بہت دور کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی لگ رہی ہے دوسرے نے کہا۔ شاید کوئی گاڑی ہے جو ہماری گاڑی کی طرح بغیر روشنیاں جلائے چل رہی ہے

اور اب وہ دوسری سڑک پر گھوم رہی ہے تیسرے نے کہا۔ جیمس نے اپنی گاڑی کی رفتار میں فرق نہیں آنے دیا۔ اور اسی تیزی سے چلتا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ اگلے چند منٹوں میں یہاں بہت سے لوگ جمع ہو جائیں گے

اسی وقت ٹرانسمیٹر پر جیمس کو سگنل ملا۔ ڈاکٹر اس سے بات کر رہا تھا

تعاقب کرنے والوں کو تباہ کر دیا گیا ہے ڈاکٹر نے کہا۔ تم اب محفوظ ہو۔ لیکن راستہ تبدیل کر لو اور ڈاکٹر نے جیمس کو نیا راستہ بتاتے ہوئے کہا۔ اس راستے سے اپنی منزل پر پہنچو اور انتظار کرو

ٹھیک ہے جیمس نے جواب دیا اور ٹرانسمیٹر بند کر دیا

کسی نے ہماری مدد کی ہے جیمس ایک شخص بولا۔ وہ سب کے سب بے حد خوش تھے

جیمس کا دل فخر مسرت اور انبساط کے احساس سے بھر پور تھا اس نے تو سمجھ لیا تھا کہ آج اس کی زندگی کا خاتمہ ہے۔ لیکن اب اسے نئی زندگی مل گئی تھی اور یہ زندگی اسے صرف اور صرف باس کے طفیل ملی تھی۔ وہ اور اس کے بقیہ تینوں ساتھی اپنی حیات نو کے لیے باس کے مرہون منت تھے

ہماری مدد کرنے والا شخص کوئی معمولی آدمی نہیں ہے جیمس نے اپنے ساتھیوں سے محتاط لہجے میں کہا۔ وہ عظیم ترین انسانوں میں سے ایک ہے۔ اگر اس وقت وہ ہماری مدد نہ کرتا تو ہم سب اب تک موت کے گھاٹ اتر چکے ہوتے

غالباً" وہ برابر ہماری نگرانی کر رہا تھا ایک شخص نے کہا۔ اسی نے ہمیں پولیس کے تعاقب کے بارے میں بھی اطلاع دی

مجھے تو تعجب اس بات پر ہے کہ پولیس اتنی جلدی آ کیسے گئی جیمس نے کہا۔ پولیس کو کس نے اطلاع دی۔ تم لوگوں کا بیان ہے کہ اس گھر میں جتنے بھی لوگ موجود تھے۔ تم نے ان سب کو ٹھکانے لگا دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ کوئی اور شخص کہیں چھپا ہوا موجود ہو۔ وہ تم لوگوں کے سامنے نہ آیا ہو اور اس نے پولیس کو مطلع کر دیا ہو۔

اس بارے میں کچھ یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا ان میں سے ایک کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ تاہم اس بات کے امکان کو یکسر نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہم نے پورے مکان کی تلاشی نہیں لی تھی۔ ہم نے تو صرف تمہاری ہدایات پر عمل کیا تھا

> جیمس ایک دوسرے راستے سے چکر کاٹ کر ہیڈ کوارٹر کی عمارت میں پہنچا۔ باقی سفر خیریت اور سکون سے کٹا۔ راستے میں نہ تو انہیں پولیس کی کوئی گاڑی ملی اور نہ کسی اور نے ان کا تعاقب کیا۔ اس نے اپنے تینوں ساتھیوں کو راستے میں مختلف جگہوں پر اتار دیا تھا اور وہ تنہا گاڑی لے کر ہیڈ کوارٹر آیا تھا۔ ہیڈ کوارٹر پہنچنے کے فوراً ہی



بعد گاڑی کی نمبر پلیٹ تبدیل کر دی گئی۔ پولیس کی گولیوں سے گاڑی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس لیے اسے چھپانے کی ضرورت نہیں تھی

ہاروے رچمنڈ اور اسمتھ بڑی بے چینی سے جیمس کی واپسی کے منتظر تھے

کیا خبر ہے۔ انہوں نے جیمس کے کمرے میں آتے ہی پوچھا

میڈم لی اس کے ساتھی ساؤ اور چار محافظوں کا کامیابی کے ساتھ خاتمہ کیا جا چکا ہے جیمس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہمارے کسی آدمی کے بدن پر خراش تک نہیں آئی اور پھر وہ ان لوگوں کو واقعات کی تفصیلات بتانے لگا

میرے خدا ساری بات سننے کے بعد رچمنڈ نے کہا۔ یہ ہمارا باس تو قیامت ہے قیامت۔ اگر وہ بروقت تمہاری مدد نہ کرتا تو تم باقی لوگوں کے ساتھ ختم ہو چکے ہوتے

میں نے تو دل میں سمجھ لیا تھا کہ یہ میری زندگی کی آخری رات ہے جیمس نے کہا۔ اگر پولیس والوں کو ایک بھی گولی اور چلانے کا موقع مل جاتا تو ہماری گاڑی کا ٹائر یقیناً پھٹ جاتا گاڑی الٹ کر نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچتی۔ اور پھر ہم لوگوں کا خدا جانے کیا انجام ہوتا

باس اگر عالمی اقتدار کی بات کرتا ہے تو ٹھیک ہی کرتا ہے ہاروے نے کہا۔ اس کے اندر واقعی اتنی قوت موجود ہے کہ وہ عالمی اقتدار حاصل کر سکتا ہے۔ اور اسے حاصل کرنا چاہیے وہ واقعی اس کا مستحق ہے

ایسے شاندار آدمی کے ساتھ کام کرنا واقعی بہت بڑی بات ہے جیمس نے کہا۔ اور صرف قسمت والوں کو ہی اس کا موقع حاصل ہوتا ہے

باس خود کیا اپنے گھر چلا گیا۔ اسمتھ نے پوچھا

نہیں جیمس نے جواب دیا۔ وہ آئے گا۔ اس نے ہمیں انتظار کرنے کا حکم دیا ہے

<-y...y...

y...y... ڈاکٹر نے پولیس کی گاڑی کو تباہ کرنے کے بعد فوراً اپنی گاڑی ایک سائڈ اسٹریٹ پر موڑ دی اور وہاں سے وہ تیزی کے ساتھ راستے بدلتا ہوا کہیں کا کہیں نکل گیا۔ اب وہ جائے واردات سے بہت دور جا چکا تھا

اس نے ایک بار کے آگے کار روکی۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ ذرا دیر پہلے پیش آنے والے واقعے نے اس کے اعصاب کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ اگر چند لمحوں کی بھی تاخیر ہو جاتی تو اسے زبردست دھچکا لگتا۔ اور اس دھچکے سے بچنے کے لیے اس نے ایک نہایت غیر معمولی خطرہ مول لیا تھا۔ اس نے کھلی سڑک پر پولیس کی گاڑی کو بم کے ذریعے تباہ کر دیا تھا۔ اس وقت اس کے ذہن سے یہ بات بالکل محو ہو گئی تھی کہ اسے دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ بہر حال اب جب کہ خطرہ ٹل چکا تھا اور وہ پوری طرح محفوظ تھا تو اسے اپنے تنے ہوئے اعصاب کو ڈھیلا کرنے کی ضرورت تھی

وہ بار کے اندر داخل ہو گیا اور اس نے وہسکی کے ایک ڈبل پیگ کا آرڈر دیا

وہسکی کے چند بڑے بڑے گھونٹ لینے کے بعد وہ اپنے آپ کو کافی پرسکون محسوس کرنے لگا۔ اس کے اعصاب کا تناؤ بہت کم ہو گیا۔ وہ تقریباً" آدھے گھنٹے تک بار میں بیٹھا رہا۔ اس نے دو بڑے پیگ ختم کیے۔ اب وہ مکمل طور پر پرسکون ہو چکا تھا

وہ بار سے نکل کر گاڑی میں بیٹھا اور ایک طرف کو روانہ ہو گیا۔ اسے اپنے منصوبے کے آخری حصے کو پورا کرنا تھا۔ اس کا رخ اب اس علاقے کی طرف تھا جہاں لاوچی کا گھر واقع تھا

اس نے اپنی گاڑی عمارت سے کچھ فاصلے پر ہی روک لی۔ اور پیدل وہاں سے عمارت کی طرف چل پڑا۔ عمارت کے قریب پہنچ کر اس نے لاوچی کے فلیٹ پر ایک نگاہ ڈالی۔ لاوچی اپنے بیڈ روم میں محو خواب تھا۔ ڈاکٹر اسے دیکھ کر ہولے سے مسکرایا اور عمارت کے پارکنگ لاٹ میں داخل ہو گیا۔ وہ لاوچی کی گاڑی کو اچھی طرح

پہچانتا تھا۔ کیونکہ آج ہی وہ اسے دیکھ چکا تھا

لاؤچی کی گاڑی کے پاس پہنچ کر اس نے اپنی جیب سے ایک ٹکیہ نکالی اور چپکے سے اسے لاؤچی کی گاڑی کے نیچے چپکا دیا۔ اس کے بعد وہ خاموشی سے وہاں سے چلا آیا۔ عمارت سے باہر نکل کر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا اور ایک طرف روانہ ہو گیا۔ اب اسے ایک پبلک فون بوتھ کی تلاش تھی۔ جلد ہی اسے فون بوتھ نظر آ گیا

ڈاکٹر نے اپنی گاڑی روکی اور فون بوتھ کے اندر داخل ہو کر دروازہ احتیاط سے بند کر دیا۔ اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر رومال رکھا اور لاؤچی کا فون نمبر ڈائل کرنے لگا

ساتویں گھنٹی پر لاؤچی نے فون اٹھا لیا۔ اس کی آواز نیند میں ڈوبی ہوئی تھی

ہیلو اس نے کہا

کیا تمہارا نام لاؤچی ہے۔ ڈاکٹر نے بھاری آواز میں پوچھا

ہاں میرا نام لاؤچی ہے۔ تم کون ہو۔

میں پولیس سارجنٹ ڈفرن بول رہا ہوں ڈاکٹر نے کہا۔ نارتھ اسٹریٹ پر واقع ایک مکان میں کئی چینیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ جن میں ایک خاتون بھی شامل ہے

ڈاکٹر نے لاؤچی کی سانس کے تیز ہونے کی آواز کو صاف طور پر سنا

اوہ.... لاؤچی نے آہستہ سے کہا۔ مگر.... مگر

..... میرا اس بات سے کیا تعلق۔

وہاں ایک کاغذ پر تمہارا نام اور فون نمبر ہمیں ملا ہے ڈاکٹر نے کہا۔ ہمیں تمام لاشوں کی شناخت میں کچھ دقت پیش آ رہی ہے۔ اگر تم پولیس کے ساتھ تعاون کرو تو ہم تمہارے شکر گزار ہوں گے

تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ لاؤچی نے پوچھا

تم فوراً اسی وقت جائے واردات پر آ جاؤ ہم نے ابھی وہاں سے لاشیں اٹھانے کا کام شروع نہیں کیا ہے۔ ابتدائی کارروائی جاری ہے

کیا کئی افراد قتل ہو گئے ہیں۔ لاؤچی نے محتاط لہجے میں پوچھا

اس مکان میں موجود سارے افراد مار دیے گئے ہیں ڈاکٹر نے کہا۔ قاتلوں کا کچھ پتا نہیں چل سکا

ٹھیک ہے۔ میں ابھی آ رہا ہوں لاؤچی نے کہا اور فون بند کر دیا

ڈاکٹر نے ریسیور واپس رکھا اور فون بوتھ سے باہر نکل آیا۔ اسے یقین تھا کہ اس خبر نے لاؤچی کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ اس نے لاؤچی کو صاف طور پر بتا دیا تھا کہ ہلاک شدگان میں ایک عورت بھی شامل ہے۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ میڈم لی ماری جا چکی ہے

ڈاکٹر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر تیزی سے دوبارہ لاؤچی کے مکان کی طرف چلا۔ لیکن اس بار وہ بلڈنگ کے اندر داخل نہیں ہوا۔ وہ دور سے ہی اپنی دوربین اور دردوں بیں نظروں سے لاؤچی کے فلیٹ کو دیکھنے لگا

لاؤچی کے چہرے پر سخت تناؤ تھا۔ وہ جلدی جلدی لباس تبدیل کر رہا تھا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد لاؤچی فون کے پاس جا پہنچا۔ اس نے کسی کا فون نمبر ملایا اور بات کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے فون بند کر کے کوئی دوسرا نمبر ملایا۔ اس طرح اس نے پانچ جگہ فون کیا

تحریک کے کم از کم پانچ افراد کو اس سانحے کی اطلاع دی جا چکی ہے ڈاکٹر نے دل ہی دل میں کہا

فون کرنے کے بعد لاؤچی فلیٹ سے باہر نہیں نکلا۔ وہ بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی

کیا وہ کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ ڈاکٹر نے دل میں سوچا

اگلے بیس منٹ کے اندر اندر پانچ گاڑیاں مختلف سمتوں سے آ کر پارکنگ لاٹ میں داخل ہو گئیں۔ پانچوں گاڑیوں سے اترنے والے چینی مرد تھے۔ ڈاکٹر نے ان سب کی شکلوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور ان کی گاڑیوں کے نمبر بھی یاد کر لیے۔ ان لوگوں کے پاس موجود مختلف کاغذات کی مدد سے ان کے نام بھی معلوم کر لیے۔ وہ پانچوں لاؤچی کے فلیٹ میں چلے گئے۔

ڈاکٹر کی دوربیں اور دردوں بیں نظروں نے انہیں سخت حیرانی اور پریشانی کے عالم میں آپس میں باتیں کرتے دیکھا۔ ایک موقع پر لاؤچی نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ وہ سب کے سب رنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ کوئی دس منٹ تک انہوں نے آپس میں باتیں کیں اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گئے۔ لاؤچی بھی ان کے ساتھ ہی اٹھا وہ پانچوں اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے اور ان کو رخصت کرنے کے بعد لاؤچی بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا

ڈاکٹر نے دور سے لاؤچی کی گاڑی کو عمارت سے نکلتے دیکھا اور اس کے چہرے پر ایک سفاکانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے کافی فاصلے سے لاؤچی کی گاڑی کا تعاقب شروع کر دیا

سڑک تقریباً" خالی پڑی تھی اور لاؤچی کافی تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا

ابھی اس نے تھوڑا سا ہی راستہ طے کیا تھا کہ اچانک ایک زوردار دھماکا ہوا اور لاؤچی کی گاڑی ایک آتشیں گولے میں تبدیل ہو گئی۔ نارنجی رنگ کے شعلے ایک عجیب و غریب منظر پیش کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے اپنی گاڑی کا رخ موڑا اور وہاں سے چل دیا۔ اس کا رواں رواں خوشی سے سرشار تھا۔ آج کی رات اس کی مکمل کامیابیوں کی رات تھی۔ ڈاکٹر میڈم لی اور اس کے ساتھیوں نے اس کے غیظ و غضب کو دعوت دی تھی۔ اور آج رات اس نے ان سب کو تہس نہس کر کے رکھ دیا

ڈاکٹر جب ہیڈ کوارٹر پہنچا تو وہ سب لوگ بے چینی سے اس کے منتظر تھے

ڈاکٹر کے پہنچنے پر جیمس اسے ان واقعات کی تفصیلات بتانے لگا۔ جو اس کے اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ پیش آئے تھے۔ ڈاکٹر انجان بنا سب کچھ سنتا رہا۔ وہ تو اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکا تھا۔ تاہم وہ ان لوگوں کے سامنے اس بات کا اظہار تو نہیں کر سکتا تھا

تمہارے بروقت اقدام نے ہم چاروں کی جان بچائی ہے باس جیمس نے کہا۔ ورنہ آج ہم لوگ زندہ واپس نہیں آ سکتے تھے

ڈاکٹر جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا

تو گویا میڈم لی کے مکان میں موجود تمام لوگ ختم ہو گئے۔ ڈاکٹر نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا

ہاں باس جیمس نے فتحمندانہ انداز میں کہا

ان تینوں آدمیوں کو جو اس ساری کارروائی میں شامل رہے ہیں خصوصی انعامات سے نوازنے کی ضرورت ہے

بالکل ٹھیک بات ہے رچمنڈ نے کہا۔ انہوں نے واقعی اپنی جان پر کھیل کر اس مہم کو کامیاب بنایا ہے

اور انہوں نے مشکل حالات میں کافی حاضر دماغی کا بھی مظاہرہ کیا ہے ہاروے نے کہا

اچھا اب کچھ گاڑیوں کے نمبر اور کچھ لوگوں کے نام نوٹ کرو ڈاکٹر اسے ان چینیوں کے نام حلیے اور ان گاڑیوں کے نمبر نوٹ کرانے لگا۔ جن کو اس نے لاؤچی کے پاس آتے ہوئے دیکھا تھا

ان پانچوں کا تعلق کسی نہ کسی صورت سے اسی تحریک سے ہے ڈاکٹر نے کہا۔ اور اس تحریک سے تعلق رکھنے کے باعث یہ لوگ جینے کے حق سے محروم ہو چکے ہیں

تو پھر ان کا قصہ پاک کر دیا جائے باس۔ جیمس نے پوچھا

اگلے ایک ہفتے تک نہیں ڈاکٹر نے کہا۔ آج رات کے واقعے کے بعد سے لاس اینجلز میں رہنے والے تمام چینیوں میں ہل چل مچ جائے گی۔ اور خاص طور سے تحریک سے تعلق رکھنے والے تمام کے تمام چینی بہت ہوشیار اور مستعد ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں کم از کم اگلے

ایک ہفتے تک پولیس کی سرگرمیاں بھی اپنے پورے عروج پر رہیں گی۔ کیونکہ پولیس کی ایک پوری گاڑی کا اس طرح تباہ ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ بہت سنگین واقعہ ہے۔ جس سے پورے شہر کی انتظامیہ ہل کر رہ جائے گی۔ بی ایل ال ہمیں ایک ہفتے تک مکمل خاموشی اختیار کرنا ہے۔ جیمس اور ان تینوں آدمیوں کو جنہوں نے اس کارروائی میں حصہ لیا ہے۔ خاص طور سے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ مناسب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اگلے ایک ہفتے تک کہیں باہر نہ نکلیں

ٹھیک ہے باس جیمس نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ ہم لوگ پوری احتیاط برتیں گے

> اصل لوگ مارے جا چکے ہیں ڈاکٹر نے کہا۔ ان کی باس اپنے اہم لوگوں کے ساتھ ختم ہو چکی ہے۔ اس طرح اس تنظیم کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان بچے کچھے لوگوں کو رفتہ رفتہ ٹھکانے لگا دیا جائے۔ اور یہ کام ہمیں آہستگی اور منصوبہ بندی کے ساتھ کرنا ہوگا۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ جن پانچ آدمیوں کے نام میں نے ابھی بتائے ہیں آج سے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد ان پانچوں کا تقریبا" ایک ہی وقت میں خاتمہ کر دیا جائے کیا تم لوگ یہ کام کر سکتے ہو۔

بالکل کر سکتے ہیں باس جیمس نے فورا کہا۔ ہمارے پاس اتنے لوگ موجود ہیں کہ ہم ایک ہی وقت میں دس پندرہ آدمیوں کو بھی ٹھکانے لگوا سکتے ہیں جو مختلف جگہوں پر موجود ہوں

پھر اس کی منصوبہ بندی تمہیں خود کرنی ہوگی ڈاکٹر نے کہا۔ تمہیں خود ہی اپنے آدمیوں کی ڈیوٹی لگانی ہوگی اور انہیں بتانا ہوگا کہ وہ کس طرح اپنا کام انجام دیں۔ ایک وار بھی خالی نہیں جانا چاہیے

ایسا ہی ہوگا باس جیمس نے کہا

اس کے بعد ہم ایک ہفتے تک مزید انتظار کریں گے ڈاکٹر نے کہا۔ اور پھر اپنے آدمیوں کو شکاگو بھیجیں گے۔ ان کا کام یہ ہوگا کہ وہ وہاں موجود اس تحریک کے تمام لوگوں کو ختم کر دیں۔ زیادہ تر لوگوں سے تو ہم واقف ہو چکے ہیں۔ صرف ان کو ہی ختم کر دینا کافی ہوگا اور پھر آخری مرحلے میں لاس اینجلز میں ان کے جو بھی دو چار آدمی رہ جائیں گے۔ ان کو ختم کرنا ہوگا

یہ سب کام بخوبی انجام پا جائے گا باس جیمس نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔ یہاں سے لے کر شکاگو تک تحریک کے تمام آدمیوں کو ختم کر دیا جائے گا۔ تمہیں اس سلسلے میں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہمیں لوگوں کے نام معلوم ہو گئے ہیں۔ یہ ہمارے لیے بہت ہے۔ یانگ اور ژوآن ہمارے لیے بڑے کارآمد لوگ ثابت ہوئے ہیں۔ ان کی فراہم کردہ معلومات سے ہم پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے

میں یہی چاہتا ہوں کہ اب مجھے بار بار اس معاملے میں ہدایات دینے کی ضرورت نہ پیش آئے ڈاکٹر نے کہا۔ میری خواہش ہے کہ یہ کام تم لوگ اپنے طور پر منصوبہ بنا کر انجام دو

ہم لوگ منصوبہ بنائیں گے باس ہاروے نے کہا۔ صرف تمہاری ہدایات کی ضرورت تھی۔ سو وہ ہمیں مل گئیں۔ اب باقی کام ہم خود کر سکتے ہیں اور کر لیں گے

بے شک بے شک رچمنڈ نے بھی اتفاق کرتے ہوئے گردن ہلائی

یانگ اور ژوآن کا کیا حال ہے۔ ڈاکٹر نے پوچھا

وہ دونوں بلیو ہاؤس میں ہیں اور بالکل ٹھیک ہیں اسمتھ نے جواب دیا۔ انہیں اب تک یہی امید ہے کہ انہیں جلد ہی رہا کر دیا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی وہ زور سے ہنسا

یانگ اور ژوآن کو آپس میں ملنے تو نہیں دیا گیا۔ ڈاکٹر نے پوچھا

نہیں باس اسمتھ نے کہا۔ یانگ اور ژوآن ایک دوسرے کے وجود سے بالکل بے خبر مگر ایک ہی مکان میں قید ہیں۔ انہیں کب ہلاک کیا جائے باس۔

> لیکن ماہر حیاتیات ڈاکٹر آرتھر فلپ یانگ اور



ژوآن کو ہلاک کر کے انہیں ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے ذہن میں طے کر چکا تھا کہ اسے ان دونوں سے کیا کام لینا ہے۔ لیکن اس کے لیے اسے کچھ تیاریوں کی ضرورت تھی

ان کی پوری طرح حفاظت کرو ڈاکٹر نے حکم دیا۔ جب تک میں نہ کہوں ان کا بال بھی بیکا نہ ہو

ٹھیک ہے باس اسمتھ نے جواب دیا

اگلے دن اخبارات کے دوپہر کے ایڈیشن۔ میں گزشتہ رات ہونے والے چینیوں کے قتل کے بارے میں پولیس کار کی عجیب و غریب تباہی کے بارے میں اور لاؤچی نامی ایک اور چینی کے مع اپنی کار کے تباہ ہو جانے کے بارے میں تفصیلی خبریں مع تصاویر کے شائع ہوئیں۔ لاؤچی کی کار کی نمبر پلیٹ جلنے سے اس حد تک محفوظ رہی تھی کہ اس کا نمبر پڑھا جا سکتا تھا اور اس طرح پولیس کو کار کے مالک کے بارے میں معلوم ہو گیا اور بعض ادھ جلے کاغذوں کی مدد سے لاؤچی کی لاش کی بھی کسی حد تک شناخت ہو گئی

☆☆☆☆-

خبروں میں بتایا گیا تھا کہ یہ تینوں واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں اور کسی خاص گروہ نے کسی خاص منصوبے کے تحت بہت سے چینیوں کو قتل کر ڈالا ہے اور اسی گروہ نے اپنا تعاقب کرنے والی پولیس کار کو بھی تباہ کیا ہے۔ خبروں میں بتایا گیا تھا کہ اس واردات سے پولیس اور انتظامیہ کے حلقوں میں زبردست کھلبلی مچ گئی ہے اور بڑے پیمانے پر اس سانحے کی تفتیش کا آغاز کیا جا چکا ہے۔ واشنگٹن سے سراغرسانوں کی ایک خصوصی ٹیم کو طلب کیا گیا ہے تاکہ وہ مقامی پولیس اور انتظامیہ کی مدد کر سکے

خبروں میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ لاس اینجلز میں مقیم چینی نژاد امریکیوں میں اس سنگین واردات سے سخت تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے اور وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگے ہیں۔ آج ان کی ایسوسی ایشن کا خصوصی اجلاس بھی ہونے والا ہے۔ جس میں انتظامیہ سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ چینی نژاد امریکیوں کے قتل کی واردات کی پوری تحقیقات کرے اور مجرموں کو جلد از جلد گرفتار کر کے انہیں قرار واقعی سزا دے

ان خبروں کے علاوہ ایک اور خبر نوادرات کی دکان کے مالک ایک چینی نژاد امریکی یانگ کی گمشدگی کے بارے میں بھی شائع ہوئی تھی۔ اخباری نامہ نگاروں کے مطابق یانگ کی بیوی نے بتایا تھا کہ چند روز پہلے رات کے وقت اسے اپنے شوہر کا ایک عجیب پراسرار سا فون موصول ہوا تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ وہ تین دن کے لئے کسی ضروری کام سے لاس اینجلز سے باہر جا رہا ہے۔ اس نے فون پر بہت مختصر سی گفتگو کی تھی اور اس کے بعد سے اس کا کوئی پیغام یا کوئی فون موصول نہیں ہوا تھا۔ مسز یانگ کا کہنا تھا کہ اس کے شوہر کا یہ طریقہ کار بھی نہیں رہا۔ وہ اس انداز سے کبھی بھی گھر سے باہر نہیں گیا۔ وہ جب بھی باہر جاتا ہے تو پہلے سے پروگرام بنا کر اور اپنی بیوی کو اپنے پروگرام کی ساری تفصیلات سے مطلع کر کے جاتا ہے۔ مسز یانگ کا کہنا تھا کہ اس کے شوہر کے کاروبار کی نوعیت ایسی ہے جس میں اسے اچانک اور فوری طور پر کہیں جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ مسز یانگ نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ اس کے شوہر کو اغوا یا قتل کیا گیا ہے۔ اس نے یانگ کی گمشدگی کی باقاعدہ رپورٹ پولیس میں درج کرا دی تھی۔ ژوآن کی گمشدگی کی خبر بھی اخبار میں چھپی تھی

ڈاکٹر آرتھر فلپ نے اور اس کے ساتھ ہی جیمس اور اس کے ساتھیوں نے ان وارداتوں کے بارے میں شائع ہونے والی تمام خبروں کو پوری تفصیل کے ساتھ پڑھا

جیمس اور اس کے ساتھیوں کو خبریں پڑھنے کے بعد ہی صحیح طور پر اس بات کا اندازہ ہو سکا کہ جو کچھ کام وہ اور ان کا باس کر گزرے ہیں وہ کس قدر خطرناک اور خوفناک کام تھا۔ خاص طور پر پولیس کی گاڑی کی عجیب و غریب انداز میں تباہی

ان ساری خبروں رپورٹوں اور تبصروں کو پڑھ کر خود ڈاکٹر کو بھی احساس ہوا کہ صورت حال زیادہ ہی سنگین ہو گئی ہے۔ واشنگٹن سے سراغرسانوں کی ٹیم کے بلائے جانے والی خبر خاص طور سے تشویشناک تھی۔ ڈاکٹر نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ اپنی سابقہ ہدایات میں کچھ تبدیلی کروے۔ فی الحال لاس اینجلز میں چینی نژاد امریکیوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنا قرین مصلحت نہیں تھا۔ اس میں بہت سے خطرات مضمر تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر نے اپنے پرانے مکان میں اسمتھ کو طلب کیا۔ اسمتھ مقررہ وقت پر پہنچ گیا

تم لوگوں نے اخبارات میں خبریں تو ساری پڑھ ہی لی ہوں گی۔ ڈاکٹر نے اسمتھ سے پوچھا

ہاں باس اسمتھ نے جواب دیا۔ معاملہ بہت سنگین ہے اخبار والوں نے لکھا ہے کہ واشنگٹن سے سراغرسانوں کی کوئی خصوصی ٹیم آ رہی ہے

دراصل اس معاملے کا ایک سیاسی پہلو بھی ہے ڈاکٹر نے اسمتھ کو سمجھاتے ہوئے کہا

وہ کیا۔ اسمتھ نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا

وہ یہ کہ آجکل امریکا اور چین کے تعلقات بہتری کی طرف مائل ہیں ڈاکٹر نے کہا۔ اس صورت میں چینی نژاد امریکیوں کے اس طرح مارے جانے کو بعض طاقتوں کی طرف سے تخریبی کارروائی کا نتیجہ بھی سمجھا جا سکتا ہے جو چین اور امریکہ کے درمیان تعلقات کی بہتری کو پسند نہیں کرتیں۔ ظاہر ہے کہ چینی نژاد امریکیوں کے مارے جانے سے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کی بہتری کا عمل متاثر ہوگا اور بعض طاقتیں یہی چاہتی ہیں۔ انتظامیہ اس معاملے میں اتنی زیادہ دلچسپی لے کر واشنگٹن کے سراغرسانوں کی ٹیم کو تفتیش کے کام پر جو مامور کر رہی ہے تو اس کا اصل سبب یہی ہے۔ ورنہ یہاں لاس اینجلز میں یہ کوئی پہلا قتل ہوا ہے۔ کتنے کتنے لوگ ایک ساتھ ایک ہی موقعہ پر ایک ہی جگہ پر قتل ہوئے ہیں لیکن ان ساری وارداتوں کی تفتیش عام انداز میں کی گئی اور مقامی اداروں ہی کی جانب سے تفتیش کی گئی۔ یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ ایک کیس کی تفتیش کے لئے واشنگٹن سے سراغرساں بھیجے جا رہے ہیں

گویا تمہارا مطلب یہ ہے باس کہ انتظامیہ چینی نژاد امریکیوں کے قتل اور گمشدگی کی ان وارداتوں کو بعض غیر ملکی طاقتوں کے ایجنٹوں کی جانب سے کی جانے والی تخریبی کارروائی سمجھ رہی ہے اور اس کے خیال میں یہ معاملہ سیاسی ہے۔ اسمتھ نے ڈاکٹر کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا

بالکل یہی بات ہے۔> ڈاکٹر نے کہا۔ گو کہ اخبارات میں کہیں بھی اس جانب اشارہ نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن اس بات کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہے

پھر تو باس ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنا چاہئے اسمتھ نے کہا

میں نے یہی بات کہنے کے لئے تم کو بلایا ہے ڈاکٹر نے کہا۔ ایک ہفتے کے بعد ان پانچ چینیوں کو ختم کرنے کی جو ہدایت میں نے دی تھی۔ جن کے نام پتے اور گاڑیوں کے نمبر میں نے تم لوگوں کو دیئے تھے۔ فی الحال اس ہدایت کو میں منسوخ کرتا ہوں۔ ابھی ان لوگوں کو ہلاک نہ کیا جائے۔ البتہ شکاگو وغیرہ میں جو ان کے لوگ ہیں ان کے سلسلے میں کارروائی حسب ہدایت کی جائے

ٹھیک ہے باس اسمتھ نے کہا۔ میں جیمس کو بتا دوں گا

جیمس سے یہ بھی کہہ دینا کہ وہ خود اور اس کے وہ تینوں ساتھی جنہوں نے گزشتہ شب کی کارروائی میں حصہ لیا تھا کم از کم پندرہ بیس دن تک کہیں باہر نہ نکلیں

ایسا ہی ہوگا باس اسمتھ نے کہا۔ اور ہاں باس یانگ اور ژوآن کا کیا کرنا ہے۔

یانگ اور ژوآن کا کیا کرنا ہے۔ ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا۔ سنو اسمتھ تمہیں ان کو ہلاک نہیں کرنا ہے اور ڈاکٹر اسمتھ کو سمجھانے لگا کہ یانگ اور ژوآن کا کیا کرنا ہے۔

اسمتھ غور سے ڈاکٹر کی بات سننے لگا



پھر اس کے بعد۔ اسمتھ نے ڈاکٹر کی پوری بات سننے کے بعد پوچھا۔ پھر اس کے بعد ان کا کیا ہوگا۔

یہ جاننا تمہارا کام نہیں ڈاکٹر نے خشک لہجے میں کہا۔ تمہارا کام بس اتنا ہی ہے۔ اس کے بعد تمہارا کام ختم ہو جاتا ہے

ٹھیک ہے باس اسمتھ نے جلدی سے کہا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس نے غلط سوال کیا ہے

تمہیں یہ کام آج سے ٹھیک چار دن بعد کرنا ہے ڈاکٹر نے کہا

مجھے یاد رہے گا باس اسمتھ نے کہا اور اس کے کچھ دیر بعد وہ وہاں سے رخصت ہو گیا

ان چار دنوں کے دوران اخبارات میں چینی نژاد امریکیوں کے بارے میں برابر خبریں شائع ہوتی رہیں۔ واشنگٹن سے ماہرین کی ایک ٹیم لاس اینجلز پہنچ چکی تھی اور سرگرمی سے تفتیش میں معروف تھی۔ اپنی ابتدائی تفتیش کے دوران ہی مقامی پولیس اور ماہرین کی ایک جماعت نے یہ بات دریافت کر لی تھی کہ مقتولین اچھے کردار کے لوگ نہیں تھے۔ ان میں سے چند ایسے تھے جو مختلف اوقات میں چھوٹی موٹی سزا پا کر جیل بھی جا چکے تھے اور ان کے کوائف پولیس کے ریکارڈ میں موجود تھے۔ ڈاکٹر لی کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ کہیں پریکٹس یا ملازمت نہیں کرتی تھی اور یہ کہ وہ مشکوک چال چلن کی عورت تھی

ان حقائق کی بنیاد پر ماہرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ان چینیوں کا قتل جرائم پیشہ افراد کی کسی باہمی چپقلش کا نتیجہ تھا۔ ماہرین نے کسی سیاسی تخریب کاری کے امکان کو رد کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یا تو اس گروہ کے افراد آپس میں ہی لڑ پڑے ہیں اور یا پھر کسی دوسرے جرائم [illegible] گروہ نے انہیں کسی رقابت یا جھگڑے کی بنا پر ہلاک [illegible]ر دیا ہے۔ ماہرین نے اس بات کا بھی پتا چلا لیا تھا کہ [illegible] سے کچھ لوگ شکاگو سے لاس اینجلز آئے تھے۔ جن میں میڈم لی بھی شامل تھی جو شکاگو کے چائنا ٹاؤن کی ایک پراسرار شخصیت تھی اور جس کے بارے میں لوگوں کو بہت کم معلوم تھا۔ تاہم یہ باور کیا جاتا تھا کہ اس کا تعلق بعض زیرزمین سماج دشمن سرگرمیوں سے ہے

پولیس اور واشنگٹن سے آنے والے ماہرین اپنی تمام تر جستجو کے باوجود ابھی تک یانگ اور ژوآن کا پتا نہیں چلا سکے تھے

ڈاکٹر آرتھر فلپ اور اس کے ساتھی ان دنوں اخبارات کی ان خبروں کا بڑی گہری نظروں سے مطالعہ کرتے رہے تھے۔ سیاسی تخریب کاری کے امکانات کے رد ہو جانے کے بعد سراغرسانوں کی ٹیم واپس واشنگٹن روانہ ہو رہی تھی اور اب تفتیش کا باقی کام مقامی پولیس کو انجام دینا تھا

ڈاکٹر نے اندازہ لگا لیا کہ سیاسی تخریب کاری کے امکان کے رد ہو جانے کے بعد اب معاملے کی سنگینی میں خاصی کمی آ گئی ہے۔ تاہم وہ ابھی مزید کوئی خطرہ مول لے کر پولیس کو اور زیادہ چوکنا نہیں کرنا چاہتا تھا

یہ چار دن ڈاکٹر نے بڑی مصروفیت کے عالم میں گزارے۔ اسے کئی نئی چیزوں کی ضرورت تھی۔ جو اس نے بازار سے ضروری ساز و سامان خرید کر اپنے استعمال کے زیرزمین حصے میں خود تیار کیں۔ اسے ہر ہر مرحلے پر ان چیزوں کی آزمائش کرنی پڑی۔ تا کہ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک بنیں اور ان میں کوئی خامی نہ رہ جائے

ان ضروری اشیاء کی تیاری کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر آرتھر انسانی گوشت خور جراثیم اور قاتل جراثیم کی مناسب پرورش اور نگہداشت کرتا رہا۔ اور ساتھ ہی اس نے انسانی گوشت خور جراثیم کی مزاحمت کرنے والی ویکسین کو بھی قطعی طور پر آخری شکل دے دی۔ اس نے پہلے ایک چوہے پر اور اس کے بعد ایک بلی پر اس ویکسین کا تجربہ کیا۔ تجربہ سو فیصدی کامیاب رہا۔ ویکسین کا انجکشن لگ جانے کے بعد گوشت خور جراثیم نے چوہے یا بلی کے بدن کو چھوا تک نہیں ڈاکٹر مطمئن ہو گیا۔ اس کی حیرت انگیز اور انتہائی خوفناک اور ہلاکت خیز ایجاد اب پورے طور

سے اس کے قابو میں تھی۔ اس کے پاس گوشت خور جراثیم کے علاوہ ان جراثیم کو کھانے والے قاتل جراثیم بھی موجود تھے اور وہ ویکسین بھی موجود تھی جس کا انجکشن لگ جانے کے بعد جسم پر گوشت خور جراثیم حملہ نہیں کرتے تھے۔ ڈاکٹر اب اگلے مرحلے کے لئے تیار تھا

پولیس کی تمام تر تفتیش کے دوران تنظیم کے کسی بھی آدمی پر ہاتھ نہیں ڈالا گیا تھا۔ ڈاکٹر کی منصوبہ بندی کے تحت سارا کام اس قدر ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ کیا گیا تھا کہ کوئی معمولی سا سراغ بھی نہیں چھوڑا گیا تھا۔ پولیس محض اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ ڈاکٹر کو یقین تھا کہ پولیس اس تک یا اس کے آدمیوں تک کبھی نہیں پہنچ پائے گی۔ اور کچھ عرصے تک مزید تفتیش کے بعد اس کیس کو بھی داخل دفتر کر دیا جائے گا

> ڈاکٹر اور اسمتھ کی ملاقات کو آج پانچواں دن تھا اور جو کام ڈاکٹر نے اسمتھ کے سپرد کیا تھا وہ آج انجام دیا جانا تھا۔ ڈاکٹر آج صبح ہی سے ایک عجیب و غریب جوش و جذبے سے سرشار تھا۔ وہ ایک ایسا کام کرنے جا رہا تھا جو آج تک دنیا میں کسی سائنس داں نے نہیں کیا تھا۔ وہ ایک زبردست قسم کے احساس فتح مندی سے سرشار تھا

اسمتھ نے آنے کے لئے جو وقت مقرر کیا تھا۔ اس سے پانچ منٹ پہلے ہی ڈاکٹر اپنی رہائش گاہ کا دروازہ کھول کر بیرونی برآمدے میں آ گیا۔ اس کا ملازم لڑکا میکسویل اس وقت بھی کام میں مصروف تھا۔ جبکہ اب رات ہو چکی تھی

گڈ ایوننگ ڈاکٹر میکسویل نے ڈاکٹر کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے ادب سے کہا

گڈ ایوننگ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ آج تم ابھی تک کیا کر رہے ہو میکسویل۔ اس نے پوچھا

میں برآمدے کی کرسیاں صاف کر رہا تھا میکسویل نے کہا۔ میرا خیال ہے ڈاکٹر کہ اب ان پر پالش کی ضرورت

ٹھیک ہے ڈاکٹر نے کہا۔ تم کل کسی پالش کرنے والی کمپنی کو فون کر دینا۔ وہ لوگ آ کر پالش کر دیں گے اور میرا خیال ہے کہ اب تمہیں چھٹی کرنی چاہیے۔ کافی وقت ہو چکا ہے ڈاکٹر نے اپنی گھڑی دیکھی

میکسویل ابھی کوئی جواب نہیں دے پایا تھا کہ ایک چھوٹا سا ٹرک دروازے کی سامنے آ کر رکا۔ ٹرک کے پچھلے حصے میں دو بھاری قالین رول کیے ہوئے رکھے تھے۔ اگلے حصے میں اسمتھ اور ڈرائیور کے علاوہ ایک آدمی اور تھا۔ ڈاکٹر کو معلوم تھا کہ اسمتھ کے ساتھ آنے والے دونوں آدمی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں

آنے والے لوگوں نے جن میں اسمتھ بھی شامل تھا۔ رول کیے ہوئے بھاری قالین ٹرک میں سے اتارنا شروع کیے۔ میکسویل جلدی سے ان کی مدد کے لئے آگے بڑھا اور اور قالین کے ایک رول کو سنبھالنے لگا

اس کی ضرورت نہیں ہے نوجوان اسمتھ نے میکسویل کو روکتے ہوئے کہا۔ ہم تین آدمی ہیں اور ہم تینوں مل کر انہیں اٹھا لیں گے اور اس نے مسکرا کر میکسویل کی طرف دیکھا

اوہ۔ میں تم لوگوں کی مدد کرنا چاہتا تھا میکسویل نے کہا

شکریہ اسمتھ نے جواب دیا

یہ لوگ اپنا کام خود ہی کرنا پسند کرتے ہیں۔ میکسویل ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تم اپنا کام کرو

ٹھیک ہے ڈاکٹر میکسویل نے کہا۔ اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا

ان تینوں آدمیوں نے مل کر قالین کے بھاری بھاری رول ڈاکٹر کی رہائش گاہ کے اندر پہنچا دیے۔ کسی نے کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ لوگ اپنا کام کر کے رخصت ہو گئے اور ڈاکٹر نے دروازے کے باہر آ کر دیکھا تو میکسویل ابھی تک اپنے کام میں لگا ہوا تھا

بس کرو میکسویل ڈاکٹر نے نرمی سے کہا۔ تم بہت محنتی لڑکے ہو لیکن براہ کرم اپنی تعلیم کا نقصان مت کرو



میں اپنی تعلیم کی طرف سے بالکل غافل نہیں ہوں ڈاکٹر میکسویل نے کہا۔ بس پانچ منٹ کا کام اور ہے اور اس کے بعد میں جاتا ہوں اور اب تو آدھی رات تک پڑھائی کرنا ہے مجھے

تمہارے اساتذہ تمہاری تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں۔ ڈاکٹر نے پوچھا

ہاں ڈاکٹر میکسویل نے جواب دیا۔ وہ پوری طرح مطمئن ہیں۔ کیا تم اپنے گھر کی نئے سرے سے تزئین و آرائش کر رہے ہو۔

گھر کی آرائش۔ اوہ ہاں ڈاکٹر نے کہا۔ بات یہ ہے کہ دو کمروں کے قالین کافی پرانے ہو گئے ہیں۔ اسی لئے میں نے نئے قالین منگوائے ہیں

قالینوں کو تبدیل کرانا ایک مشکل کام ہوگا ڈاکٹر میکسویل نے کہا۔ کمروں میں فرش پر رکھا ہوا سارا سامان اٹھانا ہوگا۔ پھر پرانے قالین کو اٹھانا ہوگا اور نئے قالین بچھانے ہوں گے۔ تم بغیر کسی کی مدد کے یہ سب کچھ کس طرح کر لو گے

میں نے کب کہا ہے کہ میں بغیر کسی کی مدد کے سب کچھ کر لوں گا۔ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا اور بھلا میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ میں تنہا یہ سارے کام کروں۔ یہ کام تو تمہیں کرنا ہے اور اپنی مدد کے لئے اسپتال سے دو تین آدمیوں کو بلا بھی لینا لیکن اس وقت نہیں یہ تو تمہاری چھٹی کا وقت ہے یہ کام کل ہوگا

اگر فوری ضرورت ہو تو یہ کام میں ابھی کر دوں میکسویل نے کہا۔ میں ابھی اسپتال سے دو تین آدمیوں کو بلاتا ہوں

نہیں ڈاکٹر نے اسے منع کرتے ہوئے کہا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ کل یہ کام اطمینان سے ہو جائے گا

اچھی بات ہے ڈاکٹر میکسویل نے کہا۔ تو پھر اب میں چلتا ہوں

ہاں ڈاکٹر نے کہا۔ تم جاؤ

> میکسویل وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی ڈاکٹر نے جلدی سے اپنا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور اس امر کا اطمینان کر لیا کہ دروازہ پوری طرح لاک ہے

دروازہ لاک کرنے کے بعد وہ جلدی سے اپنی سامنے والی لیبارٹری میں گیا اور وہاں سے وہ ایک اسٹریچر اٹھا کر لایا۔ جو ایک فولڈنگ اسٹریچر تھا اور اس کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے۔ اس نے اسٹریچر کو فرش پر رکھا اور قالین کے پہلے رول کو کھولنے لگا۔ جیسے جیسے رول کھلتا جاتا ویسے ویسے اس کی مسرتوں میں خود بخود اضافہ ہوتا جاتا تھا

آخر رول کھل گیا اور اس رول کے اندر سے یانگ کا جسم نکلا۔ یانگ زندہ تھا مگر بے ہوش تھا۔ ڈاکٹر نے یانگ کے زندہ اور بے ہوش جسم کو کھینچ تان کر اسٹریچر پر ڈال کر اسٹریچر کا بٹن دبایا اور اسٹریچر اوپر اٹھتا چلا گیا۔ اب یانگ کا بدن ایک پہیوں والے اسٹریچر پر لیٹا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے اس بات کی اچھی طرح تسلی کر لی کہ یانگ ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ اس نے قالین کو دوبارہ رول کر دیا

اسٹریچر کو دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑا کرنے کے بعد وہ دوبارہ لیبارٹری میں گیا اور وہاں سے اسی قسم کا ایک دوسرا اسٹریچر اٹھا کر لایا۔ اب اس نے قالین کے دوسرے رول کو کھولنا شروع کیا۔ اس کے اندر سے ژوآن کا جسم نکلا۔ زندہ لیکن بے ہوش جسم ڈاکٹر نے ژوآن کے جسم کو بھی اسی طرح اسٹریچر پر گھسیٹ کر ڈالا اور اسٹریچر کو اوپر اٹھا دیا۔ اب ان دونوں کے جسم پہیوں والے اسٹریچر پر تھے۔ جنہیں دھکیل کر با آسانی کہیں بھی لے جایا جا سکتا تھا

ڈاکٹر نے دوسرے قالین کو بھی دوبارہ رول کر دیا۔ دونوں قالین پہلے جیسی حالت میں آ گئے اور اس کے بعد ڈاکٹر پہلے یانگ والے اسٹریچر کو دھکیلتا ہوا اپنی خفیہ زیر زمین لیبارٹری کی طرف لے چلا

اس نے یانگ کے جسم کو اپنی حیاتیاتی لیبارٹری میں پہنچا دیا۔ اس کے فوراً" بعد واپس آ گیا۔ اب اس نے ژوآن کے جسم والے اسٹریچر کو بھی اسی طرح اپنی حیاتیاتی

لیبارٹری میں پہنچا دیا تھا

اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یانگ کے بازو میں ایک انجکشن لگا دیا۔ یہ اس ویکسین کا انجکشن تھا جو انسانی گوشت خور جراثیم کی مزاحمت کرنے والی ویکسین تھی۔ ڈاکٹر پہلی بار انسانی جسم پر اس کا تجربہ کرنے جا رہا تھا۔ اس نے ژوآن اور یانگ میں سے یانگ کا انتخاب خاص طور پر اس لئے کیا تھا کیونکہ یانگ لستھا" عمر رسیدہ اور کمزور تھا۔ اور عمر رسیدہ اور کمزور جسموں میں بیماریوں کے خلاف مزاحمت کی قوت کم ہوتی ہے اور ہر قسم کے جراثیم ان پر بآسانی حملہ کر کے غلبہ حاصل کر لیتے ہیں

اس کے بعد ڈاکٹر نے ان دونوں جسموں کو کپڑوں سمیت خاص قسم کے کنٹینروں میں منتقل کر دیا۔ یہ دونوں کنٹینر بالکل اسی قسم کے تھے جیسا ڈاکٹر اس سے پہلے مکی کے لئے استعمال کر چکا تھا۔ یہ ان بریک ایبل شیشے کے بنے ہوئے کنٹینر تھے جن کی قوت پتھر اور فولاد جیسی تھی۔ اور اسے توڑا نہیں جا سکتا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ یہ کنٹینر کافی بڑے تھے۔ جب کہ مکی کے لئے استعمال کیا جانے والا کنٹینر چھوٹا تھا دونوں کنٹینروں میں سانس لینے کا خصوصی انتظام موجود تھا اور ان میں بند انسان آکسیجن کی کمی کے باعث مر نہیں سکتا تھا

یانگ اور ژوآن کو کنٹینروں میں بند کرنے کے بعد ڈاکٹر مطمئن ہو گیا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی کنٹینر میں بند ہونے سے پہلے ہوش میں آ جاتا تو ڈاکٹر کے لئے بڑا مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ لیکن اس نے اسمتھ کو اچھی طرح یہ ہدایت کر دی تھی کہ اس کی دی ہوئی بے ہوشی کی دوا کس وقت دی جائے اور کس وقت ان دونوں کے بے ہوش جسموں کو اس کی رہائش گاہ پر پہنچا دیا جائے۔ اسمتھ نے اس کی ہدایت کے مطابق ٹھیک ٹھیک عمل کیا تھا اور ڈاکٹر نے اپنی دوربین اور دروں بین نظروں سے ان دونوں کے جسموں کی اندرونی حالت کا جائزہ لے کر یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان کو ہوش میں آنے میں ابھی تقریبا

"ایک گھنٹہ لگے گا

ڈاکٹر سخت اضطرابی کیفیت کا شکار تھا اور چاہتا تھا کہ یہ لوگ جلد از جلد ہوش میں آ جائیں تا کہ وہ ان کے جسموں پر اپنا تجربہ کر سکے۔ تاہم اسے ایک گھنٹے تک تو بہر حال انتظار کرنا ہی تھا

ڈاکٹر نے اپنے آپ کو مطالعے میں مصروف کرنا چاہا۔ لیکن اسے احساس ہوا کہ شدید اضطرابی کیفیت کے باعث وہ اس وقت کچھ نہیں پڑھ سکتا تھا۔ وہ جو کچھ پڑھ رہا تھا۔ اسے پورے طور پر سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے مطالعے کو اس وقت لاحاصل جان کر کتاب بند کر دی اور اپنی حیاتیاتی لیبارٹری میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ اس انوکھے تجربے کی تڑپ اسے بے چین کئے ہوئے تھی

آخر ایک گھنٹے کا وقت گزر ہی گیا ڈاکٹر اس وقت اپنی حیاتیاتی لیبارٹری میں ہی موجود تھا جب پہلے اس نے ژوآن کے جسم میں حرکت محسوس کی۔ ڈاکٹر بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا

ژوآن کا جسم پہلے ہلکے ہلکے کسمسایا پھر اس کی آنکھوں کے پپوٹوں میں تھوڑی تھوڑی لرزش پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر نے اپنا خصوصی آلہ سماعت نکال کر کانوں میں لگا لیا تا کہ وہ اندر کی آوازیں سن سکے

ژوآن ذرا دیر تک آنکھیں کھولے جیسے خود فراموشی کے عالم میں پڑا رہا۔ طویل بے ہوشی سے ہوش میں آنے کے بعد وہ یہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کہاں تھا اور اب کہاں ہے۔ پھر جیسے اسے یاد آ گیا کہ وہ کہاں تھا۔ وہ ایک مکان کے تہ خانے میں قید تھا۔ اور اب وہ کہاں ہے۔

> اس نے اپنے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

اسے یہ جگہ بہت عجیب سی لگی۔ یہ وہ تہ خانہ تو نہیں تھا جہاں اب تک وہ قید تھا یہ تو کوئی بالکل ہی دوسری جگہ تھی۔ اس وقت تک اسے اس بات کا احساس نہیں ہوا تھا کہ اس کے چاروں طرف شیشے کی دیواریں ہیں اور اس کے اوپر بھی



شیشے کی دیوار ہے۔ ڈاکٹر کا خصوصی طور پر تیار کردہ شیشہ اس قدر شفاف اور اعلیٰ درجے کا تھا کہ اس کے بکس میں بند انسان کو جیسے پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ شیشے کے بکس میں بند ہے

ژوآن کو اپنے سامنے ایک کرسی پر وہی شخص بیٹھا ہوا نظر آیا جس نے اس کے اغوا کے بعد اس سے بات چیت کی تھی۔ اسے رقم کی پیشکش کی تھی۔ بلکہ رقم ادا بھی کر دی تھی اور بعد میں اس سے ساری معلومات حاصل کر کے وعدہ خلافی کی تھی اور اسے قید میں ڈال دیا تھا۔ اس شخص کو دوبارہ اپنے سامنے دیکھ کر ژوآن کا خون مارے غصے کے کھولنے لگا۔ اس وقت وہ شخص تنہا تھا۔ بظاہر غیر مسلح تھا اور ژوآن کے سامنے تھا

ژوآن نے ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کوشش میں اس کا سر بے ساختہ کنٹینر کی شیشے کی دیوار سے ٹکرایا۔ ژوآن جھٹکا کھا کر دوبارہ نیچے گر گیا اور تب اسے احساس ہوا کہ وہ آزاد نہیں ہے۔ بلکہ ایک عجیب و غریب قسم کے تابوت جیسے بکس میں بند ہے جہاں حیرت انگیز طور پر آکسیجن کی کوئی کمی نہیں محسوس ہو رہی تھی

ژوآن کو اٹھنے کی کوشش کرتے اور دوبارہ گرتے دیکھ کر ڈاکٹر مسکرایا

تم خبیث کتے ژوآن بکس کے اندر سے زور سے دہاڑا اور اس نے شیشے کی دیواروں پر بے تحاشہ گھونسوں کی بارش کر دی۔ ژوآن ایک مضبوط تن و توش کا صحت مند آدمی تھا اور جتنے زور سے اس نے شیشے کی دیواروں پر گھونسے مارے تھے وہ کسی انسان کا بھی سر توڑنے کے لئے کافی تھے۔ لیکن خاص طور سے تیار کردہ شیشے کے بکس پر ان بے تحاشہ ضربات کا کوئی اثر نہیں ہوا

تم کون ہو ذلیل انسان۔ ژوآن پوری قوت سے بکس کے اندر سے چلایا۔ یہ تم نے مجھے شیشے کے تابوت کے اندر کیوں بند کیا ہے۔ آخر تم چاہتے کیا ہو۔ میں تمہیں سب کچھ بتا چکا ہوں اب میرے پاس تمہیں بتانے کے لئے کچھ نہیں ہے

مجھے تم سے کچھ پوچھنا بھی نہیں ہے ڈاکٹر نے اپنی آواز ژوآن تک پہنچائی

پھر یہ سب کیا مذاق ہے۔ ژوآن نے کہا۔ تم نے میرا یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ یہ شیشے کا قید خانہ کس لئے ہے۔

اس کا جواب تمہیں جلد ہی مل جائے گا ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تم یانگ سے ملنا چاہتے تھے۔ وہ دیکھو ڈاکٹر نے دوسرے کنٹینر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس پر ابھی تک ژوآن کی نظر نہیں پڑی تھی۔ یانگ وہاں موجود ہے

> ژوآن نے بکس میں لیٹے لیٹے گردن گھما کر ادھر دیکھا شیشے کے ایک دوسرے بکس میں یانگ لیٹا ہوا تھا۔ وہ بالکل بے حس و حرکت تھا

کیا تم نے اسے مار دیا ہے۔ ژوآن نے پوچھا

نہیں ڈاکٹر نے جواب دیا۔ یہ بھی تمہاری طرح بے ہوش ہے۔ تمہیں ذرا پہلے ہوش آ گیا تھا۔ اسے بھی ابھی تھوڑی دیر میں ہوش آ جائے گا

لیکن تم نے ہم دونوں کو شیشوں کے بکسوں میں کیوں بند کر رکھا ہے۔ ژوآن نے پوچھا۔ ہم دونوں نے تمہارے ساتھ تعاون کیا تھا۔ لیکن تم نے ہمارے تعاون کی قدر کرنے کے بجائے ہم سے فریب کیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم ہم لوگوں سے اور کیا چاہتے ہو۔

میں تم لوگوں سے جو کچھ چاہتا ہوں وہ تمہاری سمجھ میں آ بھی نہیں سکے گا ڈاکٹر نے لطف لیتے ہوئے کہا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم اپنے دماغ پر زیادہ زور نہ ڈالو اور خاموشی سے اسی بکس میں لیٹے رہو

مگر کیوں۔ ژوآن نے کہا۔ کوئی انسان ہمیشہ تو شیشے کے بکس میں قید نہیں رہ سکتا

میں نے کب کہا ہے کہ میں تم لوگوں کو ہمیشہ شیشے کے بکس میں قید رکھوں گا۔ ڈاکٹر نے کہا

اس اثناء میں یانگ کو بھی ہوش آ گیا۔ اس نے گردن

کھماتے ہی ژوآن کو دیکھ لیا جو اس کے قریب ہی لیٹا ہوا تھا۔ فوری طور پر یانگ بھی یہ نہ سمجھ سکا کہ وہ اور ژوآن دونوں شیشے کے بکسوں میں قید ہیں۔ اس نے بھی ژوآن کی طرح اٹھنے کی کوشش کی اور جب اس کا سر شیشے کی دیوار سے ٹکرایا تب اسے احساس ہوا کہ وہ تو شیشے کے بکس میں قید ہے

ژوآن کی طرح یانگ بھی سخت غصے حیرانی اور پریشانی کا اظہار کرتا رہا۔ ڈاکٹر اس کی اس حالت کو دیکھ کر مسکراتا رہا

ڈاکٹر یانگ اور ژوآن دونوں کی آوازیں سن سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس اپنا ایجاد کردہ خصوصی آلہ سماعت تھا۔ وہ ان دونوں تک اپنی آواز پہنچا بھی سکتا تھا لیکن ژوآن اور یانگ آپس میں ایک دوسرے کی آوازیں نہیں سن سکتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے سامنے موجود تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھی لیکن ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ یہ عجیب و غریب صورتحال تھی جس سے وہ دونوں ہی سخت پریشان تھے

ابھی تک وہ دونوں ایک مکان کے تہ خانے میں قید رہے تھے۔ لیکن الگ الگ ایک ہی مکان میں قید ہونے کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ اس وقت تک دونوں کو یہ امید تھی کہ شاید جلد ہی انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اغوا کنندگان کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ لیکن آج یہ نئی اور سمجھ میں نہ آنے والی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی یہ بات نہیں سنی تھی کہ کسی آدمی کو شیشے کے بکس کے اندر بند کر دیا ہو۔ وہ دونوں بے بسی کے عالم میں کبھی ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور کبھی اس شخص کی طرف جس کے عزائم سے وہ بالکل ناواقف تھے

یانگ نے اپنا چہرہ ژوآن کی طرف کیا۔ اور چینی زبان میں کہا۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو ژوآن۔

ژوآن کے چہرے پر کوئی تاثر پیدا نہیں ہوا۔

اس نے یانگ کے ہونٹوں کو ہلتے دیکھا تھا لیکن اس نے کوئی آواز نہیں سنی تھی

یانگ نے باآواز بلند اپنے الفاظ ایک بار پھر دہرائے لیکن ژوآن کی طرف سے اسے کوئی جواب نہیں ملا

ڈاکٹر نے دونوں بار یانگ کی آواز سنی۔ وہ چینی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ ڈاکٹر سمجھ گیا کہ وہ ژوآن سے بات کرنا چاہتا ہے

تمہاری کوشش بے سود ہے یانگ ڈاکٹر نے کہا۔ ژوآن تمہاری آواز نہیں سن سکتا

مگر تم تو میری آواز سن رہے ہو۔ یانگ نے کہا

ہاں ڈاکٹر نے جواب دیا۔ میں تمہاری آواز سن رہا ہوں۔ اور ژوآن کی آواز بھی سن رہا ہوں۔ مگر تم دونوں ایک دوسرے کی آواز نہیں سن سکتے

تم مجھے کوئی شیطان کی اولاد معلوم ہوتے ہو یانگ نے دانت پیس کر کہا۔ آخر یہ سب چکر ہے کیا۔ تم ہم لوگوں سے کیا چاہتے ہو۔ مجھے یاد ہے کہ میں تو ایک مکان کے تہ خانے میں تھا۔ اب یہاں کیسے آ گیا۔

اس کا بندوبست بھی میں نے ہی کیا تھا ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا

اور ہم دونوں کو یہاں سے نکالنے کا بندوبست کون کرے گا۔ یانگ نے پوچھا

اس کی کوئی جلدی نہیں ہے ڈاکٹر نے جواب دیا

ژوآن یانگ اور ڈاکٹر کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ لیکن یانگ کی گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں سن رہا تھا۔ البتہ یانگ کے ہونٹوں کو ہلتے ہوئے دیکھ سکتا تھا

ڈاکٹر اب مطمئن ہو چکا تھا کہ ژوآن اور یانگ اب پورے طور پر ہوش میں آ چکے تھے۔ وہ اپنے کام کا آغاز کر سکتا تھا۔ اس کا دل خوشی کے مارے رقص کر رہا تھا۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ طاقت ور آدمی سمجھ رہا تھا



اس نے انسانی گوشت خور جراثیم کو کافی بڑی تعداد میں پہلے یانگ کے کنٹینر میں داخل کیا۔ یانگ اور ژوآن دونوں حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے۔ ظاہر ہے انہیں جراثیم تو نظر آ نہیں سکتے تھے۔ تاہم وہ دونوں ہی اس بات کو کسی حد تک سمجھ گئے تھے کہ یہ شخص کوئی جنونی سائنس داں ہے اور انہیں کسی سائنسی تجربے کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ اور دونوں ہی کا خیال تھا کہ یہ کوئی خوشگوار تجربہ نہیں ہوگا۔ دونوں حد درجہ خوفزدہ تھے۔ ان کے اردگرد جو کچھ موجود تھا اس کو بغور دیکھنے کے بعد انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی لیبارٹری میں ہیں

ڈاکٹر نے جراثیم یانگ کے کنٹینر میں داخل کئے اور پھر خردبین لگا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب وہ بغور مشاہدہ کر رہا تھا

یہ تم کیا کر رہے ہو۔ یانگ نے اس سے سوال کیا۔ تم خردبین سے میرے اندر کیا دیکھنا چاہتے ہو۔

ڈاکٹر نے یانگ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اس کی پوری توجہ اپنے مشاہدے پر تھی

جراثیم کا غول کنٹینر میں موجود یانگ کے جسم سے لپٹ رہا تھا۔ جراثیم اس کے کپڑوں کے اندر گھس گئے تھے۔ اس کے سارے جسم پر ان کی نقل و حرکت جاری تھی۔ لیکن وہ یانگ کا گوشت نہیں کھا رہے تھے۔ ویکسین نے یانگ کے گوشت کے اندر ایسی تاثیر پیدا کر دی تھی کہ جراثیم کے لئے بالکل ہی ناقابل قبول بن گیا تھا۔ یانگ بے چارے کو کچھ خبر ہی نہیں تھی کہ اس کے جسم پر ایک ایسی قیامت رینگ رہی ہے کہ ڈاکٹر اگر اسے ویکسین کا انجکشن نہ لگا چکا ہوتا تو اب تک اس کے جسم کی کھال ادھڑنی شروع ہو جاتی

ژوآن بھی اس سارے منظر کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ مگر یانگ کی طرح وہ بھی کچھ سمجھنے سے قاصر تھا

آدھے گھنٹے تک ڈاکٹر نے اپنے مشاہدے کا عمل جاری رکھا۔ وہ اپنی اس کامیابی پر بے حد مسرور تھا۔ اس نے اپنی تیار کردہ ویکسین کا پہلی بار ایک جیتے جاگتے انسانی جسم پر تجربہ کیا تھا۔ اور یہ تجربہ سو فیصدی کامیاب رہا تھا۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ وہ اس ویکسین کو پورے اعتماد کے ساتھ استعمال کر سکتا ہے

آدھے گھنٹے تک جراثیم سارے کنٹینر کے اندر چکر لگاتے رہے۔ لیکن انہوں نے یانگ کے جسم پر حملہ نہیں کیا۔ ڈاکٹر نے جو ویکسین تیار کی تھی۔ وہ چھ ماہ تک انسانی جسم کو ان گوشت خور جراثیم سے محفوظ رکھنے کی قوت کی حامل تھی

اب ڈاکٹر کا رخ ژوآن کی طرف تھا۔ اس نے یانگ کے مقابلے میں بہت ہی کم تعداد میں جراثیم ژوآن کے کنٹینر کے اندر داخل کر دیئے۔ یانگ کے مقابلے میں ان کی تعداد دس فیصدی سے بھی کم تھی

یہ آخر تم کیا مسخرہ پن کر رہے ہو۔ ژوآن نے اس سے پوچھا۔ تمہاری ان تمام بے سروپا حرکتوں کا مقصد کیا ہے۔

جلد ہی تمہاری سمجھ میں آ جائے گا ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

اور وہ اس کرسی پر آ کر خردبین لگا کر بیٹھ گیا

جراثیم کنٹینر کے اندر داخل ہو کر سیدھے ژوآن کے جسم سے جا لپٹے ڈاکٹر خردبین کی مدد سے ان کی نقل و حرکت کی پوری طرح نگرانی کر رہا تھا

جراثیم نے آہستہ آہستہ ژوآن کے جسم کے مساموں میں داخل ہونا شروع کیا۔ ان کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ ژوآن کے جسم پر بظاہر ان کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ڈاکٹر دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنا کام کر رہے ہیں

کوئی پندرہ منٹ کے بعد ژوآن کو اپنی پنڈلی میں کھجلی محسوس ہوئی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں جراثیم کی زیادہ تعداد لپٹی ہوئی تھی

ژوآن نے اپنی پنڈلی کھجائی اور پھر اس کا ہاتھ واپس اپنے چہرے کی طرف آ گیا۔ ہاتھ کے ساتھ ہی تھوڑے سے جراثیم بھی اس کے چہرے پر آ گئے اور اسکے نچلے ہونٹ سے لپٹ گئے ہونٹ کی نرم اور حساس جلد میں وہ جلدی سے پیوست ہونے لگے۔ ژوآن کو اپنے ہونٹ پر کھجلی محسوس ہوئی اور وہ وہاں کھجانے لگا

ژوآن کے جسم میں اب جگہ جگہ خارش شروع ہوجاتی تھی۔ اس کا ہاتھ دوسری جگہ پہنچ جاتا۔ اور وہاں سے کسی اور جگہ لیکن کسی ایک جگہ بھی کھجلی ختم نہیں ہوئی تھی

ژوآن ایک جگہ کھجاتا تھا تو دوسری جگہ خارش شروع ہوجاتی تھی۔ اس کا ہاتھ دوسری جگہ پہنچ جاتا۔ اور وہاں سے کسی اور جگہ لیکن کسی ایک جگہ کی بھی کھجلی ختم نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ اس کی شدت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا

یہ کیا مصیبت ہے۔ ژوآن نے جھلا کر کہا۔ یہ میرے سارے جسم میں اس قدر کھجلی کیوں ہورہی ہے۔ مجھے یہاں سے باہر نکالو۔ میں نہانا چاہتا ہوں

>ڈاکٹر نے ژوآن کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنے مشاہدے میں پوری طرح غرق تھا

رفتہ رفتہ خارش اتنی بڑھی کہ ژوآن بے چین ہوگیا۔ اس کے جسم میں جگہ جگہ خراشیں پڑنے لگی تھیں اور وہ دیوانوں کی طرح کھجا رہا تھا۔ لیکن کھجلی تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ لگتا تھا کہ اس کے سارے جسم میں کسی نے آگ بھردی ہو

یانگ حیران و پریشان ژوآن کی اس عجیب و غریب کیفیت کو دیکھ رہا تھا

ڈاکٹر پہلی مرتبہ ایک بالغ انسان کے جسم پر گوشت خور جراثیم کا تجربہ کررہا تھا۔ اور اس میں وہ ایک ایسا لطف محسوس کررہا تھا جس کا اسے اپنی زندگی میں اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اس کا رواں رواں ایک عجیب و غریب احساس مسرت سے سرشار تھا

ژوآن کی بے چینی میں برابر اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اب اس کے منہ سے اف آہ کی آوازیں بھی نکلنی شروع ہوگئی تھیں

خدا کے لئے مجھے اس عذاب سے نکالو اچانک ژوآن شدید تکلیف کے عالم میں زور سے چلایا۔ میرے سارے جسم میں آگ لگ رہی ہے۔ آخر یہ تم نے کیا کیا ہے۔ یہ کون سی بلا مجھ پر نازل ہوگئی ہے۔ اف اور وہ زور زور سے اپنے جسم کو کھرچنے لگا تھا

اب ژوآن کے جسم سے جگہ جگہ سے خون جاری ہوگیا تھا۔ جراثیم کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہورہا تھا۔ ایک سے دو۔ دو سے چار اور چار سے آٹھ۔ وہ بڑھتے ہی جارہے تھے۔ اور جہاں جہاں سے ژوآن کے جسم میں خراشیں پڑرہی تھیں۔ وہاں سے وہ اور اندر تک سرایت کرتے جارہے تھے۔ ژوآن کا چہرہ لہولہان ہورہا تھا۔ اس کے ہونٹ پھٹ گئے تھے اور پیٹ کی کھال جگہ جگہ سے ادھڑ رہی تھی

ژوآن اب بری طرح چیخ رہا تھا۔ تکلیف اس کے لئے اب ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی۔ اس نے اپنے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اور اس کا سارا جسم خون میں بھیگتا چلا جارہا تھا

: یہ تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے۔ یانگ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کا تو سارا بدن زخمی ہوتا جارہا ہے۔ خدا کے لئے اسے اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔ ورنہ یہ تو مرجائے گا یانگ انتہائی خوفزدہ ہوگیا تھا

ڈاکٹر نے اس بار بھی یانگ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے شاید یانگ کی بات کو پورے طور پر سنا بھی نہیں اس کی ساری توجہ اپنے مشاہدے پر مرکوز تھی

جراثیم کو پہلی بار ایک پورے انسانی جسم پر حملہ آور ہونے کا موقع ملا تھا اور وہ اس پر ساری قوت اور توانائی آزمارہے تھے۔ اور ڈاکٹر یہ دیکھ دیکھ کر خوش ہورہا تھا کہ ان کا انسانی گوشت کھانے کا عمل کس قدر تیز رفتاری سے جاری تھا

ڈاکٹر کے کانوں میں اب ژوآن کی دلخراش چیخیں گونج رہی تھیں۔ ژوآن اب کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ وہ صرف چیخ رہا تھا۔ کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح اس کا جسم بری طرح اچھل رہا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے شیشے کی دیواروں پر مکے برسا رہا تھا۔ لیکن دیواروں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہورہا تھا۔ اس کے خون آلود ہاتھوں سے بہتا ہوا لہو شیشے کی دیواروں پر جگہ جگہ لگ گیا تھا

ڈاکٹر اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ کشمکش زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکے گی۔ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ جراثیم کی تعداد دوگنی ہوتی جارہی تھی

اب ژوآن کے جسم سے جگہ جگہ سے گوشت غائب ہونا شروع ہوگیا تھا۔ ژوآن کی نظر سب سے پہلے اپنی کلائی پر پڑی جہاں سے گوشت کا ایک حصہ غائب ہوچکا تھا۔ ژوآن نے یہ دہشت ناک منظر دیکھا اور اس کے حلق سے ایک فلک شگاف چیخ نکلی جسے اس کے اور ڈاکٹر کے علاوہ اور کوئی نہیں سن سکتا تھا۔ ژوآن کا سارا جسم پھڑک رہا تھا اور شیشے کے بکس کی دیواروں سے بری طرح ٹکرا رہا تھا

خدا کے لئے اس کی حالت پر رحم کرو یانگ نے تقریباً "روتے ہوئے کہا۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس کا بھی وہی حشر ہوگا کہ جو ژوآن کا ہورہا ہے۔ اور اپنے اس دہشت ناک انجام کے بارے میں سوچ کر ہی وہ نیم مردہ ہوا جارہا تھا

تقریباً" ایک گھنٹے تک ژوآن ایک ایسی اذیت سے دوچار رہا جو دنیا میں آج تک پانچ سالہ لڑکی میکی کے علاوہ اور کسی انسان نے برداشت نہیں کی تھی لیکن میکی کم عمر تھی۔ کمزور تھی اور وہ جلد ہی بے ہوش ہوگئی تھی۔ جبکہ ژوآن ایک جوان اور تندرست آدمی تھا اور ایک گھنٹے سے یہ عذاب جھیل رہا تھا لیکن اب اس کی بھی قوت مدافعت جواب دیتی جارہی تھی

میں مررہا ہوں ژوآن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ میں مرجاؤں گا۔ ظالم درندے۔ میں اب یہ تکلیف برداشت نہیں کرسکتا

>آہستہ آہستہ ژوآن کی قوت برداشت بالکل ہی جواب دے گئی۔ اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے اور وہ بے ہوش ہوگیا اس کی جدوجہد ختم ہوچکی تھی

کیا وہ مرگیا۔ یانگ نے رقت آمیز آواز میں پوچھا

نہیں اس بار ڈاکٹر نے اس کی بات کا جواب دیا۔ خود ڈاکٹر کے تنے ہوئے اعصاب بھی ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے اپنے ماتھے پر سے پسینہ پونچھا۔ ژوآن کی مسلسل چیخ و پکار سے اس پر جونچ کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی وہ اب قدرے کم ہوگئی

اس نے ایک نظر یانگ کی طرف دیکھا۔ یانگ کے چہرے کا زرد رنگ اور بھی زیادہ زرد ہوگیا تھا۔ اس کے ہونٹ خشک ہورہے تھے اور آنکھیں وحشت اور دہشت کے عالم میں پھٹی پھٹی تھیں۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس بار اس کی زبان نے ساتھ نہ دیا۔ یوں لگتا تھا کہ خوف اور دہشت کے مارے اس کی زبان بند ہوگئی ہے۔ جتنا صدمہ اسے ژوآن کی حالت دیکھ کر ہورہا تھا۔ اس سے کہیں زیادہ خوف اسے اپنے انجام کا تھا

لیکن ابھی تو اس کے لئے بہت کچھ دیکھنا باقی تھا

ڈاکٹر نے اپنی نگاہیں دوبارہ ژوآن کے جسم پر گاڑ دیں جراثیم اس کے جسم کو کسی بلائے ناگہانی کی طرح کھا رہے تھے گوشت کے ایک ایک ذرے پر کروڑوں اربوں جراثیم چمٹے ہوئے تھے۔ اس کا سارا جسم جسم کا ایک ایک مسام اب جراثیم کی غذا بنتا جارہا تھا۔ اب اس کے بدن کا گوشت تیزی کے ساتھ غائب ہونا شروع ہوگیا تھا

☆☆

گوشت خور جراثیم کی تیاری کے بعد ڈاکٹر گوشت خور جراثیم سے سے بچاؤ کے لیے ویکسین بھی تیار کرنا چاہتا تھا اس کے لیے اسے انسانی گوشت کی ضرورت تھی۔ وہ اس کی تلاش میں سرگرداں رہا ایک دن حادثے میں ہلاک ہونے والے ایک شخص کا بازو کاٹ لایا اور اپنی مطلوبہ ویکسین تیار کرلی۔ بعد میں ڈاکٹر کو پتا چلا کہ ہلاک ہونے والا شخص خود اس کی اپنی تنظیم کا آدمی رونس تھا اور اسے ایک مخالف تنظیم نے ہلاک کیا تھا۔ ڈاکٹر نے اپنی تنظیم کے ذریعے اس مخالف تنظیم کو آسانی سے تباہ کردیا۔ ایک دن جیک ڈاکٹر کے مکان پر اس کو اطلاع دیئے بغیر ایک

خوبصورت لڑکی ڈاکٹر مس سارا ویلڈن کو لے آیا۔ جسے ڈاکٹر جوزف نے اپنے پروجیکٹ میں بھرتی کرلیا تھا۔ ڈاکٹر نے اپنی دوربیں اور دروں بیں نظروں سے اس کے پرس کا جائزہ لے کر معلوم کرلیا کہ وہ ڈاکٹر لی کی ایجنٹ ہے۔ سارا ویلڈن نے ڈاکٹر لی کے نام لکھا ہوا خط یانگ نامی دکان دار کے حوالے کیا اور خودکار کے حادثے میں ہلاک ہوگئی۔ ڈاکٹر نے اپنی تنظیم کے آدمیوں کے ذریعے یانگ کو اغوا کرلیا۔ اسے ڈرا دھمکا کر اس کے گھر فون کروادیا کہ تین دن کے لیے لاس اینجلز جارہا ہے۔ اس کے بعد اس سے ڈاکٹر لی کی تنظیم کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اس کی نشاندہی پر چنگ تک جا پہنچا پھر اسے بھی اغوا کرلیا۔ چنگ نے سخت ترین تشدد کے باوجود زبان نہیں کھولی ڈاکٹر نے اسے سوچنے کا موقعہ دیا اور کہا کہ وہ اگلے دن تشدد کے وہی طریقے آزمائے گا جو چینی قدیم زمانے سے اپنے دشمنوں پر آزماتے چلے آئے ہیں۔ جب چنگ نے اگلے دن بھی زبان نہ کھولی تو ڈاکٹر نے اسے پتلی سی بنچ سے بندھوادیا۔ اس کے پیٹ پر ایک چوہا چھوڑا اور اس پر ایک توا رکھ کر چوہے کو بند کردیا۔ پھر ہیٹر سے توے کو گرم کروانا شروع کیا۔ گرمی سے بچنے کے لیے چوہے نے چنگ کے پیٹ کو کاٹنا شروع کیا اور چنگ کے حلق سے بھیانک چیخیں نکلنے لگیں

چنگ کے خاتمے کے بعد ڈاکٹر نے یانگ کے ذریعہ ژوآن کو اپنے دام میں پھنسایا اور اس طرح ڈاکٹر مادام لی اور اس کے اس گروہ سے واقف ہوگیا جو ڈاکٹر کے لیے ایک چیلنج کی صورت میں سامنے آیا تھا چنانچہ ڈاکٹر نے ایک منظم پروگرام بنایا اور مادام لی کے گروہ کے ایک ایک آدمی کو چن چن کر ہلاک کردیا البتہ یانگ اور ژوآن کو بے ہوشی کی حالت میں ڈاکٹر کی خفیہ تجربہ گاہ میں پہنچادیا گیا۔ ڈاکٹر نے سب سے پہلے یانگ کے بازو میں ایک انجکشن لگایا۔ وہ اس ویکسین کا انجکشن تھا جو انسانی گوشت خور جراثیم کی مزاحمت کرنے والی ویکسین تھی۔ اس کے بعد ڈاکٹر نے دونوں کو خاص قسم کے بنے ہوئے شیشے کے کنٹینروں میں بند کردیا۔ ان میں سانس لینے کا خصوصی انتظام موجود تھا۔ اب ڈاکٹر کو دونوں کے ہوش میں آنے کا انتظار تھا۔ یانگ اور ژوآن کو جب ہوش آیا تو انہوں نے اپنے آپ کو شیشے کے تابوت میں بند پایا دونوں نے نکلنے کی بڑی جدوجہد کی مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ ڈاکٹر نے انسانی گوشت خور جراثیم کی کافی بڑی تعداد کو پہلے یانگ کے کنٹینر میں داخل کیا اور خوردبین کے ذریعے ان کا جائزہ لینے لگا جراثیم یانگ کے جسم سے لپٹ گئے۔ وہ اس کا گوشت نہیں کھا رہے تھے۔ ویکسین نے یانگ کے گوشت کے اندر ایسی تاثیر پیدا کردی تھی کہ جراثیم کے لیے وہ بالکل ہی ناقابل قبول بن گیا تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر نے جراثیم کی بہت معمولی مقدار کو ژوآن کے کنٹینر میں داخل کیا۔ جراثیم ژوآن کے جسم پر ٹوٹ پڑے اور اس کی کھال ادھیڑنی شروع کی ژوآن خوف و دہشت کے عالم میں بری طرح چیخنے لگا

۔یہ تھا گزشتہ قسط کا خلاصہ اب آپ آگے پڑھیے

ڈاکٹر نے اپنی نگاہیں دوبارہ ژوآن کے جسم پر گاڑ دیں۔ جراثیم اس کے جسم کو کسی بلائے ناگہانی کی طرح کھا رہے تھے۔ گوشت کے ایک ایک ذرے پر کروڑوں اربوں جراثیم چمٹے ہوئے تھے۔ اس کا سارا جسم جسم کا ایک ایک مسام اب جراثیم کی غذا بنتا جارہا تھا۔ اب اس کے بدن کا گوشت تیزی کے ساتھ غائب ہونا شروع ہوگیا تھا

یانگ بڑے غور سے یہ دل دہلا دینے والا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ژوآن کے جسم پر سے گوشت کیوں ادھڑتا جارہا ہے

وقت بالکل غیر محسوس طریقے پر گزرتا رہا اور اچانک یانگ نے محسوس کیا کہ ژوآن کے دونوں رخسار غائب ہوگئے ہیں۔ اس کی ناک آدھی سے زیادہ ختم ہوچکی ہے۔ ایک آنکھ کی جگہ صرف گڑھا رہ گیا ہے۔ ایک کان کی لو کم ہوچکی ہے



اف میرے خدا یانگ نے لرز کر دل ہی دل میں کہا۔ یہ کیا ہورہا ہے۔ نہ جانے یہ سب کیا ہے اور یہ شخص یہ پاگل قاتل اور جنونی یہ کس قدر خاموشی سے خوردبین کے ذریعے یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ مگر یہ کیا دیکھ رہا ہے۔ خدا جانے کیا دیکھ رہا ہے۔ کاش میں آزاد ہوتا تو اسے اس قدر آزادی کے ساتھ من مانی کرنے کی اجازت نہ دیتا

> کئی گھنٹے گزر گئے۔ ڈاکٹر کا مشاہدہ جاری رہا۔ ژوآن نے بے ہوشی کے عالم میں دم توڑ دیا تھا۔ جس طرح سکی بے ہوشی کے عالم میں مرگئی تھی۔ اسی طرح ژوآن بھی مرگیا

یانگ کا یہ حال تھا کہ اب وہ ژوآن کی طرف مستقل نہیں دیکھ رہا تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ ژوآن مرچکا ہے۔ کوئی بھی شخص اس عالم میں زندہ نہیں رہ سکتا تھا جس عالم میں ژوآن تھا۔ یانگ اب زیادہ تر اپنی آنکھیں بند رکھتا تھا اور کسی کسی وقت آنکھیں کھول کر ڈرتے ڈرتے ژوآن کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ ہر بار جب وہ ژوآن کی طرف دیکھتا تو اسے ژوآن کے جسم کے اعضا پہلے کے مقابلے میں کم نظر آتے

ہوش میں آنے کے بعد سے یانگ نے مسلسل اس شیشے کے بکس کو توڑنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس کی یہ کوشش ناکام ثابت ہوئی تھی۔ اس نے اس بکس پر مکے برسائے تھے۔ لاتیں ماری تھیں۔ اپنا سر اس کی دیواروں سے ٹکرایا تھا۔ لیکن سب بے سود بکس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا

ژوآن کو کسمپرسی کے عالم میں مرتے ہوئے دیکھ کر یانگ نے آخری کوشش کے طور پر بکس کے اندر ایک بار پھر جدوجہد شروع کردی

سب بے کار ہے بیوقوف آدمی ڈاکٹر نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ اپنے آپ کو نقصان کیوں پہنچا رہے ہو۔ تمہارے ہاتھ پیر ٹوٹ جائیں گے۔ مگر یہ بکس نہیں ٹوٹے گا

میں رہائی چاہتا ہوں ذلیل جادوگر یانگ نے نفرت سے پھنکارتے ہوئے کہا۔ تم انسان نہیں ہو تم کوئی درندے ہو۔ قابل نفرت درندے ا تم مکار اور فریبی ہو تم نے دھوکے سے ہمیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہے

> ڈاکٹر نے یانگ کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا

آخر وہ وقت بھی آیا جب ژوآن کے جسم کے گوشت کا بڑا حصہ غائب ہوچکا تھا۔ ڈاکٹر کو معلوم تھا کہ کچھ دیر اور گزرے گی اور پھر ژوآن کے جسم کا صرف ڈھانچہ باقی رہ جائے گا

اس نے ایک بار پھر اپنی خوردبین کا رخ یانگ کی طرف کیا۔ گوشت خور جراثیم اس کے کنٹینر میں موجود تھے۔ لیکن انہوں نے یانگ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ یانگ ان ساری باتوں سے بے خبر تھا

ڈاکٹر نے اب اپنی خصوصی ڈائری اٹھائی اور خفیہ الفاظ میں اپنے مشاہدات اور نتائج کو قلم بند کرنے لگا۔ وہ کافی دیر تک لکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے لکھنے کا سلسلہ بند کردیا۔ بیچ بیچ میں وہ ژوآن پر ایک آدھ نظر ڈالتا جارہا تھا۔ ژوآن کا بدن تیزی سے گھل رہا تھا اور کنٹینر میں دھواں سا ابھرتا ہوا معلوم ہورہا تھا۔ یہ دھواں آہستہ آہستہ گہرا ہوتا جارہا تھا اور ژوآن کی شبیہ دھندلی ہوتی جارہی تھی۔ ڈاکٹر اپنی دوربیں اور دروں بیں نظروں کی مدد سے اس شبیہ کو صاف طور پر دیکھ رہا تھا۔ لیکن یانگ اسے صاف طور پر نہیں دیکھ پارہا تھا

ڈاکٹر نے یانگ کی طرف دیکھا اور آہستہ سے مسکرا دیا۔ یانگ نفرت اور خوف کے مارے بے قابو ہوگیا۔ اسے یقین آگیا کہ ژوآن کے بعد اب اس کی باری ہے اور جو کچھ اس شخص نے ژوآن کے ساتھ کیا ہے وہی وہ اس کے ساتھ بھی کرے گا

> اور اس کا یہ یقین اس وقت تو اور بھی پختہ ہوگیا۔ جب اس نے ڈاکٹر کو اپنے بکس کی طرف آتے دیکھا

نہیں یانگ اپنے حلق کی پوری قوت کے ساتھ چلایا۔

میں اس طرح نہیں مرنا چاہتا۔ تم مجھے گولی مار دو۔ میرا گلا گھونٹ دو

تم سے کس نے کہا ہے کہ میں تمہیں مارنے جا رہا ہوں۔ ڈاکٹر کو اس چوہے بلی کے کھیل میں بڑا لطف آ رہا تھا۔ اس کی سفاک اور اذیت پسند طبیعت کے لیے اس سے زیادہ دلچسپ منظر اور کون سا ہو سکتا تھا! وہ تو چاہتا ہی یہی تھا کہ لوگ اس کے سامنے گڑگڑا کر اس سے رحم کی بھیک مانگیں اور وہ ان کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق سلوک کرے۔

تم میرے ساتھ بھی یہی کرنے جا رہے ہو جو تم نے ژوآن کے ساتھ کیا ہے یانگ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

میں تمہارے ساتھ ایسا نہیں کروں گا ڈاکٹر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ بشرطیکہ تم میرے ساتھ تعاون کرو

تعاون۔ تعاون۔ تعاون یانگ نے چلا کر کہا۔ میں نے اور ژوآن نے تمہارے ساتھ ہر ہر قدم پر تعاون کیا ہے اور اسکا تم نے کیا صلہ دیا۔ اب تم مجھ جیسے مجبور اور بے بس انسان سے کیا تعاون چاہتے ہو۔ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ بہرحال اگر میں کچھ کر سکتا ہوں تو اس کے لیے تیار ہوں

میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے ڈاکٹر نے کہا۔ اور یانگ کے کنٹینر میں قاتل جراثیم داخل کر دیے

قاتل جراثیم نے اندر جاتے ہی وہاں پہلے سے موجود گوشت خور جراثیم کو کھانا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر خورد بین آنکھوں سے لگائے ہوئے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ یانگ کو کچھ نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ تاہم اس کا یہ خوف کسی حد تک کم ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا جو ژوآن کے ساتھ کیا گیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر کو دوبارہ خورد بین لگاتے دیکھ کر وہ سراسیمہ ہو رہا تھا

قاتل جراثیم تیزی سے گوشت خور جراثیم کو کھا رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ جب کہ گوشت خور جراثیم کی تعداد میں برابر کمی ہوتی جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے گوشت خور جراثیم ختم ہو گئے۔ ڈاکٹر نے قاتل جراثیم کو جنہیں نئی توانائی اور قوت حاصل ہو گئی تھی۔ کنٹینر میں سے نکال دیا۔ دونوں تجربے بالکل کامیاب رہے تھے۔ پہلی بار بالغ انسانی جسموں پر تجربہ کرنے کا جو موقع اسے ملا تھا۔ وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایسے مواقع بار بار نہیں مل سکتے

ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ژوآن کے جسم پر ایک نظر ڈالی۔ وہاں اب ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ پڑا تھا

ڈاکٹر نے ژوآن والے کنٹینر سے طاقتور اور توانا جراثیم کی تقریباً" آدھی سے زیادہ تعداد کو نکال کر الگ محفوظ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اس کنٹینر میں بھی قاتل جراثیم کو داخل کر دیا۔ جنہوں نے گوشت خور جراثیم کو اپنی غذا بنانا شروع کر دیا۔ ژوآن والے کنٹینر میں اب اس قدر گاڑھا گاڑھا دھواں سا بھر گیا تھا کہ یانگ کو اس کے اندر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن ڈاکٹر تو سب کچھ دیکھ سکتا تھا

تھوڑی دیر میں بچے کھچے گوشت خور جراثیم کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ڈاکٹر نے انہیں کنٹینر سے نکال کر محفوظ کر لیا۔ اب دونوں کنٹینر ہر قسم کے جراثیم سے بالکل پاک ہو چکے تھے

اپنی وحشیانہ سرگرمیوں کے دوران ڈاکٹر کو وقت کا جیسے احساس ہی نہیں رہا تھا۔ وہ شام ڈھلنے کے بعد سے مسلسل اپنے شیطانی کاموں میں مصروف رہا۔ اب جب کہ وہ اپنے تمام تجربات کو کامیابی کے ساتھ مکمل کر چکا تھا اس نے ذرا اطمینان کا سانس لیا اور تب اسے پتا چلا کہ ساری رات گزر چکی ہے اور صبح ہونے میں زیادہ دیر باقی نہیں ہے۔ اس کا کام بھی اب ختم ہونے کے قریب ہی تھا

اس نے یانگ کے کنٹینر میں بے ہوش کرنے والی دوا



داخل کر دی اور اس کے چند منٹ بعد یانگ بے ہوش ہو گیا۔ ڈاکٹر کو معلوم تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔ وہ ایک ایک چیز کا پہلے ہی بندوبست کر چکا تھا

...٧...٧

...٧... کئی گھنٹے کے بعد یانگ جب ہوش میں آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک عجیب و غریب حالت میں پایا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جس کی دیواریں آہنی تھیں اور چھت کافی نیچی تھی۔ یانگ کو اس کی چھت بھی لوہے کی بنی ہوئی لگ رہی تھی۔ یانگ نے اپنے آپ کو ایک تنگ سے آہنی پلنگ پر لیٹے ہوئے پایا۔ تاہم بستر کچھ زیادہ تکلیف دہ نہیں تھا۔ اس نے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں

سارے کمرے میں فرنیچر نام کی کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔ کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی لیکن ہوا آنے کا کوئی نہ کوئی انتظام ضرور تھا۔ جو یانگ کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ کمرے میں گھٹن بالکل نہیں تھی۔ یانگ کے چھوٹے سے بستر کے ساتھ ایک چھوٹی سی میز لگی ہوئی تھی

یانگ نے غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ اٹھایا اور اچانک اسے وزن کا احساس ہوا اور اس کے ساتھ ہی چھنن چھنن کی آواز بلند ہوئی اور تب یانگ کو اس کا علم ہوا کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں آہنی زنجیریں ہیں۔ وہ اپنے ہاتھوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ دونوں کلائیوں میں مضبوط ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ دونوں ہتھکڑیوں سے زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ زنجیریں لمبی اور پھیلی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ یانگ نے اٹھ کر یہ دیکھنا چاہا کہ ان زنجیروں کے آخری سرے کس چیز سے بندھے ہوئے ہیں اور جب وہ اٹھا تو اس پر یہ انکشاف ہوا کہ صرف اس کے ہاتھوں میں ہی نہیں بلکہ پیروں میں بھی زنجیریں بندھی ہوئی ہیں۔ لیکن چاروں زنجیریں اس طرح بندھی ہوئی تھیں کہ وہ بہ آسانی حرکت کر سکتا تھا

یانگ اپنے بستر سے اٹھ کر نیچے فرش پر کھڑا ہو گیا اور زنجیروں کی چھنا چھن اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ اس نے چاروں طرف غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اس چھوٹے سے کمرے میں اسے دو دروازے نظر آ رہے تھے۔ ایک دروازہ اس کے بستر کے بالکل قریب تھا اور دوسرا دروازہ سامنے والی دیوار میں تھا۔ ان دروازوں کے علاوہ کمرے میں کوئی دروازہ روشندان یا کھڑکی نظر نہیں آ رہی تھی

یانگ آگے بڑھا۔ زنجیریں بجنے لگیں۔ یانگ نے فرش پر بیٹھ کر دیکھا کہ زنجیروں کے آخری سرے کہاں بندھے ہوئے ہیں اور تب اسے نظر آیا کہ چاروں زنجیروں کے آخری سرے آہنی بستر کے نیچے فولاد کے کڑوں کے ساتھ پہلے تو نٹ بولٹ سے ٹائٹ کیے گئے ہیں۔ اور اس کے بعد انہیں ویلڈ کیا گیا ہے۔ اس طرح ان سروں کو ان کڑوں سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن زنجیروں کی لمبائی کافی رکھی گئی تھی

یانگ نے پہلے بستر کے قریب والے دروازے کو آزمایا۔ اس نے اس کا ہینڈل پکڑ کر گھمایا اور دروازہ بغیر کسی دقت کے بالکل آسانی سے کھل گیا۔ یانگ کا دل خوشی کے مارے دھڑکنے لگا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا اور فوراً ہی اس کی خوشی مایوسی میں بدل گئی

دروازے کے پیچھے ایک چھوٹا سا باتھ روم تھا

یانگ نے باتھ روم اور اس میں موجود تمام چیزوں کا تیزی سے جائزہ لینا شروع کیا۔ یہاں اسے صابن ٹوتھ برش اور ٹوتھ پیسٹ رکھے ہوئے ملے۔ دو تولیے بھی ایک ٹاول بار پر ٹنگے ہوئے تھے۔ ٹوائلٹ پیپر کے کئی رول موجود تھے۔ یانگ اپنی زنجیروں کے ساتھ واش بیسن اور ٹوائلٹ سیٹ تک بہ آسانی پہنچ سکتا تھا

باتھ روم میں کسی پرفیوم کی کوئی شیشی موجود نہیں تھی۔ یہاں کوئی آئینہ نہیں تھا۔ اور شیو کرنے کا سامان بھی نہیں تھا۔ کوئی ایسی چیز جو کاٹنے توڑنے پھینک کر مارنے یا خود کو زخمی یا ہلاک کرنے کے کام آ سکے یہاں موجود نہیں تھی

یانگ نے واش بیسن کے پاس جا کر ٹھنڈے پانی کا نل

کھولا نل میں پانی آ رہا تھا۔ اس نے چلو میں پانی بھرا اور اپنے چہرے پر ڈالنے لگا۔ زنجیر میں بندھے ہوئے ہاتھ کے ساتھ منہ دھونے میں اسے کافی دقت ہو رہی تھی۔ یہ اس کے لیے ایک عجیب و غریب تجربہ تھا۔ تاہم اس نے اسی طرح منہ بھی دھویا اور کلیاں بھی کیں۔ ٹھنڈے پانی نے اس کے تھکے ہوئے اعصاب کو بہت سکون بخشا۔ اس نے پانی پی بھی لیا

وہ باتھ روم سے باہر نکل آیا اور اب وہ دوسرے دروازے کی طرف بڑھا

لیکن وہ دروازے تک پہنچنے کا آدھا ہی راستہ طے کر پایا تھا کہ اسے رک جانا پڑا۔ پیروں اور ہاتھوں کی زنجیریں ایک ساتھ تن گئیں اور اب وہ ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتا تھا

نہ جانے یہ شیطان مجھ سے کیا چاہتا ہے یانگ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ژوآن کو اس نے عجیب و غریب طریقہ سے ہلاک کر دیا اور مجھ پر نہ جانے کیا ستم توڑے گا۔ اس نے معلوم نہیں کس غرض سے مجھے یہاں قید رکھا ہے

یانگ نے پورے کمرے کا اس حد تک چکر لگایا جس حد تک اس کی زنجیروں نے اجازت دی۔ جہاں زنجیریں تن کر اس کا راستہ روک دیتیں وہاں وہ آگے بڑھنے کے بجائے دوسری طرف گھوم جاتا۔ یانگ کو پورے کمرے میں اپنے بستر اور میز کے علاوہ کوئی تیسری چیز نظر نہیں آئی۔ میز بھی اس وقت بالکل خالی تھی۔ اس پر پانی کا ایک گلاس تک موجود نہیں تھا

یانگ کو وقت کا کوئی اندازہ نہیں تھا کیونکہ اس کے پاس گھڑی موجود نہیں تھی۔ اس چاروں طرف سے بند کمرے میں جس کے دروازہ تک یانگ کی رسائی نہیں تھی۔ سورج کی روشنی کا بھی کہیں گزر نہیں تھا۔ جس سے وقت کا اندازہ ہو سکتا۔ کمرے کی چھت میں کوئی نظر نہ آنے والا بلب یا ٹیوب لگا ہوا تھا جس سے روشنی آ رہی تھی۔ لیکن اس کا کوئی سوئچ نظر نہیں آ رہا تھا

یانگ نے گزشتہ سارا وقت اس قدر خوف و دہشت کے عالم میں گزارا تھا کہ وہ بے پناہ خوف کے علاوہ ہر احساس سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ اب جب کہ وہ قدرے پرسکون ماحول میں تھا تو اس نے محسوس کیا کہ اسے بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اسے کھانا کھائے کتنی دیر گزر چکی ہے

یانگ شدید مجبوری اور بے بسی کے عالم میں تھا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ آئندہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا جس سے وہ کوئی بات کر سکتا وہ اپنی تنہائی کا خود ہی ساتھی تھا۔ تاہم اسے امید تھی کہ وہ شیطان صفت آدمی جس نے اسے اسیر کر رکھا ہے۔ کسی نہ کسی وقت ضرور اس کمرے میں آئے گا۔ بشرطیکہ وہ اسے بھوکا پیاسا مارنے کا عزم نہ رکھتا ہو

یانگ واپس جا کر بستر پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہ نکلے۔ وہ بڑی دیر تک اسی عالم میں خاموش بیٹھا رہا

اچانک ایک عجیب بات رونما ہوئی۔ زنجیریں خود بخود سرسرانے لگیں اور یانگ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اچھل گیا۔ لیکن اس کا اچھلنا بے سود ثابت ہوا۔ زنجیریں جیسے خود بخود پیچھے کی طرف بھاگ رہی تھیں اور کسی نظر نہ آنے والے میکانزم کے تحت ان کی لمبائی گھٹتی جا رہی تھی

یانگ سمجھا کہ اس کی زندگی کے آخری لمحات آ پہنچے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا پالا کسی جنونی قاتل سے پڑا ہے۔ جو طرح طرح کے مختلف حربے استعمال کر کے انسان کو ہلاک کرتا ہے۔ اس نے ژوآن کو کسی زہریلے مادے کے ذریعے ہلاک کیا ہے اور اب وہ خود اس کو آہنی زنجیروں میں جکڑ کر ہلاک کر دینا چاہتا ہے۔ اس اذیت ناک موت کے تصور سے ہی اس کا دماغ سنسنانے لگا۔ زنجیریں سکڑتی جا رہی تھیں اور یانگ اب بستر پر بیٹھ جانے اور اس کے بعد لیٹ جانے پر مجبور ہو گیا۔ اب وہ ان آخری لمحات کا منتظر تھا جب زنجیروں کا بڑھتا ہوا کساؤ



اسکے ہاتھوں اور پیروں کی ہڈیوں کو توڑ کر رکھ دے گا

لیکن وہ آخری لمحات نہیں آئے اور زنجیروں کا کھنچاؤ ایک خاص مرحلے پر آ کر رک گیا۔ یانگ اب بستر پر لیٹا ہوا تھا اور زنجیروں نے مزید سکڑنا بند کر دیا تھا۔ وہ چند لمحے تک اس صورت حال پر غور کرتا رہا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں اور پیروں کو ہلا کر دیکھا۔ وہ انہیں ایک خاص حد تک حرکت دے سکتا تھا۔ لیکن بستر سے اٹھ کر نہیں بیٹھ سکتا تھا

اور پھر اچانک دروازہ کھلا اور ڈاکٹر اندر داخل ہوا

یانگ نے اس شیطان صفت آدمی کو کاغذ کی ایک ٹرے ہاتھ میں لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ یانگ کی طرف دیکھ کر مسکرایا

اب یانگ کی سمجھ میں ساری بات آ گئی تھی۔ اس خبیث انسان نے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ایک خصوصی میکانزم کے ذریعے زنجیروں کو سکیڑ کر یانگ کو بستر پر لیٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ تاکہ یانگ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کر سکے

ڈاکٹر نے وہ ٹرے میز پر رکھ دی۔ یانگ نے اس پر نظر ڈالی۔ اس میں کافی مقدار میں عمدہ قسم کا کھانا موجود تھا۔ لیکن تمام اشیا کاغذ کی پلیٹوں میں رکھی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر نے یہاں تک احتیاط برتی تھی کہ دھات کا کوئی چمچہ چھری یا کانٹا تک موجود نہیں تھا۔ تمام چیزیں پکی لکڑی یا ہارڈ بورڈ کی تھیں۔ کھانے کی خوشبو بڑی اشتہا انگیز تھی اور یانگ کو یوں لگ رہا تھا گویا وہ برسوں کا بھوکا ہے۔ کھانے کی ٹرے میں کاغذ کے گلاس میں شراب بھی موجود تھی

خوب پیٹ بھر کر کھاؤ یانگ ڈاکٹر نے کھانے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ دیکھ لو میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہیں نہیں ماروں گا اور میں نے تمہیں ہلاک نہیں کیا۔ میں نے تمہیں زندہ رکھا ہے

ژوآن کا کیا ہوا۔ یانگ کی زبان سے اچانک نکلا

ژوآن کو بھول جاؤ ڈاکٹر نے کہا۔ صرف اپنے آپ کو اپنے وجود کو یاد رکھو

تم نے ہمیں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ یانگ نے تھکی ہوئی شکست خوردہ آواز میں کہا۔ اگر تم زرد نسل کی تحریک ہی کے بارے میں جاننا چاہتے تھے تو جو کچھ مجھے معلوم تھا وہ میں نے بتا دیا۔ اور جو کچھ ژوآن کو معلوم تھا۔ وہ یقیناً اس نے بتا دیا ہوگا۔ پھر اس حیوانی رویے کی کیا وجہ ہے۔ کیا تم کوئی نفسیاتی مریض ہو۔

نفسیاتی مریض۔ ڈاکٹر زور سے ہنسا۔ تم تو شاید یہ بھی نہیں جانتے کہ نفسیاتی مریض کسے کہتے ہیں۔ بہر حال اس بات کو چھوڑو اور کھانا کھاؤ۔ شاید تمہیں اس بات کا علم نہیں۔ تم نے کل دوپہر کے بعد سے کچھ نہیں کھایا

لیکن میں کس طرح کھانا کھا سکتا ہوں۔ یانگ نے تلخی سے کہا۔ تم نے میری زنجیروں کو اتنا زیادہ کس دیا ہے کہ میں بستر سے اٹھ نہیں سکتا

اوہ۔ ہاں مجھے اس بات کا تو خیال ہی نہیں رہا ڈاکٹر نے کہا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں انہیں ذرا اور ڈھیلی کیے دیتا ہوں۔ اتنا کہہ کر ڈاکٹر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد یانگ نے زنجیروں میں دوبارہ سرسراہٹ محسوس کی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ زنجیریں صرف اس حد تک ڈھیلی ہوئی تھیں کہ وہ پلنگ پر بیٹھ کر سامنے رکھی ہوئی میز پر سے کھانا کھا سکتا تھا

ڈاکٹر دوبارہ آہنی کمرے میں آ گیا۔ یانگ نے بے بسی سے دریافت کیا

تم نے مجھے یہاں اس حال میں کیوں قید کر رکھا ہے۔ یانگ نے پوچھا

میں تمہیں جلد ہی رہا کر دوں گا ڈاکٹر نے بات بناتے ہوئے کہا

مجھے معلوم ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو یانگ نے پژمردہ آواز میں کہا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو لیکن اس کے باوجود میں اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا رکھنا چاہتا ہوں کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔

کبھی کبھی خود فریبی بھی انسان کے لیے بڑی ذہنی تسکین کا باعث بن جاتی ہے

تم خود فریبی کا شکار مت ہو ڈاکٹر نے کہا۔ میں تم کو واقعی رہا کر دوں گا۔ بس کچھ دنوں ہی کی تو بات ہے

>یانگ نے ڈاکٹر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور حسرت آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا

بہتر ہے کہ اب تم کھانا کھا لو ڈاکٹر نے یانگ سے کہا اور یانگ خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا

ڈاکٹر نے یانگ کے لیے بہت اچھے کھانے کا کافی مقدار میں بندوبست کیا تھا۔ یانگ گزشتہ روز سے بھوکا تھا۔ اس نے زیادہ کھانا چاہا۔ لیکن وہ کھا نہیں سکا۔ تھوڑا سا کھانا کھا کر ہی اس کا جی بھر گیا۔ اس نے مشروب کا ایک گلاس اٹھا لیا

اور کیوں نہیں کھاتے۔ ڈاکٹر نے کہا۔ یہ سب کچھ تمہارے ہی لیے تو ہے

مجھے معلوم ہے یانگ نے آہستہ سے کہا۔ لیکن یہ میری ضرورت سے بہت زیادہ ہے

اگر تم کھانے میں کوئی خاص چیز پسند کرتے ہو تو بتا دو ڈاکٹر نے کہا۔ وہ بھی تمہارے لیے مہیا کر دی جائے گی

میں اپنی بیوی کے بارے میں سوچ رہا ہوں یانگ نے غم زدہ لہجے میں کہا۔ نہ جانے اس سے کھانا بھی کھایا جاتا ہوگا یا نہیں

اوہ مجھے تم سے ہمدردی ہے یانگ۔ مگر افسوس کہ میں اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں تمہاری بیوی کے پاس جا کر اسے تمہاری خیریت سے مطلع نہیں کر سکتا ڈاکٹر مسکرایا۔ یانگ نے کوئی جواب نہیں دیا

ڈاکٹر تھوڑی دیر تک یانگ کے پاس بیٹھ کر رخصت ہونے لگا

تم کم از کم مجھے یہ تو بتا سکتے ہو کہ مجھے اس نامراد زندگی کا عذاب کب تک جھیلنا ہوگا۔ یانگ نے پوچھا

تمہاری زندگی نامراد نہیں بامراد ہے ڈاکٹر نے خوشدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا

اگر مجھے زیادہ عرصے تک اس دوزخ میں رہنا ہے تو کم از کم مجھے کچھ کتابیں ہی فراہم کر دو یانگ نے کہا۔ اس طرح اس منحوس فولادی کمرے میں بند رہنے سے تو میرا دماغ الٹ جائے گا

ہاں ڈاکٹر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ تمہارا دماغ بھی نہیں الٹنا چاہیے اور تمہیں زندہ ابھی رہنا چاہیے۔ میں تمہیں ضرور کتابیں فراہم کروں گا۔ تم کس قسم کی کتابیں پڑھنا پسند کرتے ہو۔

مجھے تاریخ سے ایشیائی قوموں کی قدیم تاریخ سے دلچسپی ہے یانگ نے کہا

ٹھیک ہے ڈاکٹر نے کہا۔ تمہیں کتابیں فراہم کر دی جائیں گی

اور یہ زنجیریں۔ یانگ نے کسی ہوئی زنجیروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

مجبوری ہے دوست ڈاکٹر نے خوشگوار لہجے میں کہا

میں اس مجبوری کی بات نہیں کر رہا ہوں یانگ نے تلخی سے کہا۔ کیا یہ اسی طرح کسی رہیں گی۔

اوہ۔ نہیں۔ ڈاکٹر نے کہا۔ میرے جانے کے بعد یہ اپنی پہلی والی حالت پر واپس آ جائیں گی

>ڈاکٹر کاغذ کی ٹرے اٹھا کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد زنجیروں میں ایک بار پھر سرسراہٹ پیدا ہوئی۔ جھنکار کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور زنجیریں پہلے ہی جتنی لمبی ہو گئیں۔ یانگ اب کمرے میں ایک خاص حد تک چل پھر سکتا تھا

یانگ نے وہ رات بڑی بے چینی کے عالم میں گزاری۔ ساری رات وہ بہت ہی بھیانک قسم کے خواب دیکھتا رہا۔ بار بار اس کی آنکھ کھل جاتی تھی

صبح کو جب وہ ہاتھ منہ دھو کر فارغ ہو گیا تھا زنجیروں کا حلقہ اچانک ایک بار پھر تنگ ہونے لگا۔ یانگ سمجھ گیا کہ وہ شخص آنے والا ہے اور اس نے ٹھیک ہی سمجھا تھا۔ وہ



شخص کھانے کی ٹرے ہاتھ میں لیے ہوئے اندر داخل ہوا ٹرے میں بہت سے کھانے کے علاوہ گرم گرم کافی بھی موجود تھی

مجھے افسوس ہے دوست کہ اب میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ڈاکٹر نے یانگ سے کہا۔ اس ٹرے میں کھانے کی اتنی مقدار موجود ہے کہ تمہارے لیے پورے دن کو کافی ہوگی۔ کافی اور شراب بھی موجود ہے۔ خوب آرام سے کھاؤ پیو اور آرام کرو۔ میری اب تم سے ملاقات کل ہوگی۔ کل اسی وقت اور کل تمہیں اپنی پسند کی کتابیں بھی مل جائیں گی

>اس کے بعد ڈاکٹر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد زنجیریں پھر اپنی اصل حالت پر واپس آ گئیں۔ یانگ نے وہ سارا دن اور ساری رات شدید کرب کے عالم میں گزاری۔ تاہم ڈاکٹر کے رویے سے اسے اس بات کا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ یہ شخص اسے مزید کچھ عرصے تک زندہ رکھنا چاہتا ہے

اگلے دن صبح کو ڈاکٹر جب اس کے لیے ناشتہ اور کھانا لے کر آیا تو اس کے ساتھ بہت سی کتابیں بھی تھیں۔ وہ رکا نہیں اور چند منٹ تک یانگ سے گفتگو کرنے کے بعد وہاں سے چلا گیا

ان واقعات کو ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ ڈاکٹر نے یانگ کو اسی حالت میں زندہ رکھا تھا

اس ماہ کے دوران کئی اہم واقعات پیش آئے

تنظیم کے آدمیوں نے شکاگو اور لاس ویگاس جا کر خفیہ نسلی تحریک کے لوگوں کا اس طرح سے قتل عام کیا کہ دونوں شہروں میں کھلبلی مچ گئی۔ اس تحریک کے کچھ لوگ لاس ویگاس میں بھی موجود تھے۔ لوگ ابھی لاس اینجلز میں ہونے والے چینی نژاد امریکیوں کے قتل کو نہیں بھولے تھے کہ شکاگو اور لاس ویگاس میں کوئی درجن بھر چینی نژاد امریکی تقریباً" ایک ہی وقت میں مار دیے گئے۔ دونوں شہروں کے چائنا ٹاؤنوں میں کہرام مچ گیا اور مختلف حلقوں کی جانب سے یہ خیال ظاہر کیا جانے لگا کہ ان وارداتوں کے پس پردہ کوئی مخصوص سیاسی ہاتھ کارفرما ہے

ڈاکٹر نے بہت سوچ سمجھ کر اپنے آدمیوں کے لیے منصوبہ ترتیب دیا تھا۔ اس کے منصوبے کے مطابق دونوں شہروں میں کم و بیش ایک ہی وقت میں خفیہ نسلی تحریک کے کارکنوں پر دھاوا بولا گیا اور انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ سارے کے سارے قاتل تجربہ کار اور منجھے ہوئے لوگ تھے۔ ان میں سے کوئی بھی گرفتار نہ ہو سکا اور وہ اپنا اپنا کام کر کے خاموشی سے دوسرے شہروں کو نکل گئے۔ ڈاکٹر نے ایک ساتھ حملہ بولنے کا منصوبہ اس لیے بنایا تھا تاکہ پولیس کا تفتیشی کام اس قدر بڑھ جائے کہ اس کے لیے کسی واضح نتیجے پر پہنچنا مشکل ہو جائے اور کسی ایک بات پر پورے طور سے توجہ مرکوز کرنا مشکل ہو جائے

ڈاکٹر کا منصوبہ کامیاب ہو گیا۔ اب اگلا قدم لاس اینجلز میں اٹھایا جانا تھا۔ جہاں ان پانچ چینی نژاد امریکیوں کو قتل کیا جانا تھا۔ جنہیں ڈاکٹر نے لاؤچی کے مکان پر دیکھا تھا۔ لیکن یہ کام ڈاکٹر نے اگلے ماہ کے لیے اٹھا کر رکھا تھا

اسمتھ کے علاوہ کسی اور کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ بلیو ہاؤس سے یانگ اور ژوآن کو کہاں پہنچایا ہے۔ تنظیم کے جو دو آدمی اسمتھ کے ساتھ ٹرک میں آئے تھے۔ انہیں کچھ بھی نہیں معلوم تھا انہیں تو صرف یہ بتایا گیا تھا کہ ایک خاص مقصد کے تحت تنظیم کی جانب سے دو رول کیے ہوئے قالین مشہور و معروف ڈاکٹر آرتھر کی رہائش گاہ پر بھیجے جا رہے ہیں

ان کے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں تھی کہ ان قالینوں کے اندر بے ہوش آدمی لپٹے ہوئے تھے یا یہ کہ ڈاکٹر آرتھر غلب ہی دراصل ان کی تنظیم کا باس ہے

جیمس اور دوسرے لوگوں کو یہی بتایا گیا تھا کہ ان دونوں آدمیوں کو باس نے مزید پوچھ گچھ اور سزا کے لیے اپنے خصوصی ذرائع کے حوالے کر دیا ہے۔ جیمس اور دوسرے لوگوں کو یہ بات اسمتھ نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق

بتائی تھی اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد ان کے لیے یہ پوچھنے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی کہ ان دونوں کا کیا بنا۔ جب ان دونوں کو ہاس نے اپنے خصوصی ذرائع کے حوالے کردیا۔ تو پھر ہاس جانے اور اس کا کام

> خود اسمتھ کو بھی اس شام کے بعد سے کوئی علم نہیں ہوا کہ یانگ اور ژو آن کا کیا حشر ہوا

جیمس اور اس کے دو تین ساتھی جنہوں نے میڈم لی کے خاتمے میں حصہ لیا تھا۔ اس تمام عرصے میں ہر قسم کی عملی کاروائیوں سے الگ تھلگ رہے تھے اور تقریباً" روپوشی کی سی زندگی گزارتے رہے تھے

انگر کا پیغام موصول ہوا تھا جس میں اس نے بتایا تھا کہ اس نے میئیر اور گلبرٹ وغیرہ کے بارے میں اپنی تفتیش مکمل کرلی ہے اور یہ کہ ان لوگوں کا تعلق کسی بھی گروہ یا تنظیم سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ دونوں آزادانہ طور پر کام کرتے تھے اور ہاس کو انہوں نے صرف اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا تھا۔ انگر نے بتایا تھا کہ اب وہ روڈ اس کو واپس امریکہ بھیج رہا ہے اور خود کچھ دنوں کے لیے برازیل جارہا ہے جہاں وہ بعض پرانے دوستوں کے ساتھ قیام کرے گا

☆☆

اس دن خلاف معمول شام کے وقت یانگ کے ہاتھ پیروں کی زنجیریں کسنی شروع ہوگئیں۔ وہ بستر پر لیٹ گیا۔ اسے معلوم ہوگیا کہ اب وہ جنونی شخص آنے والا ہے۔ یانگ کو تعجب تھا کہ وہ آج شام کے وقت کیوں آرہا ہے۔ روزانہ وہ صبح کے وقت آتا تھا اور ناشتہ اور کھانا دے کر چلا جاتا تھا۔ یانگ کو اس کے آنے ہی سے پتا چل جاتا تھا کہ اب صبح ہوگئی ہے۔ ورنہ اس کمرے میں تو وقت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ موجود ہی نہیں تھا۔ یانگ کو تو دن کا بھی پتا نہیں چل سکتا تھا۔ لیکن اس کے لیے اس نے ایک ترکیب اختیار کی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کو جو بہت سی کتابیں دی تھیں ان میں سے ایک موٹی سی کتاب اس نے الگ کردی تھی اور روزانہ صبح کو ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ اس کا ایک ورق موڑ دیتا تھا۔ اس طرح اس نے دنوں کا حساب رکھا تھا۔ آج اسے اس جنونی شخص کی قید میں آئے ہوئے بتیس دن پورے ہوچکے تھے۔ ایک مہینہ اور دو دن

اس سارے عرصے کے دوران اس جنونی شخص نے یانگ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی اور یانگ اس بات پر سخت حیرت زدہ تھا کہ آخر اس کا منشا کیا ہے۔ وہ روزانہ صبح کو پابندی سے آتا اور بہت سا کھانا رکھ کر چلا جاتا تھا۔ کسی کسی وقت وہ یانگ سے دو چار باتیں بھی کرلیتا تھا

میری داڑھی بے تحاشہ بڑھ گئی ہے ایک دن یانگ نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ کیا تم مجھے شیو کرنے کی سہولت فراہم نہیں کرسکتے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ داڑھی بڑھ جانے سے تمہاری شخصیت میں بڑا اضافہ ہوگیا ہے ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میرے خیال میں تو تم اپنی داڑھی کو اسی طرح بڑھنے دو۔ بہت اچھی لگتی ہے

یانگ سمجھ گیا کہ یہ شخص اسے شیو کرنے کی سہولت فراہم نہیں کرے گا۔ وہ کوئی بھی دھار دار چیز اس کے حوالے نہیں کرنا چاہے گا۔ اس دن کے بعد سے یانگ نے داڑھی بڑھ جانے کی شکایت نہیں کی

یانگ کے ہاتھ پیروں کی زنجیریں کھنچ کر مختصر ہوگئیں اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور وہ شخص اندر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹرے تھی

میرا خیال ہے کہ ابھی صبح تو نہیں ہوئی ہے۔ یانگ نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا

نہیں ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ابھی تو شام ہے۔ آج میں ذرا فرصت میں تھا۔ میں نے سوچا کہ ذرا تمہارے ساتھ ایک پیالی کافی پی جائے کیا خیال ہے۔ کافی پینا پسند کروگے۔

کیا میں اس سے انکار بھی کرسکتا ہوں۔ یانگ نے کہا



ڈاکٹر نے کافی کی دونوں پیالیاں میز پر رکھ دیں اور خود نیچے فرش پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں بیٹھنے کے لیے کوئی دوسری جگہ موجود نہیں تھی

تمہارا کتابوں کا ذخیرہ تو ابھی ختم نہیں ہوا ہوگا۔ ڈاکٹر نے یانگ سے پوچھا

ابھی تو نہیں یانگ نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے جواب دیا

ڈاکٹر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ لیکن یانگ کو اپنا سر تیزی سے چکراتا ہوا لگ رہا تھا۔ پھر اس پر آہستہ آہستہ غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ الفاظ اس کے منہ سے ٹھیک سے ادا نہیں ہو پا رہے تھے اور پھر وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہوگیا

دوبارہ جب یانگ کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اسی لیبارٹری میں پایا۔ جہاں اس سے پہلے اسے ژو آن کے ساتھ لایا گیا تھا۔ ایک بار پھر وہ پہلے کی طرح شیشے کے بکس میں بند تھا اور ڈاکٹر اس کے سامنے کرسی پر بیٹھا ہوا اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کررہا تھا

اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر یانگ کی جان نکل گئی۔ اس نے سمجھ لیا کہ آج اس کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو اس سے پہلے ژو آن کا ہوچکا ہے۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا اور وہ خاموشی سے یانگ کی طرف دیکھ رہا تھا

یہ تم مجھے دوبارہ اس جگہ کیوں لے آئے۔ یانگ نے سہم کر پوچھا

کوئی خاص بات نہیں ڈاکٹر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ یانگ اس کی نقل و حرکت کو خود دیکھ رہا تھا

ڈاکٹر نے گوشت خور جراثیم کی ایک خاصی بڑی تعداد کو شیشے کے اندر ڈال دیا۔ یانگ کے لیے اس کا یہ عمل [illegible] تھا۔ لیکن وہ نہ تو جراثیم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا۔ ورنہ ڈاکٹر کی ان کارروائیوں کا مقصد سمجھ سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا

جراثیم کو اندر داخل کرنے کے بعد ڈاکٹر خوردبین لے کر بیٹھ گیا

ڈاکٹر دراصل اپنی تیار کردہ ویکسین کے دیرپا اثر کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اپنے فارمولے کے مطابق اس ویکسین کو انسانی جسم پر چھ ماہ تک اپنا اثر باقی رکھنا چاہیے تھا۔ آج یانگ کو ویکسین کے انجکشن دیے ہوئے ایک ماہ پورا ہوچکا تھا۔ ڈاکٹر اس بات کی جانچ کرنا چاہتا تھا کہ اس ایک ماہ کے دوران ویکسین کے اثر میں کوئی کمی تو نہیں ہوئی

گوشت خور جراثیم شیشے کے بکس میں پوری طرح پھیل گئے اور وہ لباس کے اندر داخل ہوکر یانگ کے جسم سے بھی لپٹ گئے۔ لیکن انہوں نے یانگ کے جسم کے گوشت کو کھانا شروع نہیں کیا۔ وہ اس کے جسم پر منڈلا رہے تھے۔ لیکن اسے کھا نہیں رہے تھے۔

یانگ بکس کے اندر بند خوف و دہشت کی عجیب و غریب کیفیت سے دوچار تھا۔ اسے وہ سارے واقعات تیزی سے یاد آرہے تھے جو ژو آن کے ساتھ پیش آئے تھے اور وہ یہ سوچ سوچ کر لرز رہا تھا کہ اچانک ان واقعات کا سلسلہ اس کے ساتھ بھی شروع ہوسکتا ہے۔ لیکن کچھ بھی نہیں ہوا

ڈاکٹر نے کامل ایک گھنٹے تک یانگ کو انڈر آبزرویشن رکھا اور اس کا اچھی طرح مشاہدہ کرتا رہا۔ بالآخر اس نے قاتل جراثیم کو بکس کے اندر چھوڑ دیا۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے گوشت خور جراثیم کو صاف کرگئے

ڈاکٹر کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس کی توقعات پوری ہورہی تھیں اس کے قائم کردہ نظریات اس کی کسوٹی پر پورے اتر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے قاتل جراثیم کو بکس سے نکال کر محفوظ کرلیا اور بکس میں بے ہوشی کی دوا داخل کردی۔ یانگ ایک بار پھر بے ہوش ہوچکا تھا۔ ڈاکٹر نے بے ہوش یانگ کو بہ آسانی

سٹریچر پر ڈالا اور دوبارہ اسی قید خانے میں پہنچا دیا۔ انسان کو بے ہوش کر کے اور پھر اسے پہیوں والے اسٹریچر پر لٹا کر کہیں بھی لے جانا بہت آسان تھا۔ ڈاکٹر نے ہر کام کا آسان ترین طریقہ تلاش کر لیا تھا

یانگ کو جب دوبارہ ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو اسی قید خانے میں زنجیروں میں جکڑا ہوا پایا

اس شخص کا شیطانی چکر کچھ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے یانگ نے سوچا

دوسری صبح ڈاکٹر کی آمد پر اس نے اس بارے میں اس سے پوچھا۔ لیکن ڈاکٹر صاف ٹال گیا

ٹھیک ایک ماہ بعد ڈاکٹر نے اپنے تجربے کو پھر دہرایا بالکل اسی انداز میں۔ اس بار بھی جراثیم نے یانگ کے جسم کو نہیں کھایا لیکن یانگ اس صورت حال سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ سارا دن کمرے میں اکیلے پڑے پڑے اس کا دماغ جیسے پھٹنے لگتا۔ وہ باہر کی دنیا سے بالکل ہی بے خبر تھا۔ اس کمرے میں ان کتابوں کے علاوہ اس کا کوئی اور ساتھی نہیں تھا۔ جو ڈاکٹر نے اسے لا کر دی تھیں۔ یانگ نے کئی بار ڈاکٹر سے کہا کہ وہ اس کمرے میں ایک ٹی وی لا کر لگا دے۔ لیکن ڈاکٹر نے صاف منع کر دیا۔ اس نے کہہ دیا کہ وہ برقی قوت والی کوئی چیز اس کمرے میں نہیں رکھنا چاہتا

اگر تم نے مجھے زندہ رکھا ہے تو کم از کم ادنیٰ ترین انسانوں کی طرح رہنے کا حق تو مجھے دے دو یانگ نے تلخی سے ایک دن کہا

تم اعلیٰ ترین انسانوں کی طرح رہ رہے ہو یانگ ڈاکٹر نے کہا۔ آخر تمہیں کمی کس چیز کی ہے۔ تمہیں کوئی کام نہیں کرنا پڑتا اور نہایت عمدہ کھانا تمہیں بروقت مل جاتا ہے

> یانگ نے اس احمقانہ بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بھلا اس بات کا وہ کیا جواب دے سکتا تھا

لاس اینجلز کی پولیس نے یانگ کی تلاش میں شہر اور اس کے نواح کا کونہ کونہ چھان مارا تھا۔ لیکن یانگ کا کہیں پتا نہیں چل سکا تھا۔ آس پاس کے دوسرے شہروں میں بھی پولیس نے یانگ کو تلاش کیا تھا۔ لیکن اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔ تلاش بسیار کے باوجود یانگ کی لاش کہیں دستیاب نہیں ہوئی تھی

یانگ کی بیوی نے اپنے طور پر کئی پرائیویٹ سراغرسانوں کی خدمات حاصل کی تھی اور اچھی خاصی رقم بھی خرچ کر ڈالی تھی۔ لیکن کوئی بھی سراغرساں اسے اس کے بدنصیب شوہر کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یانگ کو آسمان کھا گیا ہے یا زمین نگل گئی ہے۔ پولیس تقریباً" دو ماہ تک تو بڑی سرگرمی کے ساتھ تلاش کے کام میں حصہ لیتی رہی۔ لیکن اب اس کیس میں اس کی دلچسپی بھی کم ہوتی جا رہی تھی

یانگ کی قید کو چھ ماہ کا عرصہ پورا ہونے والا تھا۔ اس عرصے کے دوران ڈاکٹر ہر ماہ کے بعد اس پر گوشت خور جراثیم کے تجربے کو دہراتا رہا اور ہر بار ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا رہا۔ جراثیم نے یانگ کے جسم کو نہیں کھایا۔ ڈاکٹر کی تیار کردہ ویکسین سو فیصدی معیاری ثابت ہو رہی تھی

لاس ویگاس اور شکاگو میں خفیہ نسلی تحریک کے لوگوں کو ٹھکانے لگانے کے تقریباً" ڈیڑھ ماہ بعد لاس اینجلز کے اخبارات میں ایک بار پھر چینی نژاد امریکیوں کے منظم اور منصوبہ بند قتل کی خبریں شائع ہوئیں اور ایک کہرام برپا ہو گیا۔ پانچ چینی نژاد امریکیوں کو ایک ہی رات میں قتل کر دیا گیا تھا۔ پولیس کسی ایک قاتل کو بھی گرفتار نہیں کر سکی تھی

ڈاکٹر اور اس کے ساتھی مطمئن تھے کہ خفیہ نسلی تحریک کا مکمل اور حتمی طور پر خاتمہ کیا جا چکا ہے۔ ان لوگوں کو ڈاکٹر کے کام میں مداخلت بہت مہنگی پڑی تھی اور اسکے عوض ان کی پوری تنظیم کا قلع قمع کر دیا گیا تھا۔ جو دو ایک آدمی بچے کچھے رہ گئے تھے وہ خوف کے مارے یا تو روپوش ہو گئے یا دوسرے شہروں میں چلے گئے اور خاموشی سے زندگی گزارنے لگے



اس دوران ڈاکٹر نے دو بار ہیڈ کوارٹر جا کر اپنے ساتھیوں سے ملاقاتیں کیں اور تنظیم کی ساری سرگرمیوں پر ان سے سیر حاصل گفتگو کی۔ تمام کاروبار اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک جا رہے تھے۔ تنظیم کی کمائی میں بھی برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر کو بتایا گیا کہ انگر واپس آنے کے لیے بہت بے چین ہے۔ اگلے چند ماہ تک اسے امریکہ سے گئے ہوئے ایک سال پورا ہو جائے گا اور ایک سال کے پورا ہوتے ہی وہ واپس آ جائے گا

ڈاکٹر نے انگر کو ہدایت بھجوائی کہ جب تک اس سے آنے کے لیے کہا نہ جائے۔ اس وقت تک وہ آنے کا قصد نہ کرے

وہ اب اپنی پرانی شخصیت کے ساتھ امریکہ واپس نہیں آ سکتا۔ ڈاکٹر نے اپنے آدمیوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ وہ جیسے ہی اس ملک میں داخل ہوگا ویسے ہی ایف بی آئی والے اس کے پیچھے لگ جائیں گے اور اس کا کام کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا حلیہ بدل کر نام بدل کر شہریت بدل کر کسی دوسرے ملک کے پاسپورٹ پر امریکہ میں داخل ہو۔ اور اس کے بعد یہاں کی شہریت اختیار کرے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے کسی دوسرے ملک کی شہریت حاصل کرے اس ملک کی حکومت کا جاری کردہ پاسپورٹ اس کے پاس موجود ہو اور اسی پاسپورٹ پر سفر کرے۔ انگر کو یہ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ سمجھانے کے لیے اور اسے باقاعدہ ہدایات دینے کے لیے بہتر ہوگا کہ کسی آدمی کو اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ جو اسے سب کچھ بتا دے تاکہ کسی فروگذاشت کا امکان نہ رہے

ٹھیک ہے باس جیمس نے ڈاکٹر کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ میں کسی معتبر آدمی کو انگر کے پاس روانہ کر دوں تا جو اسے ساری باتیں اچھی طرح سمجھا دے گا

اس کام کو جلد از جلد کر دو ڈاکٹر نے کہا۔ انگر کو کسی ملک کی شہریت حاصل کرنے اور وہاں کا پاسپورٹ حاصل کرنے میں کچھ نہ کچھ وقت تو درکار ہوگا ہی

ہم دو ایک روز میں ہی اس کا بندوبست کر دیں گے ہاروے نے کہا

☆☆

ڈاکٹر نے جس دن یانگ کے ویکسین کا انجکشن لگایا تھا۔ اس کے بعد سے گزرنے والی چھ ماہ کی مدت کے اختتام میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا جب ڈاکٹر نے یانگ پر ایک بار پھر تجربہ کیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ چھ ماہ کی مدت پوری ہونے سے ایک دن قبل یانگ کا جسم جس میں ویکسین موجود ہے کس ردعمل کا اظہار کرتا ہے

ڈاکٹر نے حسب معمول یانگ کو بے ہوش کر کے شیشے کے بکس میں بند کر دیا اور جراثیم چھوڑ دیے۔ ڈاکٹر یہ دیکھ کر حد سے زیادہ خوش اور مطمئن ہوا کہ اس کی تیار کردہ ویکسین اپنی اثر انگیزی کے علاوہ اپنے عرصہ اثر کے اعتبار سے بھی سو فیصدی کامیاب ثابت ہوئی ہے یانگ کے جسم پر جراثیم نے کوئی اثر نہیں کیا تھا

اب آج کے بعد سے یانگ کو ڈاکٹر نے روزانہ اسی تجربے سے گزارنا تھا۔ تاکہ اسے قطعی طور پر یہ معلوم ہو سکے کہ ویکسین کا اثر کتنے دن کے بعد مکمل طور پر زائل ہو جاتا ہے

یانگ کی ذہنی حالت اب بہت خراب ہو چکی تھی۔ اس نے کتابیں پڑھنا تقریباً" چھوڑ دیا تھا۔ وہ زیادہ تر وقت خالی بیٹھا رہتا۔ بستر پر لیٹا رہتا یا کمرے میں ٹہلتا رہتا۔ اسے سب سے زیادہ ذہنی اذیت بے یقینی کی وجہ سے پہنچ رہی تھی۔ اسے کچھ نہیں معلوم تھا کہ اسے کتنے عرصے تک اسی طرح قید میں رکھا جائے گا اور کب اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔ جہاں تک رہائی کا تعلق ہے تو اس بارے میں تو یانگ نے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اسے اپنی رہائی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی اور وہ جان گیا تھا کہ اب مر کر ہی وہ اس جگہ سے نکلے گا

جب ڈاکٹر صبح کے وقت کھانا لے کر آتا تو یانگ اسے بے تحاشہ گالیاں دیتا۔ برا بھلا کہتا اور اس سے کہتا کہ وہ اسے ایک ہی بار ختم کردے تاکہ وہ اس مسلسل اذیت سے نجات پاجائے ڈاکٹر یانگ کی گالی گلوچ کے جواب میں صرف مسکرا کر رہ جاتا۔ وہ جانتا تھا کہ ان حالات میں انسان کی ذہنی کیفیت کا اس قدر خراب ہوجانا ایک بالکل منطقی امر تھا۔

چار دن مزید گزر گئے۔ چار راتوں تک یانگ کے جسم پر ڈاکٹر برابر اپنا تجربہ دہراتا رہا اور یکساں نتائج نکلتے رہے پانچویں دن یانگ نے پھر اپنے آپ کو گزشتہ دنوں کی طرح شیشے کے اسی بکس میں پایا۔ وہ جنونی شخص اس کے سامنے کرسی پر بیٹھا اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کررہا تھا۔

یہ تم مجھے اب روزانہ بکس میں کیوں بند کرنے لگے ہو۔ اس نے ڈاکٹر سے کہا۔

اس میں تمہارا نقصان بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا اگر میں باہر ہوتا اور تم اس طرح بکس میں بند ہوتے تو میں تم سے پوچھتا کہ کس کا نقصان ہے اور کیا نقصان ہے یانگ نے دانت پیس کر کہا۔ تم نہ جانے کس شیطان کی اولاد ہو اور تمہارے ماں باپ نہ جانے کتنے ذلیل تھے۔ جنہوں نے تم جیسے غلاظت کے ڈھیر کو جنم دیا۔ ڈاکٹر یانگ کے لیے اپنی شدید ترین نفرت کا اظہار کررہا تھا۔

میں جو کوئی بھی ہوں لیکن دیکھو میں نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے ڈاکٹر نے کہا۔

میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے نقصان پہنچاؤ ذلیل کتے یانگ نے چلا کر کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے ہلاک کردو۔ میں ہلاک ہونا چاہتا ہوں۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے تم نے ژوآن کو ہلاک کردیا اور مجھے اب تک نہ جانے کیوں زندہ رکھا ہے۔

>ڈاکٹر نے یانگ کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ گزشتہ کئی ماہ سے وہ یانگ کی زبان سے اس قسم کی باتیں سننے کا عادی ہوگیا تھا۔ اس نے خاموشی سے یانگ کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

تم ہنس رہے ہو بے غیرت یانگ غصے کے عالم میں زور سے چلایا۔ مجھے قید کر کے اور خود آزاد رہ کر تم میری بے بسی کا مذاق اڑا رہے ہو۔ اگر میں بھی تمہاری طرح آزاد ہوتا اور باہر ہوتا تو میں تمہیں بتاتا کہ میری ہڈیوں میں کتنا دم ہے۔ میں تو تمہاری گردن توڑ دیتا۔

>ڈاکٹر نے یانگ کی باتوں کو سنی ان سنی کرتے ہوئے انسانی گوشت خور جراثیم کی تھوڑی سی تعداد کو کنٹینر میں داخل کردیا اور خود خوردبین لے کر ان کی نقل و حرکت کا مطالعہ کرنے بیٹھ گیا۔

روز کی طرح آج بھی جراثیم بکس کے اندر پھیل گئے اور ان میں سے کچھ یانگ کے جسم سے لپٹ گئے۔ ڈاکٹر کی نظریں ان پر گڑی ہوئی تھیں۔

اور تب اس کا دل جوش اور ہیجان کے عالم میں تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

جراثیم یانگ کے جسم کے مساموں کے اندر داخل ہورہے تھے اور انہوں نے آہستہ آہستہ اس کے جسم کو چاٹنا شروع کررہا تھا۔ تقریباً" پندرہ بیس منٹ تک یہی حالت قائم رہی۔ لیکن یانگ کو اس بات کا کوئی احساس نہیں تھا۔ وہ بکس کے اندر لیٹا ہوا برابر ڈاکٹر کو گالیاں دیئے جارہا تھا۔ لیکن ڈاکٹر جیسے اس کی کوئی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔ اس کی ساری توجہ جراثیم کی نقل و حرکت پر لگی ہوئی تھی۔

اور پھر جراثیم نے یانگ کے گوشت کو کھانا شروع کر دیا۔ ویکسین کا اثر مکمل طور پر ختم ہوچکا تھا۔

چھ ماہ اور پانچ دن۔ نہیں چار دن۔ چھ ماہ اور چار دن ڈاکٹر نے جلدی سے دل ہی دل میں اپنی غلطی درست کی۔ ویکسین نے مقررہ وقت سے چار دن زائد تک اپنا اثر قائم رکھا۔ اثر مقررہ وقت سے پہلے نہیں ختم ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ویکسین پر مکمل طور پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔



>یانگ کو سب سے پہلے اپنے پیٹ کی نرم نرم کھال پر خارش کا احساس ہوا۔ وہ اپنا ہاتھ اپنے پیٹ پر لیا گیا اور کھجانے لگا۔ لیکن کھجانے سے تسکین ملنے کے بجائے خارش میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ ڈاکٹر خوردبین سے دیکھ رہا تھا کہ کھجانے کے باعث پیٹ کی جلد پر جو بظاہر نظر نہ آنے والی خراشیں پڑ رہی ہیں ان کے اندر جراثیم تیزی سے داخل ہوتے جارہے ہیں۔ ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہونا شروع ہوگیا تھا۔

بکس کے اندر ادھر ادھر پھیلے ہوئے تمام جراثیم اپنی اپنی جگہیں چھوڑ کر اب یانگ کے جسم پر حملہ آور ہوگئے تھے یانگ کے جسم پر اب دوسری جگہ پر بھی کھجلی شروع ہوگئی تھی۔ شروع شروع میں اس نے اس بات پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ لیکن جب کھجلی پھیلتی گئی اور سوزش میں آہستہ آہستہ اضافہ ہونے لگا تو وہ اچانک چونک پڑا۔

ایک نامعلوم خوف سے اس کا دل لرز اٹھا تھا۔

اسے یاد آیا کہ ژوآن کے ساتھ بھی تو یہی سب کچھ ہوا تھا۔ اس کے جسم میں بھی اسی طرح پہلے کھجلی شروع ہوئی تھی پھر یہ کھجلی بڑھتی ہی چلی گئی تھی اور ژوآن نے جنون کے عالم میں اپنے سارے بدن کو کھرچ کر رکھ دیا تھا۔ وہ لہولہان ہوگیا تھا اور کھجلی بڑھتی ہی گئی تھی یہاں تک کہ وہ زخموں اور اذیت کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہوگیا تھا۔ اور اس کے بعد مرگیا تھا کیا اب اس کے ساتھ بھی یہی ہونے والا تھا۔

خارش بڑھ رہی تھی یانگ کا دل ڈوب رہا تھا۔ ڈاکٹر خوشی سے سرشار تھا۔! جراثیم ایک سے دو دو سے چار کے حساب سے بڑھ رہے تھے۔

کیا میرا آخری وقت آپہنچا ہے۔ یانگ نے کمزور آواز میں ڈاکٹر سے پوچھا۔ مجھے لگتا ہے کہ میرے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہورہا ہے جو اس سے پہلے ژوآن کے ساتھ ہوچکا تھا۔ آہ۔ یہ جان لیوا خارش۔ اف کس غضب کی سوزش ہے اور وہ بری طرح اپنے جسم کو جگہ جگہ سے ناخنوں سے کھرچنے لگا۔

سب کچھ اسی طرح ہورہا تھا جس طرح اس سے پہلے ژوآن کے ساتھ ہوچکا تھا۔ ایک بالغ انسان پر ڈاکٹر کا یہ دوسرا تجربہ تھا۔ دونوں تجربوں کے درمیان چھ ماہ کا عرصہ حائل تھا اور ڈاکٹر کی سفاک اور اذیت طلب نگاہیں انہی مناظر کو ایک بار پھر دیکھ رہی تھیں جنہیں وہ اس سے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

یانگ کی حالت اب بگڑنا شروع ہوگئی تھی۔ اس کے جسم سے جگہ جگہ سے خون جاری ہونے لگا تھا اور وہ بری طرح کراہ رہا تھا چیخ رہا تھا اور ڈاکٹر کو بے تحاشہ مغلظات سنا رہا تھا۔ لیکن ڈاکٹر اس کی اس ساری اذیت سے لطف اندوز ہورہا تھا۔

تقریباً" ایک گھنٹے تک اس اذیت ناک کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد یانگ بے ہوش ہوگیا۔ دوبارہ ہوش میں نہ آنے کے لیے۔ ڈاکٹر کو اس بات پر حیرت تھی کہ یانگ نے ژوآن کے مقابلے میں زیادہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود زیادہ قوت مزاحمت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ژوآن اس سے کم وقت میں بے ہوش ہوگیا تھا۔ جب کہ یانگ نے بے ہوش ہونے میں زیادہ وقت لیا تھا۔

مختلف اجسام مختلف خصوصیت کے حامل ہوتے ہیں ڈاکٹر نے سوچا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس ویکسین کی تاثیر کا عرصہ مختلف جسموں کے لیے مختلف ہو تاہم میں احتیاطاً "اس کی تاثیر کی مدت پانچ ماہ تصور کروں گا۔ خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے یہ ضروری ہے۔

>یانگ اب بے ہوش ہوچکا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے جسم کا گوشت جگہ جگہ سے غائب ہونا شروع ہوگیا تھا۔ گو کہ اس منظر میں ڈاکٹر کے لیے اب کوئی نیا پن نہیں رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے ژوآن کے ساتھ یہی سب کچھ دیکھ چکا تھا۔ تاہم یانگ ایک مختلف انسان تھا اور وہ ایک دوسرے بالغ جسم پر رونما ہونے والے اثرات کا پورے طور پر مشاہدہ کرنا چاہتا تھا۔

یانگ کی آوازیں ختم ہو چکی تھی۔ اب ڈاکٹر کو گالیاں نہیں سنائی دے رہی تھیں۔ دنیا میں حیاتیات کیمیا کی اس منفرد ترین لیبارٹری میں بالکل سناٹا تھا اور اس گہرے سناٹے میں دنیا کی سب سے زیادہ خوفناک اور ہلاکت انگیز مخلوق جس کے وجود سے ڈاکٹر آرتھر کے علاوہ روئے زمین پر اور کوئی شخص واقف نہیں تھا۔ اپنی مرغوب اور دل پسند غذا یعنی انسانی گوشت کھانے میں مصروف تھی۔

گھنٹوں یہ عمل جاری رہا۔ ڈاکٹر خاموشی سے بیٹھا ہوا مشاہدہ کرتا رہا اور اپنی خفیہ ڈائری میں خفیہ زبان اور اشارات میں اپنے مشاہدات کے نتائج تحریر کرتا رہا۔ یانگ کا جسم تیزی سے غائب ہو رہا تھا اور کنٹینر میں گاڑھا گاڑھا دھواں بھرنے لگا۔

جب صبح قریب تھی تو اس وقت شیشے کے بکس میں یانگ کی جگہ ہڈیوں کا ایک پنجر رکھا ہوا تھا۔ یانگ کو بندغم کے ساتھ ہی قید حیات سے بھی نجات مل گئی تھی۔ اس کی وہ اذیت جس کا آغاز آج سے چھ ماہ پہلے اس وقت ہوا تھا جب اسے اس کی دکان کے باہر سے اغوا کیا گیا تھا۔ بالاخر اس کی دردناک اور غیر انسانی موت کی صورت میں جا کر ختم ہوئی۔

چنگ کی طرح ژوآن کی طرح یانگ کی موت پر بھی کوئی آنسو بہانے والا نہیں تھا۔ ان کے دوستوں کو عزیزوں کو ان کے چاہنے والوں کو ان کی غیر انسانی طریقوں سے ہلاکت کی کوئی خبر نہیں تھی۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ کہاں غائب ہو گئے اور ان کا کیا انجام ہوا۔ چنگ کے جسم کے اندرونی اعضا چوہے کے دانتوں سے ادھیڑے گئے اور ژوآن اور یانگ کو ڈاکٹر آرتھر فلپ کے شیطانی جراثیم کھا گئے۔

یانگ خفیہ نسلی تحریک سے تعلق رکھنے والے اہم لوگوں میں سے آخری زندہ شخص تھا لیکن اس کی بیوی اس کے دوست احباب سب اسے کچھ عرصہ پہلے ہی مردہ سمجھنے لگے تھے۔ کیونکہ وہ عرصے سے مفقود الخبر تھا اور آج وہ فی الحقیقت مر چکا تھا۔

ڈاکٹر نے جراثیم کی بھاری تعداد کو کنٹینر میں سے نکال کر محفوظ کیا اور باقی جراثیم کو قاتل جراثیم کی مدد سے ہلاک کر دیا۔

دیگر ضروری کام انجام دینے کے بعد وہ بالاخر سونے کے لیے چلا گیا۔ اب صبح بالکل قریب تھی اور ڈاکٹر کو تھوڑے سے آرام کی ضرورت تھی۔

اگلے دن جب ڈاکٹر ناشتے کی میز پر بیٹھا ہوا تھا تو اس وقت وہ اپنے آپ کو دنیا کا آسودہ ترین انسان محسوس کر رہا تھا۔ اس نے وہ اہم ترین ہتھیار حاصل کر لیا تھا جس کی مدد سے وہ دنیا کی تسخیر کے عظیم کام کا آغاز کر سکتا تھا۔ اس کے تمام تجربات مکمل ہو گئے تھے۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے بہ آسانی دو بالغ افراد بھی دستیاب ہو گئے جن پر اس نے اپنی ایجاد کو کامیابی کے ساتھ آزمایا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ بعض اوقات اتنے غیر متوقع واقعات درپیش آجاتے ہیں کہ مختلف کڑیوں کی ایک پوری زنجیر بنتی چلی جاتی ہے۔ اگر وہ اتفاق سے اس دن سارا ویلڈن کا پرس نہ دیکھ لیتا تو شاید آج حالات مختلف ہوتے۔ اسے اپنے تجربے کے لیے زندہ اور بالغ انسانوں کی تلاش میں نہ جانے کیا کیا کرنا پڑتا۔ پھر ان انسانوں کو رہائش گاہ تک لانا انہیں زیر زمین حیاتیاتی لیبارٹری میں پہنچانا ان ساری چیزوں کے لیے نہ جانے کون کون سے مراحل سے گزرنا پڑتا۔ ڈاکٹر خوش تھا کہ قدرت نے اس کی مدد کی۔ سارا ویلڈن نے اس کے لیے کامیابیوں کا دروازہ کھول دیا۔ وہ خفیہ نسلی تحریک کو تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ جو کہ اس کے لئے ایک معمولی کام تھا۔ اپنے تجربے کے لیے انسانوں کو بھی حاصل کر سکا۔

......جاری ہے......

☆......☆......☆

●......●......●

یانگ کی آوازیں ختم ہو چکی تھی۔ اب ڈاکٹر کو گالیاں نہیں سنائی دے رہی تھیں۔ دنیا میں حیاتیات کیسیا کی اس منفرد ترین لیبارٹری میں بالکل سناٹا تھا اور اس گہرے سناٹے میں دنیا کی سب سے زیادہ خوفناک اور ہلاکت انگیز مخلوق جس کے وجود سے ڈاکٹر آرتھر کے علاوہ روئے زمین پر اور کوئی شخص واقف نہیں تھا۔ اپنی مرغوب اور دل پسند غذا یعنی انسانی گوشت کھانے میں معروف تھی۔

گھنٹوں یہ عمل جاری رہا۔ ڈاکٹر خاموشی سے بیٹھا ہوا مشاہدہ کرتا رہا اور اپنی خفیہ ڈائری میں خفیہ زبان اور اشارات میں اپنے مشاہدات کے نتائج تحریر کرتا رہا۔ یانگ کا جسم تیزی سے غائب ہو رہا تھا اور کنٹینر میں گاڑھا گاڑھا دھواں بھرنے لگا۔

جب صبح قریب تھی تو اس وقت شیشے کے بکس میں یانگ کی جگہ ہڈیوں کا ایک پنجر رکھا ہوا تھا۔ یانگ کو بندھم کے ساتھ ہی قید حیات سے بھی نجات مل گئی تھی۔ اس کی وہ اذیت جس کا آغاز آج سے چھ ماہ پہلے اس وقت ہوا تھا جب اسے اس کی دکان کے باہر سے اغوا کیا گیا تھا۔ بالاخر اس کی دردناک اور غیر انسانی موت کی صورت میں جا کر ختم ہوئی۔

چنگ کی طرح ژوآن کی طرح یانگ کی موت پر بھی کوئی آنسو بہانے والا نہیں تھا۔ ان کے دوستوں کو عزیزوں کو ان کے چاہنے والوں کو ان کی غیر انسانی طریقوں سے ہلاکت کی کوئی خبر نہیں تھی۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ کہاں غائب ہو گئے اور ان کا کیا انجام ہوا۔ چنگ کے جسم کے اندرونی اعضا چوہے کے دانتوں سے ادھیڑے گئے اور ژوآن اور یانگ کو ڈاکٹر آرتھر فلپ کے شیطانی جراثیم کھا گئے۔

یانگ خفیہ نسلی تحریک سے تعلق رکھنے والے اہم لوگوں میں سے آخری زندہ شخص تھا لیکن اس کی بیوی اس کے دوست احباب سب اسے کچھ عرصہ پہلے ہی مردہ سمجھنے لگے تھے۔ کیونکہ وہ عرصے سے مفقود الخبر تھا اور آج وہ فی الحقیقت مر چکا تھا۔

ڈاکٹر نے جراثیم کی بھاری تعداد کو کنٹینر میں سے نکال کر محفوظ کیا اور باقی جراثیم کو قاتل جراثیم کی مدد سے ہلاک کر دیا۔

دیگر ضروری کام انجام دینے کے بعد وہ بالاخر سونے کے لیے چلا گیا۔ اب صبح بالکل قریب تھی اور ڈاکٹر کو تھوڑے سے آرام کی ضرورت تھی۔

اگلے دن جب ڈاکٹر ناشتے کی میز پر بیٹھا ہوا تھا تو اس وقت وہ اپنے آپ کو دنیا کا آسودہ ترین انسان محسوس کر رہا تھا۔ اس نے وہ اہم ترین ہتھیار حاصل کر لیا تھا جس کی مدد سے وہ دنیا کی تسخیر کے عظیم کام کا آغاز کر سکتا تھا۔ اس کے تمام تجربات مکمل ہو گئے تھے۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے یہ آسانی دو بالغ افراد بھی دستیاب ہو گئے جن پر اس نے اپنی ایجاد کو کامیابی کے ساتھ آزمایا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ بعض اوقات اتنے غیر متوقع واقعات در پیش آ جاتے ہیں کہ مختلف کڑیوں کی ایک پوری زنجیر بنتی چلی جاتی ہے۔ اگر وہ اتفاق سے اس دن سارا ویلڈن کا پرس نہ دیکھ لیتا تو شاید آج حالات مختلف ہوتے۔ اسے اپنے تجربے کے لیے زندہ اور بالغ انسانوں کی تلاش میں نہ جانے کیا کیا کرنا پڑتا۔ پھر ان انسانوں کو رہائش گاہ تک لانا انہیں زیر زمین حیاتیاتی لیبارٹری میں پہنچانا ان ساری چیزوں کے لیے نہ جانے کون کون سے مراحل سے گزرنا پڑتا۔ ڈاکٹر خوش تھا کہ قدرت نے اس کی مدد کی۔ سارا ویلڈن نے اس کے لیے کامیابیوں کا دروازہ کھول دیا۔ وہ خفیہ نسلی تحریک کو تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ جو کہ اس کے لئے ایک معمولی کام تھا۔ اپنے تجربے کے لیے انسانوں کو بھی حاصل کر سکا۔

......جاری ہے......

☆......☆......☆

●......●......●